القرآن الحکیم

معہ ترجمہ مستفاد

تبیین

ترجمہ ... حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی

تفسیر فرخ البیان

از

... صاحب ...

ملک ... ایند سنز پبلشرز کشمیری بازار۔ لاہور (۸)

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

ترجمہ

یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔
اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔

القرآن الحکیم

معہ ترجمہ مستفاد

از ترجمتین

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ - و - حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ

اور

تفسیر سراج البیان

از

علامہ محمد حنیف صاحب ندوی

اس تفسیر کی ترتیب و تالیف میں حدیث و تفسیر کی جن کتب سے مدد لی گئی ہے، وہ یہ ہیں :-
خازن۔ روح المعانی۔ تفسیر کبیر امام رازی۔ تفسیر ابن جریر۔ دُر منثور۔ تفسیر ابن کثیر۔ مدارک۔ مسند حاکم۔ مسند بزار۔ اسباب النزول از جلال الدین سیوطی۔ تفسیر حقانی۔ خلاصۃ التفاسیر۔ موضح القرآن۔ تفسیر حسینی۔ تفسیر بیان القرآن اور کتب صحاح ستہ۔ مقدمہ قرآن پاک کی افادیت اور اہم علمی مباحث پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کے آخر میں قرآن مجید کے "اردو تراجم کی ابتدا" پر ایک مضمون ملحق ہے۔

ناشرین

ملک سراج الدین اینڈ سنز۔ پبلشرز۔ کشمیری بازار۔ لاہور (۸)

بار اوّل ——— اپریل ۱۹۸۳ء
طابع ——— ملک سراج الدین
مطبوعہ ——— سراج محمدی پریس
مقام اشاعت ——— ملک سراج الدین اینڈ سنز
پبلشرز کشمیری بازار لاہور (۹)
کاتب ——— منشی سید احمد خوشنویس لاہور

تصحیح کے فرائض مستند علما کے ایک بورڈ نے مولانا محمد مشرف علی صاحب تھانوی و مولوی محمد رمضان صاحب کی زیر نگرانی سر انجام دئے ہیں۔ (مؤلف)

انتساب

میں اس تفسیر کی اشاعت اپنی زوجۂ مرحومہ مسمّاۃ تاج بیگم کے نام پر منسوب کرتا ہوں اور قارئین کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ قرآنِ پاک اور تفسیر کی تلاوت کے بعد مرحومہ کے لئے بھی دعائے مغفرت فرمائیں۔

ملک سراج الدین عفی عنہ

فضائلِ ومقاصدِ قرآن

مُسلمانوں کی اکثریت قرآن مجید کو اس کا ترجمہ ومفہوم سمجھے بغیر ہی پڑھتی ہے۔ یُوں تو ناظرہ قرآن پڑھنا ہر مسلمان کے لئے لازمی سمجھا جاتا ہے اور حافظ بھی بے شمار تیار ہوتے رہتے ہیں لیکن قرآن کو باترجمہ پڑھنے اور سمجھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور سوال یہ ہے کہ جب اللہ کے کلام مقدس کا مفہوم ہی نہ سمجھا گیا تو اُس کے فضائل وصفات کا صحیح اندازہ کیونکر ہوگا اور اس کے اغراض ومقاصد سے آگاہی کس طریق پر ہوگی؟۔ اور کم از کم اتنا بھی نہ ہوا تو ہمارا اسلام کیسا اور "مسلمانی" کے کیا معنیٰ؟

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے کلامِ پاک میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا ہے کہ

"آج کے دِن مَیں نے تمہارے لئے تمہارا دین (اِسلام) مکمّل کر دیا اور تم پر اپنی (سب سے بڑی) نعمت (قرآن) ہر طرح سے تمام کر دی اور تمہارے لئے بطورِ دین و مذہب اسلام کو اپنی رضا سے پسند کر لیا" (پ۶: ع۵)

اور اس بنا پر تا وقتیکہ آپ ترجمۂ قرآن اور مفہوم قرآن سے کما حقّہٗ باخبر نہ ہوں' آپ یہ یقین واذعان کیونکر حاصل کر سکتے ہیں کہ نزولِ قرآن سے "تکمیلِ دین" ہوئی۔ خُدا نے مسلمانوں پر ہر جہت سے "اتمامِ نعمت" کر دیا اور دینِ فطرت ہونے کے لحاظ سے اسلام کو آپ کے لئے معین ومنتخب کر لیا گیا۔ "تکمیلِ دین" کا صحیح اندازہ تو اسی صُورت میں ہوگا جب آپ "دستورِ دین" (قُرآن) کے فضائل ومقاصد سے بھی پُوری طرح باخبر ہوں گے۔

اعتقادی اور عملی حیثیّت سے قرآن مجید کا ایک بُنیادی مقصد اور اساسی فائدہ یہ تھا کہ دُنیا کے تمام مسلمان توحیدِ الٰہی کے ازلی وابدی مرکز پر متحد ومجتمع ہو کر ہر قسم کے نفاق واختلاف سے بچ جائیں اور عالمگیر اخوّت واتحاد سے وہ قومی اور اجتماعی فوائد حاصل کریں جو حقیقی منشائے اسلام ہیں۔ چُنانچہ اسی بنا پر ارشاد فرمایا۔

"اے مسلمانو! سب کے سب مل کر اللہ کی رسّی (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور الگ الگ ٹولیاں نہ بناؤ"

"اے مسلمانو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے آپس میں پھُوٹ پیدا کر لی (فرقے بنالئے) اور خدا کے صاف صاف احکام آنے کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے اور یہی لوگ ہیں جن کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔ (پ۴: ع۲)

○

"اللہ اور اُس کے رسولِ برحق کی اطاعت کرو اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کیا کرو (اگر کرو گے) تو بودے ہو جاؤ گے اور دشمنوں کے مقابل تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو۔ کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (پ۱۰: ع۲)

○

پس بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ آج قرآن مجید کے حقیقی مرتبہ، عظمت واہمیّت اور اصلاحی وافادی عناصر کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ترجمہ ومفہوم سے عام جہالت ہے۔ بہرکیف بالخصوص اس وقت ہمارے پیشِ نظر دو اہم سوالات ہیں اور وہ یہ کہ:۔

(۱) قرآن مجید ہی کی زبان میں قرآن کے فضائل وصفات کیا ہیں؟

(۲) نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے قرآن مجید کے حقیقی اغراض و مقاصد کیا ہیں؟

یاد رہے کہ ان ہر دو سوالات کے مفصّل جوابات صفحاتِ قرآن میں اکثر جگہ بھرے پڑے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے کہ "قرآن تمام چیزوں کی تفصیل ہے اور اس میں انسانیت کے لئے تمام مفید مثالیں بیان کر دی گئی ہیں" لہٰذا "فضائلِ قرآن" اور "مقاصدِ قرآن" کا موضوع بھی کسی لحاظ سے تشنہ و نامکمل نہیں چھوڑا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فصیح و بلیغ اور معجز نما اندازِ بیان کے مطابق یہاں بھی تھوڑے سے تھوڑے الفاظ میں قرآن کے زیادہ سے زیادہ محامد و مقاصد ارشاد فرماتا ہے اور یہ وہ صفات و خواص کلام اللہ ہیں جن سے خدا کے متقی اور مخلص و وفادار بندوں نے بے شمار علمی فوائد حاصل کئے ہیں اور دُنیا و عقبیٰ میں سرفراز و کامیاب ہوئے ہیں۔ یقین نہیں تو تاریخ اسلام میں اپنے اسلاف کی محیّر العقول سیرت کا مطالعہ فرمائیے ؎

وہ کیا گردُوں تھا تو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری، — وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" کا رہا شانِ امارت میں — "بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رُوئے زیبا را"
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے — جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں — مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے یہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا (اقبالؒ)

الغرض ذیل میں قرآن مجید کی اُن آیات کے تراجم پیش کئے جا رہے ہیں جن میں سے بیک وقت "فضائلِ قرآن" اور "مقاصدِ قرآن" کا خاطر خواہ اندازہ ہوگا۔ ان کے مفہوم و مقصد پر پُوری توجہ سے غور فرمائیے :-

"اس کتاب میں (اس کے من جانب اللہ ہونے میں) کوئی شک نہیں ہے۔ یہ پرہیزگاروں کو سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ وہ لوگ جو بن دیکھی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ نماز کو درستی سے ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا، اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور اُن کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اور آخرت (قیامت) میں بھی انہیں کوئی شک و شبہ نہیں" (البقرۃ : ع۱)

○

"اے پیغمبرؐ! ہم نے تجھ پر کھلی آیتیں اتاریں اور اُن سے انکار وہی کرتے ہیں جو کافر ہیں" (البقرۃ : ع۱۲)

○

"کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ خدا کے سوا اور کہیں سے آیا ہوتا تو وہ اُس میں بہت سا اختلاف پاتے" (النسآء : ع۱۱)

○

"اے انسانو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے (راہِ راست) کی دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف ایک جگمگاتا

نور (قرآن) بھیجا۔ پھر جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی سنت (جنّت) اور فضل (دیدارِ حق) میں داخل کرے گا اور انہیں اپنے تک پہنچنے کی سیدھی راہ دکھائے گا۔" (النسآء: ۴:۱۷۴)

○

"بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نُور آیا ہے اور وہ قرآن جو خدا کی طرف سے حق کو واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے (قرآن سے) ان لوگوں کو دوزخ سے بچاؤ کی راہیں دکھاتا ہے جو اُس کی مرضی پر چلتے ہیں اور انہیں اندھیرے (کفر) سے نکال کر اپنے حکم سے نور (اسلام) میں لاتا ہے اور ان کو (شریعت کا) سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔" (المائدہ: ۵:۱۶)

○

"تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہیں دل کی آنکھیں (آیاتِ قرآنی) پہنچ چکی ہیں۔ اب جو کوئی دیکھے تو اپنا ہی فائدہ کرے گا اور جو اندھا بن جائے تو اپنا ہی نقصان کرے گا اور میں تم پر داروغہ نہیں ہوں۔" (الانعام: ۶:۱۰۴)

○

"اے پیغمبرؐ! لوگوں سے کہیئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو ڈھونڈ لوں۔ حالانکہ اُسی نے تم پر یہ کتاب (قرآن) اتاری جو حق کو کھول کر بیان کرتی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ خوب جانتے ہیں کہ قرآن تیرے پروردگار کی طرف سے پُوری صداقت کے ساتھ اُترا ہے اور تو (اُن کی باتوں سے) اپنے دل میں شک وشبہ کو ہرگز دخل نہ دے۔" (الانعام: ۶:۱۱۴)

○

"یہ کتاب تجھ پر اس لئے اتاری گئی ہے کہ تو اس سے کافروں کو ڈرائے اور ایمان والوں کو نصیحت کرے۔ لہٰذا اس کے پہنچا دینے میں تیرا دل تنگ نہ ہونے پائے۔" (الاعراف: ۷:۲)

○

اس قرآن میں کیا ہی سمجھ بُوجھ کی باتیں ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آئیں اور یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سُنو اور خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔" (الاعراف: ۷:۲۰۴)

○

"اے انسانو! تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت (قرآن) آئی اور دلوں میں بیماریاں ہیں اُن کے لئے یہ دوا ہے۔ اور ایمانداروں کے لئے رحمتِ خُداوندی اور راہِ حق کی دلیل ہے۔ اے پیغمبرؐ! کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ اس سے بہتر ہے جو وہ سمیٹتے ہیں۔" (یونس: ۱۰:۵۸)

○

"اے پیغمبرؐ! ہم نے جو کچھ (قرآن) تجھ پر اُتارا۔ اس میں اگر تجھے شک ہو تو (اس کی صداقت کے متعلق) ان لوگوں سے بھی پُوچھ لے (گواہی لے) جو تجھ سے پہلے کی کتاب (توریت) پڑھتے ہیں۔ بے شک تیرے مالک کی طرف سے تجھ کو سچی کتاب پہنچ گئی۔ پس تو شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (اگر تو ایسا کرے گا) تو پھر تو خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔" (یونس: ۱۰:۹۵)

"یہ آیات کھلی کتاب (قرآن) کی ہیں۔ ہم نے اس کتاب کو اُتارا جو عربی زبان میں پڑھی جاتی ہے۔ تاکہ تم حق کو سمجھو" (یوسف: ۱،۲)

○

"یہ کتاب ہم نے تجھ پر اس لئے اُتاری کہ تو لوگوں کو اُن کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے یعنی اس زبردست خوبیوں والے خدا کی راہ پر جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام کائنات کا حقیقی مالک ہے" (ابراھیم: ۱،۲)

○

"یہ قرآن لوگوں کو نصیحت کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور یہ جاننے کے لئے کہ اللہ ہی ایک سچا معبود ہے اور عقل مندوں کو (راہِ حق کے متعلق) نصیحت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے" (ابراھیم: ۵۲)

○

"اور اے پیغمبرؐ! ہم نے تو یہ کتاب اس لئے اُتاری ہے کہ تو لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بیان کرے جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ کتاب ایمانداروں کو صحیح راہ دکھانے والی ہے اور رحمت ہے" (النحل: ۶۴)

○

"بے شک یہ قرآن وہی راہ دکھاتا ہے جو بہت ہی صحیح ہے اور یہ ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کو آخرت میں بڑا اجر ملے گا (اور یہ بھی بتایا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اُن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" (بنی اسرائیل: ۹،۱۰)

○

"اے پیغمبرؐ! ہم نے تو قرآن کو تیری زبان میں اس لئے آسان کر دیا کہ تو اُس کو سنا کر پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو لوگوں (کافروں) کو ڈرائے" (مریم: ۹۷)

○

"یہ ایک سُورت ہے جس کو ہم نے اُتارا اور اُس کی پیروی ہم نے انسانوں پر فرض کر دی اور اس میں ہم نے کھُلی کھُلی باتیں اُتاریں تاکہ تم انہیں یاد رکھو" (النور: ۱)

○

"مسلمانو! ہم نے تم کو (قرآن میں) کھُلی کھُلی آیتیں دیں۔ اور جو لوگ تم سے پہلے گزر گئے، اُن کے حالات اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کی باتیں اس میں درج کر دیں" (النور: ۳۴)

○

"یہ قرآن اور کھُلی کتاب کی آیات ہیں اور اُن ایمانداروں کے لئے راہِ حق کی دلیلیں اور خوشخبریاں ہیں جو نماز کو درستی سے ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں" (النمل: ۱،۳)

○

"اے پیغمبرؐ! (نبوت سے پہلے) تجھے یہ اُمید کہاں تھی کہ تجھ پر ایسی کتاب اُترے گی۔ مگر یہ تو تیرے مالک کی مہربانی ہوئی کہ تجھ پر قرآن شریف اُترا۔ تو کافروں کی رعایت مت کر اور انہیں صاف صاف اللہ کا حکم سنا دے" (القصص: ۸۶)

"کیا ان لوگوں کی راہنمائی کے لئے یہ (دلیل) کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر قرآن اُتارا جو اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔" (العنکبوت : ۵۱)

○

"یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ اس میں نیکوں کے لئے راہِ حق کے دلائل اور رحمت ہے۔ وہ لوگ جو نماز کو درستی سے ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کی سیدھی راہ پر ہیں اور یہی مراد پائیں گے۔"

○

"یہ کتاب اُس کی طرف سے اتاری گئی ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ کفار کہتے ہیں کہ اس نے (محمدؐ نے) قرآن کو خود گھڑ لیا ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں۔ وہ تیرے پروردگار کی طرف سے سچی کتاب ہے۔ اور تیرے پروردگار کی طرف سے اس لئے اُتاری گئی ہے کہ تو اُن لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں آیا۔ تاکہ وہ سیدھی راہ پائیں۔" (السجدہ : ۶۱)

○

"اے پیغمبرؐ! یہ کتاب جو ہم نے تیری طرف بھیجی ہے، بالکل سچی ہے اور اگلی کتابوں کو بھی سچ بتاتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور (اُن کو) دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم نے (تیرے بعد) اس قرآن کا وارث اُن بندوں کو بنایا جن کو ہم نے چُن لیا۔" (فاطر : ۶۴)

○

"یہ قرآن زبردست اور رحم والے خدا کا اُتارا ہوا ہے۔ اس لئے کہ تو اُن لوگوں کو قیامت کے حساب کتاب سے ڈرائے جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے۔" (یٰس : ۶۱)

○

"اے پیغمبرؐ! یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے تجھ پر اُتارا۔ یہ بڑی برکت والی ہے۔ تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل والے اس سے نصیحت پکڑیں۔" (صٓ : ۶۱)

○

"اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی اچھی کتاب (قرآن) اُتاری۔ اس کی آیات ملی جُلی ہیں اور دُہرائی گئی ہیں۔ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن کے رُوئیں اس کو پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کے پوست اور دل اللہ کی یاد کے لئے نرم، رقیق و خائف ہو جاتے ہیں۔" (الزمر : ۶۳)

○

"اور اگر ہم اس قرآن کو کسی دُوسری زبان میں اُتارتے تو یہ لوگ (کفارِ عرب) کہتے کہ اس کی آیات صاف اور واضح کیوں نہیں ہوئیں (کیا عجیب بات ہے کہ) قرآن تو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اور خود پیغمبرؐ عرب کا ہو (اے پیغمبرؐ!) یہ قرآن ایمان والوں کو راہِ حق دکھانے والا ہے اور (دل کی تمام بیماریوں کے لئے) صحت ہے اور جن لوگوں میں ایمان نہیں، اُن کے کانوں میں قرآن ایک بوجھ ہے اور وہ اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ گویا ان لوگوں کو کوئی (شیطان) کسی دُور دراز جگہ سے پکار رہا ہے۔" (السجدہ : ۶۵)

○

"اور اے محمدؐ! ہم نے اسی طرح اپنے حکم سے ایک رُوح تیری طرف بھیجی۔ اس سے پہلے تجھ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ

کتاب کیا چیز ہے اور نہ تجھے ایمان کے تقاضے معلوم تھے لیکن ہم نے قرآن کو ایک نور بنایا ہے اور ہم اس نور سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔" (الشوریٰ : ۵۲)

○

"اس قرآن میں لوگوں کے لئے عقل وشعور کی باتیں ہیں اور جو لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہیں، اُن کے لئے اس میں راہِ حق کی طرف صحیح رہنمائی اور رحمت و برکت ہے۔" (الجاثیہ : ۲۰)

○

"قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب اُتر چکی ہے جو پیروی کے لائق اور رحمت تھی اور یہ قرآن بھی ایک کتاب ہے جو اگلی کتابوں کو سچ بتلاتی ہے اور عربی زبان میں اس لئے اُتری ہے کہ گنہ گاروں کو ڈرائے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔"
(الاحقاف : ۱۲)

○

"تُو قرآن سے اُن لوگوں کو نصیحت کر جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔" (ق : ۴۵)

○

"(اے پیغمبر!) اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے (حالانکہ پہاڑ سب سے سخت چیز ہے) تو تُو دیکھتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے جھک رہا ہے اور پھٹ رہا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں سے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ (احکامِ الٰہی کو) سوچیں اور سمجھیں۔"
(الحشر : ۲۱)

○

"اور قرآن تو دُنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔" (القلم : ۵۲)

○

"قرآن تو (انسانیت کے لئے) ایک نصیحت ہے۔ پس جو شخص بھی چاہے اپنے پروردگار تک پہنچنے کے لئے (بذریعہ قرآن) صحیح راستہ اختیار کرے۔" (الدھر : ۲۹)

○

"یاد رکھو کہ قرآن تو (نوعِ انسانی کے لئے) ایک مفید نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ یہ عزّت والے اوراق میں لکھا ہُوا ہے جو اُونچی جگہ رکھے ہوئے ہیں اور پاک وصاف ہیں۔ ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں جو عزّت والے اور فرمانبردار ہیں۔" (عبس : ۱۱)

○

"یہ قرآن نہایت بزرگی والا ہے اور وہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہُوا ہے۔" (البروج : ۲۱)

"بیشک ہم نے قرآن کو (لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر) شبِ قدر میں اُتارا۔" (القدر : ۱)

"اللہ تعالیٰ کا رسول جو مقدّس اوراق اُن کو پڑھ کر سُنائے۔ اُن میں پکّی اور معقول باتیں درج کی گئی ہیں۔"
(البیّنہ : ۱)

○

"اور یہ قرآن (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مجھ پر اُتارا گیا ہے، تاکہ میں تم کو اور جن لوگوں کو یہ قرآن پہنچے، خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔" (الانعام : ۱۹)

غور کیجئے تو ان تمام مثالوں میں جہاں "فضائل قرآن" موجود ہیں، وہاں ساتھ ہی "مقاصدِ قرآن" کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے فضائل میں اور تو ہزاروں دلائل بیان کئے گئے ہیں اور وہ ہمارا جُزوِ ایمان بھی ہیں۔ لیکن اس کی فضیلت و عظمت پر یہی ایک دلیل بس ہے کہ جس رات میں وہ کلامِ مقدس نازل کیا گیا، وہ رات ہزار مہینوں سے بہتر و مبارک تر ہو گئی۔ وہ "لوحِ محفوظ" سے آیا۔ سیّد الملائکہ جبرئیلِ امین جیسا مقدس و برگزیدہ فرشتہ اس کا پیامبر بنا اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مقدس پر نازل ہوا جو "رحمۃ للعالمین" بھی ہے۔ حاملِ "خُلقِ عظیم" بھی ہے۔ "مُبشر" بھی ہے۔ "شاہد" بھی ہے "داعی الی اللہ" بھی ہے۔ "سراجِ منیر" بھی ہے۔ "رؤف و رحیم" بھی ہے اور "صاحبِ لولاک" بھی!

پھر قرآن مجید کے رُعب و جلال اور سوز و اثر کو لیجئے تو اس پر یہی دلیل بس ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی جسیم و عریض اور ٹھوس چیز پر بھی نازل کیا جاتا تو وہ خوفِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ مثالیں انسانوں کے لئے اس غرض سے بیان کی جاتی ہیں کہ وہ کچھ عبرت و نصیحت حاصل کریں اور "اشرف المخلوقات" کے مُدعی ہو کر حیوانات تو کیا جمادات سے بھی بدتر و پست تر حالت میں نہ رہیں۔

اب جہاں تک قرآن مجید کے "مقاصد" یا عملی "فوائد" کا تعلق ہے تو اس موضوع پر کلام اللہ کا یہ بنیادی فائدہ ہی کیا کم ہے کہ وہ انسانی دل کے لئے صحتِ کُلی ہے! انسان کے جسم میں صرف دل سب سے بڑا عضوِ رئیس تسلیم کیا گیا ہے۔ رُوحانی، معنوی اور نفسیاتی لحاظ سے بھی وہ تمام جذبات و احساسات اور افکار و عقائد کا مرکز واقع ہوا ہے۔ الغرض نہ صرف جسمانی بلکہ رُوحانی صحت کا دار و مدار بھی دل کی صحت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ (اطاعتِ الٰہی سے اصلاح پذیر ہو جائے تو تمام جسم اصلاح پذیر ہو جاتا ہے اور جب وہ (گناہ و سرکشی سے) مسخ و ناپاک ہو جائے تو تمام جسم مسخ و ناپاک ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا تمہارا دل ہے۔"

پس بنا بریں قرآن مجید کا یہی معجزہ کیا کم ہے کہ وہ آپ کے دل جیسی اہم اور مرکزی شئے کو "شفائے کلی" عطا کرنے کا ضامن ہے اور پھر دُنیا میں تمام قسم کے جناتی اور انسانی شیاطین حتیٰ کہ خود نفسِ امّارہ بھی انسان کو "نورِ حق" سے کھینچ کر ظلماتِ کفر و فسق کی طرف لے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے تیرہ و تاریک ماحول میں صرف میرا "نور" قرآن ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمہیں اندھیروں سے نکال کر ایمان و یقین اور راستبازی کی غیر فانی روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے۔ ہمارے مشرقی مصنفین و مصلحین میں خاص طور پر علامہ اقبالؒ کلام اللہ کے فضائل و محامد سے نہایت شدت کے ساتھ متاثر ہوئے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو رسمی و رواجی طور پر سطحی نظر سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اُس کے معنوی اسرار و غوامض اور نکات و حِکم پر مسلسل غور و تدبر فرمایا تھا۔ چنانچہ ان کی زبانِ فیض ترجمان میں بھی قرآن مجید کے فضائل و مقاصد ملاحظہ فرمایئے ؎

ملّتے را رفت چوں آئیں ز دست، قوم نے جب سے اپنا دستورِ زندگی چھوڑ دیا	مثلِ خاک اجزائے او از ہم شکست اس کے اجزائے زندگی غبار کی طرح بکھر گئے
ہستیِ مُسلم ز آئینِ است و بس، مسلمان کی زندگی صرف آئینِ الٰہی سے قائم ہے	باطنِ دینِ نبیؐ ایں است و بس اور دینِ نبیؐ (اسلام) کا باطن اسی سے روشن ہے
برگِ گُل شُد چوں ز آئیں بستہ شُد جب پتّیاں ایک ضابطے سے باندھی گئیں تو پھول ہو گئیں	گُل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شُد اور جب پھول آئین سے باندھے گئے تو گلدستہ بن گئے
نغمہ از ضبطِ صدا پیدا استے صرف ضبطِ آواز ہی سے نغمہ پیدا ہوتا ہے	ضبط چوں رفت از صدا غوغا ستے آواز سے جب ضبط رخصت ہوا تو وہ محض شور بن گئی

در گلوئے ما نفس موجِ ہوا ست — چوں ہوا پابندِ نَے گردد نواست
ہمارے گلے میں سانس ایک موجِ ہوا ہے — جب یہی ہوا بنسری کی پابند ہو تو آواز بن جاتی ہے

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست؟ — زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست؟
اسی طرح اے مسلمان! کیا تو جانتا ہے کہ تیرا آئین کیا ہے؟ — اور زیرِ آسمان تیری عزت و آبرو کا راز کیا ہے؟

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
وہ زندہ و پائندہ کتاب قرآن مجید — جس کی حکمت لازوال ہے اور روزِ اوّل سے ہے

نسخۂ اسرارِ تمکینِ حیات! — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
قرآن اسرارِ زندگی کے ظہور پذیر ہونے کا نسخہ ہے — اور اس کی قوت سے کمزور چیزیں بھی پائیدار ہو جاتی ہیں

حرفِ او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
اس کے الفاظ میں نہ تو کوئی شک ہے اور نہ تبدیلی۔ — اور اس کی آیات میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں

پختہ تر سودائے خام از زورِ او — درفتد با سنگ جام از زورِ او
کچی عقل اس کے زور سے پختہ ہو جاتی ہے — اور اس کی قوت پا کر جام پتھر سے جا ٹکراتا ہے

می بَرد پابند و آزاد آورد! — صیدِ بنداں را بفریاد آورد!
جو اس کا پابند ہو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے — اور وہ شکاریوں (ظالموں) کو عاجز و بے بس کر دیتا ہے

نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ للعالمین
وہ نوعِ انسانی کے لئے آخری پیغام ہے — اور اس کا لانے والا دونوں جہان کے لئے رحمت

اُوج می گیرد ازو نا ارجمند — بندہ را از سجدہ سازد سربلند
بدنصیب لوگ اس سے خوش نصیب ہو جاتے ہیں — اور وہ انسان کو سجدہ سے سربلند کر دیتا ہے

رہزناں از حفظِ او رہبر شُدند — از کتابے صاحبِ دفتر شُدند
رہزن (ڈاکو) اس کے حفظ سے راہبر ہو گئے — اور ایک کتاب کی برکت سے مستند عالم بن گئے

دشت پیمایاں زتابِ یک چراغ — صد تجلّی از علوم اندر دماغ
صحرا کا سفر کرنے والے لوگ ایک چراغ کی روشنی سے — علوم کی سینکڑوں تجلیات اپنے دماغ میں سمیٹ بیٹھے

آنکہ دوشِ کوہ بارش بر نتافت — سطوتِ او زہرۂ گردوں شگافت
وہ قرآن جس کا بوجھ پہاڑوں کے کاندھے بھی نہ اٹھا سکے — اور جس کی ہیبت سے آسمان کا پتہ بھی پھٹ گیا

بنگر آں سرمایۂ آمالِ ما، — گنجد اندر سینۂ اطفالِ ما
ہماری آرزوؤں کا وہی بہترین سرمایہ (قرآن) — ہمارے بچوں کے سینے میں سما جاتا رہے

آں جگر تابِ بیابانِ کم آب — چشمِ او احمر ز سوزِ آفتاب
وہ دشتِ کم آب کا پیاسا مسافر — جس کی آنکھیں سورج کی گرمی سے سرخ رہتی ہیں

خوشتر از آہو رمِ جمّازہ اش — گرم چوں آتش دمِ جمّازہ اش
جس کی اونٹنی کی رفتار ہرن کی چال سے دلکش ہے — اور جس کی اونٹنی کا سانس آگ کی طرح گرم ہے

رختِ خواب افگندہ در زیرِ نخیل — صبحدم بیدار از بانگِ رحیل
جو کھجوروں کے نیچے بستر بچھا کر سو جاتا ہے — اور وقتِ صبح جرس کی آواز سے بیدار ہوتا ہے

دشتِ سیر از بام و در نا آشنا
جو آبادیوں سے دُور سفرِ صحرا میں مصرُوف رہتا ہے

ہر زہ گردد از حضر نا آشنا
اور اس سفر میں آرام و قیام سے بے خبر ہے

تا دِلش از گرمیِ قرآں تپید
جب سے اس کا دل گرمیِ قرآن سے بے چین ہوا

موجِ بے تابش چو جوہر آرمید
اس کی بے تاب موج موتی کی طرح راحت پذیر ہو گئی

خواند ز آیاتِ مُبینِ او سبق
قرآن کی آیات سے اُس نے زندگی کا سبق پڑھا

بندہ آمد خواجہ رفت از پیشِ حق
وہ پہلے غلام تھا اور حضورِ حق سے آقا بن کر گیا

از جہاں بانی نوازد سازِ او
اس کے ساز نے حکومتِ جہانبانی کے نغمے پیدا کئے

مسندِ جم گشت پا اندازِ او
اور جمشید کی مسند بھی اس کا پا انداز بن گئی

شہر ہا از گردِ پائش ریختند
اس کی گردِ پا سے بے شمار شہر جھڑے

صد چمن از یک گلش انگیختند
اور اس کے ایک پھول سے سو چمن پھُوٹ نکلے

اے گرفتارِ رسُوم ایمانِ تو
اے مسلمان! کہ آج تیرا ایمان گرفتارِ رسُوم ہے

شیوہ ہائے کافری زندانِ تو
اور کافرانہ طور طریقے تجھے آزادی و ترقی سے مانع ہیں

قطع کردی امرِ خود را از زبر
تُو نے تو مستند دستورِ شریعت سے قطع تعلق کر رکھا ہے

جادہ پیمائی اِلٰی شَیْءٍ نُکُرْ
اور خدا کے مغضوب و ممنوع پر گامزن ہے

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
اگر تو سچا مُسلمان ہو کر زندہ رہنا چاہتا ہے

نیست ممکن جز بقرآں زیستن
تو پھر قرآن کے بغیر تو سچا مسلمان نہیں بن سکتا

صُوفیِ پشمینہ پوشِ حالِ مست
صوفی کا حال یہ ہے کہ پشمینہ پہن کر مست ہو رہا ہے

از شرابِ نغمۂ قوالِ مست!
اور نغمۂ قوال کی شراب سے بے ہوش ہے

آتش از شعرِ عراقی در دِلش
اشعارِ عراقی کی آگ اس کے دل میں بھر رہی ہے

در نمی سازد بقرآں محفلش
اور اس کی محفل میں قرآن کا کوئی ذکر نہیں

از کُلاہ و بوریا تاج و سریر!
گویا اس کا کُلاہ اس کا تاج اس کا بوریا اس کا تخت ہے

فقرِ او از خانقاہاں باج گیر
اور اس کا تصوّف خانقاہوں سے خراج وصول کرتا ہے

واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند
واعظ کی حالت یہ ہے کہ فرضی قصّے بیان کرتا ہے

معنیِ او پست و حرفِ او بلند
اس کے الفاظ بلند ہیں مگر معنی بالکل پست ہیں

از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو
وہ فقط خطیب اور دیلمی کی روایات کا ذکر کرتا ہے

با ضعیف و شاذ و مُرسل کارِ اُو
اور محض ضعیف و غیر مستند احادیث پر وعظ کی بنیاد رکھتا ہے

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
مگر اے مُسلمان تو براہِ راست قرآن کی تلاوت کر

تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب
اور اسے سمجھ کر جو مقصد چاہے اس سے پورا کر

قرآن مجید وہ معجز نما کتاب ہے کہ وہ انسان کی تمام رُوحانی و اخلاقی ضروریّات و مقتضیات مہیّا کرنے کے باوجود اس کے اقتصادی اور معاشی مسائل کا بھی بہترین حل پیش کرتی ہے۔ آج کی دُنیا اپنی اقتصادی بے اصُولی و بدنظمی کے باعث ایک ایسی سیاسی اور سماجی کش مکش میں مبتلا ہے جس نے امن و عافیت کو نابُود کر کے اقوام میں ایک مسلسل اضطراب و

تصادم برپا کر دیا ہے۔ اگرچہ اس اقتصادی انتشار کا علاج رُوس کی اشتراکیت و اشتمالیت میں تلاش کیا جا رہا ہے۔ لیکن قرآن مجید آج سے چودہ سَو سال پیشتر اقتصادی توازن اور معاشی نظم و ضبط کے متعلق وہ جامع اور زرّیں اُصول پیش کر چکا ہے جن پر سے ہزاروں نظامِ اشتراکیت قربان کئے جا سکتے ہیں۔ علّامہ اقبالؒ نے ذیل کی مثنوی میں اگرچہ ملّتِ رُوسیہ کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کی تعلیماتِ معیشت پر روشنی ڈالی ہے لیکن حقیقتًا الفاظ کا خطاب عام ہے۔ اور ان سے خُود مسلمانوں کو بھی اسلامی اقتصادیات کے وہ ہمہ گیر اصول معلوم ہوں گے جو بوجہ جہالت و غفلت عمومًا اُن کی نظر سے اوجھل ہیں اور جن کا علم و شعُور نہ ہونے کی وجہ سے وہ اشتراکیت و اشتمالیت وغیرہ کی طرف مائل و راغب ہو رہے ہیں ؎

منزلِ و مقصُودِ قرآں دیگر است قرآن کی منزل اور اس کا مقصد کچھ اور ہی ہے	رسم و آئینِ مُسلماں دیگر است اور مسلمان کی زندگی کے اصول کچھ اور ہی ہیں
در دلِ او آتشِ سوزندہ نیست مگر آج مسلمان کے دل میں باطل سوز آگ نہیں ہے	مُصطفٰےؐ در سینۂ او زندہ نیست اور عشقِ مصطفٰےؐ اس کے سینہ میں زندہ نہیں ہے
بندۂ مومن ز قرآں بر نخورُد مُسلمان نے قرآن سے مکمل فائدہ نہیں اُٹھایا	در ایاغِ او نہ مَے دیدم نہ درد مَیں نے اس کے پیالے میں نہ شراب دیکھی نہ تلچھٹ
خُود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست اُس نے خود تو قیصر و کسریٰ کا جلوہ توڑا	خُود سرِ تختِ ملوکیت نشست اور پھر خود ہی ملوکیّت کے طور طریقے اختیار کر لئے
تا نہالِ سلطنت قوّت گرفت! جب تک حکومت کا پودا بڑھ کر طاقت پکڑ گیا	دینِ او نقشِ ملوکیت گرفت اس کے مذہب نے بھی ملوکیّت کے اصول اپنا لئے
از ملُوکیت نگہ گردد دگر اور ملوکیت سے تو قوموں کا اندازِ نظر ہی بدل جاتا ہے	عقل و ہوش و رسم و راہ گردد دِگر اور ان کے عقل و ہوش اور رسم و راہ کچھ اور ہو جاتے ہیں
تُو کہ طرحِ دیگرے انداختی تُو نے تو کسی اور نظامِ حکومت کی بُنیاد رکھی ہے	دِل ز دستورِ کُہن پرداختی اور پرانے دستورِ حکومت سے کنارہ کش ہو گیا ہے
ہم چو ما اسلامیاں اندر جہاں تُو نے ہم مسلمانوں کی طرح اس دُنیا میں	قیصریّت را شکستی استخواں قیصریّت کا بُت پاش پاش کر دیا ہے
تا بہ افروزی چراغے در ضمیر پس اپنے دل میں حق کا چراغ روشن کرنے کے لئے	عبرتے از سرگذشتِ ما بگیر تو ہماری تاریخ سے کچھ نصیحت پکڑ
پائے خُود محکم گذار اندر نبرد پیکارِ ہستی میں اپنا پاؤں مضبوطی سے رکھ	گردِ ایں لات و ہبل دیگر مگرد اور دنیا کے بُتانِ ہوا و ہوس کا طواف نہ کر
ملّتے می خواہد ایں دُنیائے پیر یہ دُنیائے کہن ایک ایسی قوم چاہتی ہے،	آنکہ باشد ہم بشیر و ہم نذیر جو معادِ دنیوی کی خوشخبری بھی دے اور عاقبت سے ڈرائے بھی
باز می آئی سُوئے اقوامِ شرق پھر تو صحیح معنوں میں اقوامِ مشرق کے قریب ہوگا	بستہ ایّامِ تو با ایّامِ شرق اور تیرے اوقات اوقاتِ مشرق سے مربوط ہوں گے

تو بجاں افگندۂ سوزے دگر
مگر تُو نے تو اپنی رُوح میں کچھ اور ہی سوز پیدا کر لیا ہے

در ضمیرِ تو شب و روزے دگر
اور تیرے دل میں کچھ اور شب و روز گردش کر رہے ہیں

کُہنہ شُد افرنگ را آئین و دیں
افرنگ کے آئین و دین تو بہت پُرانے ہو چکے ہیں

سُوئے آں دیرِ کُہن دیگر مبیں
تُو اس پُرانے بُت خانے کی طرف دوبارہ نہ دیکھ

کردۂ کارِ خُداونداں تمام
تُو نے تو معبُودوں سے قطعی انکار کر دیا ہے

بگذر از لا جانب اِلّا خرام
مگر چاہیئے یہ کہ قطعی انکار کو چھوڑ کر ایک معبُود کو مان

در گذر از لا اگر جوئندۂ
اگر تُو حق کا متلاشی ہے تو کفر و انکار چھوڑ دے

تا رہِ اثبات گیری زندۂ
جب تک تُو خدا کا اقرار کرے گا، زندہ رہے گا

اے کہ می جوئی نظامِ عالمے
تُو جو نیا نظامِ عالم تلاش کر رہا ہے

جستۂ او را اساسِ محکمے
کیا تُو نے اس کے لئے کوئی مضبوط بنیاد بھی ڈھونڈی ہے

داستانِ کُہنہ شُستی باب باب
تُو نے پرانی داستانِ سیاست تو بالکل مٹا ڈالی

فکر را روشن کُن از اُمّ الکتاب
اب اپنی فکر کو قرآن مجید سے روشن کر

با سیہ فاماں یدِ بیضا کہ داد؟
سیاہ فام لوگوں کو یدِ بیضا کس نے دیا؟

مژدۂ "لا قیصر و کسریٰ" کہ داد؟
اور شکستِ قیصر و کسریٰ کی بشارت کس نے سنائی؟

در گذر از جلوہ ہائے رنگ رنگ
عہدِ حاضر کے رنگا رنگ جلوؤں سے کنارہ کش ہو

خویش را در یاب از ترکِ فرنگ
اور تہذیبِ فرنگ کو ترک کر کے خود کو پالے

گر ز مکرِ غربیاں باشی خبیر
اگر تُو اہلِ مغرب کے فریبوں سے با خبر ہو

روبہی بگذار و شیری پیشہ گیر
تو لومڑی کی چالیں چھوڑ کر شیری اختیار کر

چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ؟
روباہی کیا ہے صرف ساز و سامانِ دُنیا میں محو ہونا

شیرِ مولا جوید آزادی و مرگ؟
مگر شیرِ حق تو آزادی کے لئے موت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا

جُز بقرآں ضیغمی روباہی است
پیروی قرآن کے علاوہ ہر شیری روباہی ہے

فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
قرآن کا فقر ہی بنیادِ شہنشاہی ہے

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
قرآنی فکر ذکر کا کامل اتحاد ہے!

فکر را کامل نہ دیدم جُز بذکر
مَیں نے فکر کو ذکر کے بغیر ہرگز مکمل نہ پایا

ذکر؟ ذوق و شوق را دادن طلب
ذکر کیا ہے؟ ذوق و شوق میں آدابِ الٰہی پیدا کرنا

کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب
یہ تو صرف زبان و لب کا کام نہیں بلکہ روح کا فعل ہے

خیزد از وے شعلہ ہائے سینہ سوز
اس ذکر سے سینہ سوز شعلے اُٹھتے ہیں،

با مزاجِ تو ہمی سازد ہنوز
اور تیرا مزاج ابھی اتنی حرارت کا متحمل نہیں

اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر
اے معشوقِ فکر کے عاشق و دلدادہ

با تو گویم از تجلّی ہائے فِکر
آ کہ میں تجھے صحیح تجلّیات دکھاؤں

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
قرآن کیا ہے؟ سرمایہ دار کے لئے پیغامِ موت

دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
اور وہ بے سر و سامان لوگوں کا مددگار ہے

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو
تو سونا موڑنے والوں سے کسی بھلائی کی توقع نہ رکھ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا!
اور بھلائی کو کوئی شخص پا ہی نہیں سکتا جب تک دولت خرچ کرے

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن
سُود کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے؟ فتنہ وفساد

کس نداند لذّتِ قرضِ حسن
اور قرضِ حسنہ کے فوائد کو کوئی جانتا ہی نہیں

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
سُود سے رُوح تاریک اور دل پتھر ہو جاتا ہے

آدمی درندہ بے دندان و چنگ
اور آدمی دانتوں اور پنجوں بغیر ہی درندہ بن جاتا ہے

رزقِ خُود را از زمیں بُردن رواست
زمین سے تو بس اپنی روزی حاصل کرنا ہی کافی ہے

ایں متاعِ بندہ و مُلکِ خُدا ست
یہ بندے کے لئے عارضی فائدہ ہے اور خدا کی ملکیت

بندۂ مومن امیں حق مالک است
بندۂ مومن تو صرف امانت دار ہے اور مالک خُدا

غیرِ حق ہر شئے کہ بینی ہالک است
اور خدا کے علاوہ تمام چیزیں فانی ہیں

رایتِ حق از ملوک آمد نگُوں!
بادشاہوں کے ہاتھوں حق کا جھنڈا نیچا ہو گیا

قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبُوں!
اور آبادیاں اُن کے حملوں سے ویران ہوتی ہیں

آب و نانِ ماست از یک مائدہ
اور حقیقتاً ہمارا رزق ایک ہی دستر خوان سے ہے

دودۂ آدمؑ "کنفسٍ واحدہ"
اور آدمؑ کا قبیلہ گویا ایک ہی متنفس کی طرح ہے

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست
جب سے اس دنیا میں قرآن کا نقش بیٹھا

نقشہائے کاہن و پاپا شکست
کاہن اور پاپا کے تمام نقوش مٹ گئے

فاش گویم آنچہ در دل مُضمر است
جو کچھ میرے دل میں ہے اُسے واضح طور پر کہتا ہوں

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
قرآن تو کوئی کتاب نہیں بلکہ کچھ اور ہی شے (معجزہ) ہے

چُوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جب یہ روح میں سرایت کرتا ہے تو اسکی کایا پلٹ ہو جاتی ہے

جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود
اور روح بدلی تو لازماً تمام دُنیا ہی بدل گئی

مثلِ حق پنہاں وہم پیداست ایں
خدا کی طرح قرآن پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی

زندہ و پایندہ و گویاست ایں
یہ زندہ ہے ابدی ہے اور ہمیشہ آوازۂ حق بلند کرتا ہے

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق
قرآن میں مشرق و مغرب کی تقدیریں پوشیدہ ہیں

سُرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق
تو بھی اپنے عقل وفہم میں بجلی کی سی تیزی پیدا کر

با مُسلماں گفت جاں بر کف بنہ
اس نے مسلمان سے کہا۔ جان ہتھیلی پر رکھ لے

ہر چہ از حاجت فزُوں داری بدہ
اور زائد از ضرورت جو کچھ بھی ہے راہِ خدا دے ڈال

آفریدی شرع و آئینے دگر!
تُو نے تو ایک نئی شریعت اور نیا آئین وضع کیا ہے

اندکے با نُورِ قرآنش نگر!
اس آئین و شریعت کو نورِ قرآنی سے دیکھ

از بم و زیرِ حیات آگہ شوی
تاکہ تُو زندگی کے نشیب و فراز سے باخبر ہو جائے

ہم ز تقدیرِ حیات آگہ شوی
اور تقدیرِ زندگی تجھ پر کماحقہٗ منکشف ہو

اُردُو تراجم کی اِبتدا

قرآن پاک عربی زبان میں سرزمینِ مکّہ میں نازل ہوُا۔ لیکن اللہ کا یہ پیام کسی ایک قبیلہ یا محدُود خطۂ ارضی کے لیئے نازل نہیں ہوُا تھا، بلکہ کائناتِ عالم کے گوشہ گوشہ میں بسنے والوں کے لئے یکساں پیغامِ ہدایت تھا۔ چنانچہ مشرق و مغرب، جنوُب و شمال میں اس کی صدائیں بلند ہوئیں۔ برّ صغیر ہند میں بسنے والوں کے لیئے اختلافِ زبان کی وجہ سے اس کا سمجھنا دُشوار تھا اِس لیئے ضرورت پیش آئی کہ اُردو زبان میں اس کے معانی کو منتقل کیا جائے۔

مغلوں کی حکومت کا ہندوستان پر یہ اثر تھا کہ اکثر مقامات پر فارسی زبان خوُب بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ فارسی شاعری کا عرُوج تھا۔ حتیٰ کہ اُردو میں بھی جو شعر کہا جاتا، اُس میں فارسی کے الفاظ کو ستر او راسی فی صد دخل ہوتا تھا۔ ادھر کیونکہ فارسی اور عربی میں کافی مماثلت ہے۔ عربی کے بہت سے الفاظ بلا تغیّر فارسی میں بولے جاتے ہیں، اس لئے قرآنی تعبیرات کا فارسی میں پیش کرنا چنداں دُشوار نہ تھا۔ لیکن علماء حق کے پیش نظر یہ سوال تھا کہ قرآنِ پاک کا ایک ایک لفظ اپنے اندر بے شمار معانی لئے ہوئے ہے اور عربی کے سوا کسی زبان میں اس کا تحمّل نہیں کہ ایک ہی لفظ میں اتنے بہت سے مضامین مضمر ہو سکیں۔ اس لئے اگر ترجمہ میں کسی ایک معنی کو بیان کیا جائے تو دیگر معانی کی تعبیر پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ اِس لئے علماء حق ترجمہ سے احتراز فرماتے رہے۔ لیکن بعض ناسمجھ اور عربیّت سے ناواقف لوگوں نے جب ترجمے شروع کیئے تو قرآن پاک کے وہ بے شمار مضامین بالکل ہی پوشیدہ ہوگئے۔ اس لئے یہ ضرُورت اور بھی قوت پکڑ گئی کہ حتیّ المقدور تعبیراتِ قرآنی کو قواعدِ شرعیہ کے تحت پیش کیا جائے۔ اس مہم کی انجام پذیرائی کے لئے ۱۱۵۰ھ میں سب سے پہلے مجدّدِ وقت عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے فارسی زبان میں ترجمہ قرآنِ پاک فرمایا جس کا نام "فتح الرحمٰن" رکھا۔ لیکن جب فارسی زبان کا رواج کم ہونے لگا تو اس ترجمہ کا سمجھنا بھی دُشوار ہونے لگا۔ اس لئے اس ترجمہ کے تقریبًا پچپن سال بعد شاہ ولی اللہؒ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے ۱۲۰۵ھ میں اُردو زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ اُردو تراجم میں خشتِ اوّل کا مقام رکھتا ہے۔ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اُس وقت کے مُحاورات کا بھی لحاظ رکھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ملحوظِ خاطر رہا کہ مُحاورہ مدلولِ قرآنی کے تابع رہے۔ ایسا نہ ہو کہ مدلولِ قرآنی کو مُحاورات پر قربان کر دیا جائے۔ چنانچہ جہاں اُردو زبان کا کوئی محاورہ قرآنی تعبیر کا متحمّل نہ تھا، وہاں محاورہ کی پرواہ کیئے بغیر محض سادے انداز میں ترجمہ کر دیا گیا۔ یہ ترجمہ تمام علماء ربانیین کے نزدیک مستند اور معتمد ہے۔

اسی زمانہ میں اس ترجمہ کے ساتھ ہی انھوں نے کچھ ضروری فوائد مرتّب فرمائے جن کو "تفسیر موضح القرآن" کے نام سے موسُوم کیا۔ اُردو زبان میں شاہ عبد القادرؒ کے برادر شاہ رفیع الدّین صاحبؒ نے اسی زمانہ میں بالکل تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ تاکہ قاری تلاوتِ قرآن کے ساتھ بآسانی اس کے لفظی مطالب سے بھی لطف اندوز ہو سکے۔ اس ترجمہ میں زبان و ادب کے محاورات کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ جس ترتیب پر الفاظِ قرآنی ہیں، اسی

ترتیب پر اُردو کے الفاظ رکھے گئے۔ کیونکہ تحت اللفظ ترجمہ سے مطلب برآری مشکل ہے اور با محاورہ ترجمہ مطلب خیز ہوتا ہے۔ اس لئے شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ سہولت و افادیت میں فائق ہے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ۱۲۰۸ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلویؒ نے فارسی زبان میں ایک مبسوط تفسیر لکھی جس کو لطائف و معارف میں امام رازی کی تفسیر کبیر کا نمونہ کہا جائے تو بلا شبہ صحیح ہوگا۔ لیکن افسوس کہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی۔ بلکہ پہلی جلد میں دُوسرے پارے کے کچھ حصّے تک اور دُوسری جلد میں انتیسواں اور تیسواں پارہ لکھا گیا۔ علماء کا خیال ہے کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہوجاتی تو رُوئے زمین پر اس کی نظیر نہ ہوتی۔

ترجمہ و تفسیر کا ایک دَور یہ گزرا تو ۱۳۲۵ھ میں با محاورہ اُردو زبان میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر "بیانُ القرآن" لکھی۔ جس میں حلِ مطالب اور ربطِ آیات کا خاص خیال رکھا گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں بہت سے اُردو تراجم ہو چکے تھے اور ہر شخص کو ترجمہ کا جیضنہ تھا۔ اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دَورانِ تفسیر بہت سے رسالے لکھے جس میں غلط تراجم کی غلطیوں پر متنبہ کیا۔ جن کا نام اصلاح ترجمہ (فلاں) رکھا جاتا تھا۔

بیانُ القرآن سے کچھ عرصہ قبل حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدّث دہلویؒ نے ایک تفسیر لکھی تھی جس کا نام "فتح المنان" رکھا جس کو تفسیرِ حقانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس میں حلِ مطالب کے ساتھ قرآن پاک کی ترکیب نحوی اور مذاہبِ باطلہ کی تردید کو بسط و شرح کے ساتھ ملحوظ رکھا۔ اس کے بعد اسی طرز پر ایک مختصر اور جامع تفسیر شیخ الاسلام علامہ شبیّر احمد صاحبؒ عثمانی نے لکھی جو آج بھی امام الاولیا شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن پاک کے ساتھ شائع شدہ ملتی ہے۔

حضرت مولانا محمُود الحسن صاحب کا ترجمہ اور مولانا شبیّر احمد صاحب کی تفسیر بس سونے پر سُہاگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اعلیٰ علیّین میں مراتب عطا فرمائے۔ آمین! اور ہمیں اُن کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔ ان اہم مراحل سے گزر کر یہ قرآن پاک ہمارے ہاتھوں میں موجُود ہے۔

دَورِ جدید میں اگرچہ بے شمار تراجم موجُود ہیں۔ لیکن مَیں اپنے احباب کی خدمت میں جن تراجم کا تعارف کرا چکا ہوں، وہ ہند و پاک کے مستند تراجم ہیں جن پر آج قرآن فہمی کا مدار سمجھا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

فقط

مشرّف علی تھانوی

۶ مارچ ۱۹۶۶ء

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

ترجمہ

یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔

القرآن الحکیم

معہ ترجمہ مستفاد

از ترجمتین

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ - و - حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ

اور

تفسیر سراج البیانؒ

از

علامہ محمد حنیف صاحب ندوی

خصوصیات

① ہر صفحہ کے اہم مضامین کی تبویب ② انداز محققانہ ③ عصری علوم ومعارف سے برموقع استفادہ ④ تصوف وکلام کے معارفِ تفسیری کا استیعاب ⑤ ادبی ولغوی نکات وحکم کا تذکرہ ⑥ جدید زندگی کے مسائل کی وضاحت ⑦ مذہب سلف کی برتری اور تفوق کا اظہار ⑧ حلِ لغات ⑨ زبان اعلیٰ وحسین کی اور اندازِ بیان وجد آفریں ⑩ سب سے بڑی بات یہ کہ آپ اس کا مطالعہ کرکے یہ محسوس کریں گے کہ قرآن دنیائے ادب میں سب سے عمدہ اضافہ ہے

ناشرین

ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار - لاہور (۸)

آیاتہا ۷ — سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ — رکوعہا ۱

(۱) سُورۃ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○ف

۱- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

۱- سب تعریف اللہ کیلئے ہے جو کل جہان کا پروردگار ہے ○ف۲

۲- الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

۲- بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○

۳- مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○

۳- انصاف کے دن کا مالک ہے ○ف۳

۴- اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○

۴- ہم تیری ہی بندگی کرتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ○ف۴

۵- اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○

۵- ہمیں سیدھی راہ پر چلا ○ف۵

۶- صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ ۵

۶- اُن کی راہ جن پر تُونے اپنا فضل کیا ۵

۷- غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ ع

۷- نہ اُن کی راہ جن پر غصہ ہُوا اور نہ بھٹکنے والوں کی ○ف۶

اُمّ الکتاب کے فضائل ونکات

قرآن مجید میں اس کا نام "سبع مثانی" ہے۔ احادیث میں فاتحہ، کافیہ، اُمّ الکتاب اور کنز وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہے۔ اس لئے کہ نماز میں اسے بار بار پڑھا جاتا ہے "سبع مثانی" ہے اس لئے کہ قرآن حکیم کی ابتدا اس سے ہوتی ہے "فاتحہ" ہے اس لئے کہ معارف کا گنج گراں مایہ اس میں پوشیدہ ہے "کنز" کہلاتی ہے اس لئے کہ تمام اساسی وضروری اصول اس میں مذکور ہیں۔ اُمّ الکتاب یا کافیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ یہ سارے قرآن ذی شان کا عطر سمجھئے۔ تمام باتیں بالاجمال اس میں آگئی ہیں ا۔ ربِ کائنات کی حمد وستائش جس کی رحمتیں وسیع اور ہمہ گیر ہیں۔ جو فیصلے کے دن کا تنہا مالک ہے (ب) ایک خدا کی پرستش کا اعتراف اور ہر کام میں اسی سے استعانت کا اقرار (ج) صراطِ مستقیم یا جادۂ ہدایت کی طلب جس پر چل کر تمام برگزیدہ لوگوں نے انعام حاصل کئے اور جس سے ہٹ کر چاہِ غضب وضلالت میں گر گئے۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ یہ قرآن میں عظیم ترین سُورۃ ہے۔"ی"، حضرت ابن عباسؓ جو حبرِ اُمّت اور پہلے مفسّر قرآن صحابی ہیں، فرماتے ہیں "فاتحہ میں دو ثلث تقریبًا آجاتے ہیں۔ یعنی دو تہائی مضامین ف۱ بسم اللہ سے قرآن کا آغاز ہوتا ہے اور یہ ہر نوع کے آغاز کے لئے اس درجہ موزوں ہے کہ بسم اللہ کے معنی ہی آغاز یا شروع کے ہو گئے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ کل امر ذی بال لم یبدأ باسم اللہ فھو ابتر۔ یعنی ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے ہو ورنہ ناکامی ہوگی۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر کام میں مندرجۂ ذیل امور کا خیال رکھا جائے جو بسم اللہ میں بتلائے گئے ہیں۔ بسم اللہ ایک پیغامِ عمل ہے جسے غلطی سے ایک فسوں سمجھ لیا گیا ہے (۱) کام کا مقصد نیک ہو اللہ کی رضا اس میں مستتر ہو (۲) خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے ماتحت شروع کیا جائے یعنی بتدریج استقلال اور رجا کو ہاتھ سے دیا جائے (۳) مایوسی اور قنوط طبیعت پر نہ چھا جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے۔ وہ کسی طرح بھی ہمارے نیک اعمال ضائع ہونے نہیں دیتا۔ یہ سہ گانہ اصول ہیں جو بسم اللہ میں بتلائے گئے۔ ظاہر ہے انہیں ہر وقت ملحوظ رکھنا ہر کام میں کامیابی حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ ف۲ خدا کے متعلق قرآنی تخیل یہ ہے کہ وہ ساری کائنات کا رب ہے۔ اس کی خدائی زمان ومکان کی قیود سے بالا وبلند ہے ف۳ مکافاتِ عمل کی آخری صورت فیصلے کا دن ہے جس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں۔ تمام جھگڑوں کو نپٹائے گا۔ والامر یومئذ للہ ف۴ قرآن کا یہ احسان ہے ساری دنیائے انسانیت پر کہ اس نے بندہ وخدا کے درمیان جتنے پردے حائل تھے چاک کر دئے۔ اب ہر شخص براہ راست اُسے پکار سکتا ہے۔ نہ عبادت کے لئے کسی وسیلے کی ضرورت ہے نہ استعانت کے لئے کسی شفیع کی حاجت ف۵ اللہ نے راہِ طلب کی وسعتوں کو غیر محدود بنایا ہے۔ مسلمان عرفان وسلوک کے ہر منصب کے بعد بھی "طالب" کے درجہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ یعنی خدا کا انعام وفضل بے پایاں وبیحد ہے، اس لئے ایک عاصی سے لیکر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تک یہی دعا مانگتے چلے آئے ہیں کہ اے خدا ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا۔ راہِ اکرام وافضال کے دروازے بند نہ ہوں ف۶ ضال ومغضوب سے وہ لوگ مراد ہیں جو صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں اور پھر تمرد وسرکشی کی وجہ سے کسی نہ کسی طرح عذاب میں گرفتار ہیں۔

حل لغات۔ الحمد مصدر تعریف وستائش اس صورت میں جبکہ ممدوح مختار اور فعل جمیل وخیر ہو۔ رب۔ اسم صفت جو تخلیق واختراع کے بعد کائنات کا ہر منزل میں خیال رکھے یعنی ایجاد وتصویر سے لیکر تکمیل وتزئین تک ہر مرحلے میں اُس کا التفات کرم فرما ہے۔ العلمین جمع عالم۔ اسم آلہ خلاف قیاس۔ دنیا یا کائنات۔ ہر شے، ہر جگہ، ہر چیز۔ الرحمٰن۔ رَحِمَ رَحْمَۃً سے اسم صفت رَحِمَ سے مطلق ہے۔ یعنی مادرانہ شفقت کی انتہائی تنزیہی صورت۔ مہر ومحبت کا پاکیزہ ترین پیکر۔ اِھْدِ۔ مصدر ہدایت صیغۂ امر لطف ومحبت سے راہنمائی کرنا۔ دھیرے دھیرے پیار سے منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ الصّراط المستقیم۔ سیدھی۔ قریب ترین اور بے خوف وخطر راہ

آیاتہا ۲۸۶ (۲) سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رکوعاتہا ۴۰

(۲) سُورۂ بقرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

۱- الٓمّٓ ○

۲- ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ○

۳- الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○

۴- وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○

۱- الٓمّٓ ○

۲- اس کتاب میں کچھ شک[ف۱] نہیں ہے۔ پرہیزگاروں کے واسطے ہدایت[ف۲] ہے ○

۳- جو غیب[ف۳] پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں ○

۴- اور جو یقین رکھتے ہیں اُس چیز پر جو تم پر اُتری اور جو کچھ تم سے پہلے اُترا اُس پر بھی۔ اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ○

حرُوفِ مقطّعات کا فلسفہ

قرآن کی اُنتیس سُورتوں کے آغاز میں یہ حرُوف آتے ہیں مفسّرین نے مختلف معانی ان کے بیان فرمائے ہیں جو کھُلا ہوُا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ حرُوف بے معنی نہیں۔ قطرب۔ مبرد۔ فراء اور محقّقین کا ایک عظیم القدر گروہ اس بات پر متفق ہے کہ یہ حرُوف قرآن کے اُن حرُوفِ تہجی سے مرکب ہیں جس سے قرآن کے الفاظ بنے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن اپنے طرزِ بیان، الفاظ کی شوکت اور معنویّت کے اعتبار سے جو معجزہ ہے تو اس کی ترتیب میں انہیں روزمرّہ کے حروف سے کام لیا گیا ہے۔ تمہیں اگر اس کی ساحری و معجز نمائی سے انکار ہے تو آؤ ایک سُورۃ ہی ایسی لکھ دو جو قرآن کی کسی سُورت سے لگا ؤ کھا سکے۔ علامہ زمخشری نے کشاف میں ایک باریک نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ حرُوف جو مقطّعات کی شکل میں آئے ہیں سب قسم کے حروف کا ایک بہترین اور زیادہ تر استعمال ہونے والا مجموعہ ہے۔ غور کر کے دیکھو اِن حرُوف کے بعد جہاں جہاں یہ آئے ہیں عموماً کتاب، آیات، ذکر، تنزیل قرآن وغیرہ کا ذکر ہے جو اس بات پر دال ہے کہ یہ آیاتِ بینات، ذکرِ جمیل، یہ قرآن معجزہ طراز انہیں حرُوف کے اُلٹ پھیر کا نتیجہ ہے۔ حوصلہ ہے تو تم بھی میدان میں آ کر دیکھو۔ اِن حروف کا فلسفہ یہ بھی ہے کہ قرآن نے جس طرح اپنے ادب کو محفوظ رکھا ہے، جس طرح اس کا لُغت، اس کی تشریح، اس کی تفسیر اور اس کا اندازِ بیان بغیر کسی تغیر و تبدل کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سینوں میں محفُوظ ہے، اسی طرح اس کے حرُوف کا تلفظ بھی محفُوظ رہنا چاہیئے تھا۔ حرُوفِ مقطّعات سے یہ ضرورت پُوری ہو جاتی ہے۔ گویا قرآن تلفظ و ترتیل سے لے کر تشریح و توضیح تک سب کچھ اپنے اندر رکھتا ہے اور کسی بیرونی چیز کا مرہُونِ منت نہیں۔

ف۱ سُورۂ سجدہ میں فرمایا تنزیل الکتاب لاریب فیہ من رب العلمین یعنی اس صحیفۂ ہُدٰی کے الہامی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ طرزِ بیان کی دلربائی۔ دلائل کا احصاء۔ ضرُوریاتِ اُنسانی کا لحاظ اور فطرتِ حقّہ سے تطابق۔ یہ سب چیزیں پڑھنے اور سننے والے کے دماغ کو اپنی طرف متوجّہ کر لیتی ہیں۔ پھر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ کلام خدا کا غیر مشکوک کلام ہے ف۲ ہدایت کے چار مرتبے ہیں۔ الہامِ فطرت یا معارفِ ضروریہ کا علم جیسے ربنا الذی اعطیٰ کل شیٔ خلقہ ثم ھدٰی یا وحی نبوت جیسے وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا یا توفیق و تمیز جیسے و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا اور یا اللہ کے انعامات کی طرف راہنمائی جیسے اہلِ فردوس یہ کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ مطلقاً راہنمائی مقصود نہیں۔ وہ تو ہر شخص کے لئے ہے۔ چاہے مانے چاہے نہ مانے۔

ف۳ اللہ کا وہ انعام جسے وہ کلام کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، یونہی نہیں مل جاتا۔ اس کے لئے تمام مغیبات پر ایمان لانے کی ضرورت ہے اور پھر صحیح معنوں میں نماز پڑھنے کی حاجت ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ کی راہ میں کچھ دینے کی بھی اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ قرآن پر پُورا پُورا ایمان ہو۔ سابقہ کتب کو بھی احترام کی نگاہ سے دیکھے اور نظامِ اخروی پر غیر متزلزل یقین رکھے۔ یعنی ایمان و عمل دونوں تا بحدِ کمال ہوں۔

حل لغات

تقویٰ۔ وقایۃ سے مشتق ہے جس کے معنی بچاؤ کے ہیں۔ مراد ایسی حالت ہے نفس کی جو گناہوں اور لغزشوں سے بچائے۔

غیب۔ ہر وہ جو ہمارے جوارح کی دسترس سے بالا ہو۔

اَقَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ پُوری طرح خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا۔

۵۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

۵۔ انہی لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت ہے اور وہی مُراد کو پہنچے ○

۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

۶۔ بے شک جو لوگ منکر ہوئے اُن کے لئے برابر ہے کہ تُو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہ مانیں گے ○

۷۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ع

۷۔ خُدا نے مُہر کر دی ہے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ○

۸۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ○

۸۔ آدمیوں میں سے بعض ہیں جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ ہرگز مومن نہیں ○

۹۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا

۹۔ وہ خدا اور ایمان لانے والوں کو فریب دیتے ہیں۔ حالانکہ

ناقابلِ اِصلاح گروہ

آفتابِ نبوّت جب چمکتا ہے تو چند آنکھیں بینائی کھو بیٹھتی ہیں اور ایسے شپرہ چشم لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں نصف النہار کے وقت بھی حق سُوجھائی نہیں دیتا۔ جب اللہ کی عنایت وکرم کے بادل گھر کے آتے ہیں تو ایسی زمین بھی ہوتی ہے جو شور اور سنگلاخ ہو۔ وہاں روئیدگی کی قطعاً اُمید نہیں ہوتی۔ کفر وعناد کا زقوم تو وہاں اُگتا ہے، مگر ایمان کا گُل وریحان نہیں اُگتا۔ یہاں اسی چیز کا ذکر ہے۔

ایک ناقابلِ اصلاح گروہ جس کا تمرّد حد سے بڑھ گیا ہے جو تئیس سال تک چشمۂ فیض سے سیراب ہوتا ہے لیکن انکار وناشکری سے باز نہیں آتا۔ جو خود کہتا ہے قلوبُنا غلف کہ ہمارے دلوں میں حق کے لئے کوئی جگہ نہیں، کیونکر ہدایت پذیر ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی ہے اور اُن کے کانوں پر بھی۔ نہ کان حق کی آواز کو سُنتے ہیں اور نہ دل ہی حق نیوش ہے۔ آنکھوں کی بصیرت بھی نہیں رکھتے۔ اس پر بھی تعصّب وعناد کی پٹی بندھی ہے۔ یعنی یہ لوگ صحیح استعداد کھو بیٹھے ہیں۔ آپ ان کی مخالفت سے نہ کُڑھیں۔ یہاں چند نکات ملحوظ رہیں:۔

(ا) ختم کا لفظ محض اُن کی حالت کو واضح کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ایک طبیب کی طرح کسی حالت میں بھی مریضِ کفر سے مایوس نہیں ہوتا ہے (ب) قلب، سمع اور بصر کا ذکر بجائے خود دلیل ہے اس بات کی۔ مُراد دلِ انقلاب پذیر ہے جو مُعطّل ہو گیا ہے۔ اور اس کے کان جن میں فطرت نے سماعت کی قوت رکھی تھی اب نہیں رہی اور ایسی آنکھیں ہیں جو بصارت سے بہرہ ور تھیں اب محروم ہو گئی ہیں

ورنہ قلب کی جگہ فواد اور سمع کی جگہ اُذن اور بصر کی جگہ عین کا استعمال کیا جاتا (ج) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ تبلیغ واشاعت روک دیں۔ یہ کہا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ نہ مانیں گے۔ نہ یہ کہ آپ بھی اپنے فرائض سے تغافل برتیں۔ یعنی سوآءٌ علیهم فرمایا ہے۔ سواء لك نہیں کہا۔ کیونکہ مصلح کو کسی وقت بھی مایوس نہ ہونا چاہئے (د) حدیث میں اس اندازِ بیان کی تشریح نہایت حکیمانہ طرز میں مذکور ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ جب کوئی انسان پہلی دفعہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ نقطہ سا پڑ جاتا ہے۔ دُوسری دفعہ دو نقطے پڑ جاتے ہیں اور بار بار اکتسابِ معصیت سے دل سیاہ دھبوں سے اَٹ جاتا ہے یعنی پہلے پہل اقدامِ گناہ پر ضمیر ملامت کرتا ہے اور عادت ہونے پر اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ ان آیات کا یہی مفہوم ہے کہ یہ لوگ مُردہ ضمیر ہو چکے ہیں۔ گناہ کا احساس باقی نہیں رہا۔

ف یہ وہ گروہ ہے جو مُنہ سے تو اسلام کا اعتراف کرتا ہے لیکن دلوں میں بدستور کفر کی غلاظت موجود ہے۔ (باقی صفحہ ۵ پر)

حلِ لغات:۔

كَفَرُوْا جمع کفر، فعل ماضی معلوم۔ مذکر غائب۔ مصدر کفر کے معنی اصل میں چھپانے کے ہیں۔ کسان کو، رات کو، گھنے جنگل کو، پُر ہول وادی کو بھی کافر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ یہ سب چیزیں کسی نہ کسی طرح مفہوم کی حامل ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بار بار وضاحت کے باوجود بھی جانتے ہوئے خود صداقت کو چھپاتے ہیں۔ يُخٰدِعُوْنَ فعل مضارع۔ باب مفاعلہ۔ اصل خَدَعَ کے معنی ہوتے ہیں۔ مخالف کو ایسی بات کے یقین دلانے کی کوشش کرنا جو اس کا مقصد نہیں اور ایسے طریق سے کہ وہ بظاہر فریب وہ نہ ہو۔

يُخٰدِعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○
کسی کو فریب نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے ○

۱۰- فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○
۱۰- اُن کے دلوں میں بیماری ہے۔ پھر خدا نے اُن کی بیماری بڑھا دی اور جھوٹ بولنے کے سبب اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ○

۱۱- وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○
۱۱- جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو محض سنوارنے اور اصلاح کرنے والے ہیں ○

۱۲- اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○
۱۲- خبردار رہو، وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ○

۱۳- وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○
۱۳- اور جب نہیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار رہو وہی بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ○

۱۴- وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ
۱۴- اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ

بقیہ صفحہ ۴ :- اس لئے فرمایا کہ درحقیقت یہ لوگ مومن نہیں۔ یہ کوشش کرتے ہیں کہ خدا اور خدا پرست لوگوں کو دھوکہ میں رکھیں۔ لیکن اس حرکت کا کیا فائدہ؟ زہر کو تریاق سمجھ لینے سے اس کی مضرت تو زائل نہیں ہو جاتی۔ جب دلوں میں کفر ہے تو زبان کا اقرار اور اعتراف کسی طرح بھی مفید نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف۱ مقصد یہ ہے کہ یہ جتنا اسلام کی کامیابی پر کڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی تناسب سے اسلام کو کامیابی بخش رہا ہے نتیجہ یہ ہے کہ دل میں نفاق وحسد کا مرض بڑھتا ہی جاتا ہے کم نہیں ہوتا۔ اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یہ بتاتا ہے کہ سب کام اللہ کی قدرت سے ہوتے ہیں۔ گو اس کا منشاء یہ نہیں کہ لوگ کفر اختیار کریں۔

ف۲ ایمان وکفر میں ہمیشہ دانائی وسفاہت کی حدود الگ الگ رہی ہیں۔ ایمان کی دعوت عقل وبصیرت کی دعوت ہے اور کفر وضلالت کی طرف بلانا درحقیقت بے علمی وجہالت پر آمادہ کرنا ہے۔ کفر والے ہمیشہ اس غلط فہمی میں رہے کہ ایمان قبول کرنا گھاٹے اور خسارے کو خواہ مخواہ مول لینا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ۔ درحقیقت وہ خود بے وقوف ہیں نفع و نقصان کو صرف مادیات تک محدود سمجھتے ہیں۔ نگاہوں میں بلندی نہیں ہے، ورنہ دین و دنیا کی نعمتوں کا حصول کسی طرح بھی خسارہ نہیں۔ اور مذہب تو کہتے ہیں اُس نظام عمل کو جس کو مان کر فلاح دارین حاصل ہو جائے۔

حل لغات

اَلسُّفَهَآءُ - جمع سَفِيْهٌ۔ کم عقل۔ بے وقوف۔
خَلَوْا - ماضی مصدر خَلْوًا۔ خلا الیہ کے معنی ہیں گزرنے کے۔
شَيٰطِيْن جمع شَيْطٰن - ایک شخص مبتدع جو رشد وہدایت سے محروم ہے اور خدا کی رحمتوں سے دور۔ یہاں مراد شریر لوگ ہیں جو شیطان کی طرح مفسد ہیں۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○

ہیں۔ ہم تو (مسلمانوں سے) ٹھٹھا کرتے ہیں ○

۱۵۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○

۱۵۔ خدا اُن سے ٹھٹھا کرتا ہے اور اُن کی شرارت میں اُنہیں کھینچتا ہے، وہ بہکتے ہیں ○

۱۶۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○

۱۶۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ پھر اُن کی سوداگری نے نفع نہ دیا اور اُنہوں نے ہدایت نہ پائی ○

۱۷۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○

۱۷۔ اُن کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی جب اُس کا گرد روشن ہوا تو خدا اُن کی روشنی کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ○

۱۸۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○

۱۸۔ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھے ہیں پس وہ نہیں پھریں گے ○

۱۹۔ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ

۱۹۔ یا اُن کی ایسی مثال ہے، جیسے آسمان سے مینہ برسے اُس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہو۔ کڑک کے مارے موت کے ڈر سے

ف۱ یہ بے علم منافق اس قدر دلوں کے کمزور اور بودے ہیں کہ نہ کفر پر ثبات و استقلال ہے اور نہ ایمان و استحکام۔ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو منہ پر ایمان کے نعرے ہوتے ہیں اور جب اپنے لگے بندھوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو محض مذاق تھا۔ مانتا کون ہے۔ دل کا یہ مرض لاعلاج ہے اور اس سے دلوں کی آلودگی خطرناک اور مہلک ہے۔

ف۲ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے دنیا و آخرت میں سلوک بھی اسی طرح کا روا رکھتے ہیں کہ جو بجائے خود ایک قسم کا مذاق معلوم ہو۔ نہ ایمانی ذوق کی شیرینی سے یہ جماعت بہرہ ور ہوتی ہے اور نہ کفر و الحاد کے فوائد ظاہری سے متمتع۔ کفر اگر تذبذب کے خرخشوں سے مُعرا ہو تو کم از کم ظاہری و عارضی لذّات سے محروم نہیں اور ایمان و عقیدت اگر شک و ارتیاب سے پاک ہو تو پھر دونوں جہان کے مزے ہیں۔ اللہ بھی خوش ہے، اور دنیا بھی تابع۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن جب یہ جنت کی طرف بڑھیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ یہ مقام سرور و حبور ہمارے لئے ہے تو یکایک اُن میں اور جنّاتِ نعیم میں ایک دیوار حائل ہو جائے گی اور گویا یہ بتایا جائے گا کہ یہ جواب ہے تمہارے اس مذاق و استہزا کا جسے تم فخریہ اپنے رؤساءِ دین سے ظاہر کیا کرتے تھے۔

منافق کا نفسی تذبذب ان آیات میں نہایت ہی بلیغ انداز میں منافقین کے نفسی تذبذب کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ کبھی تو ایمان کی مشعلِ فروزاں سے مستنیر ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی پھر کفر کی تاریکیوں میں جا گرتے ہیں۔ اُن کی مثال ایسے متحیّر اور پریشان شخص کی ہے جو آگ جلا کے روشنی پیدا کرلے اور پھر یکایک اندھیرا ہو جانے پر اندھیاری میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرے۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان روشنی ہے اور نفاق ظلمت و تاریکی۔ مسلمان کے سامنے اس کا مستقبل، اس کا نصب العین واضح اور بیّن طور پر موجود ہوتا ہے۔ بخلاف منافق کے کہ اس کی زندگی کا کوئی روشن مقصد نہیں ہوتا۔

حلِّ لغات

يَسْتَهْزِئُ۔ مضارع معلوم۔ مصدر استہزاء۔ مذاق کرنا۔ توہین کرنا۔ يَمُدُّهُمْ۔ مضارع معلوم۔ ڈھیل دیتا ہے۔ يَعْمَهُوْنَ۔ مضارع معلوم۔ اصل اَلْعَمَهُ۔ دل کا بصیرت سے محروم ہونا۔ بصیرت کے اندھے کو اَعْمَهُ کہتے ہیں۔ صُمٌّ۔ بہرہ جس کے کان میں نقص ہو بُكْمٌ۔ جمع اَبْكَمُ۔ گونگا۔ قوّتِ گویائی سے محروم۔ عُمْىٌ۔ جمع اَعْمٰى اندھا۔ صَيِّبٌ۔ بارش۔ پانی سے لبریز بادل۔ رَعْدٌ۔ بجلی کی کڑک اور گرج۔ بَرْقٌ۔ بجلی کی لمعاتی چمک۔

مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○

۲۰۔ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙۗ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ع

۲۱۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ۙ

۲۲۔ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا

وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں اور اللہ منکروں کو گھیر رہا ہے ○

۲۰۔ قریب ہے کہ بجلی اُن کی آنکھیں اُچک لے جس وقت اُن پر چمکتی ہے تو وہ اُس میں چلتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہتے ہیں۔ اور اگر خدا چاہے تو اُن کے کانوں اور آنکھوں کو لے جائے۔ بیشک خدا ہر شئے پر قادر ہے ف۱ ○

۲۱۔ اے لوگو اپنے رب کی جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا، بندگی کرو۔ تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ (بچ جاؤ) ○

۲۲۔ اُس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا اور آسمان کو عمارت (چھت) بنایا۔ پھر آسمان سے پانی اُتارا، جس سے تمہارے کھانے کو میوے نکالے۔ سو تم جان بوجھ کر

ف۱ پہلی مثال تو کفر کے تحیر کی تھی۔ اس مثال میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بہرحال مطلب کے پورے ہیں۔ جب اسلام لانے سے کچھ مطلب براری ہوتی ہے تو پھر انہیں بھی اعلان کرنے میں دریغ نہیں ہوتا اور جب آزمائش وابتلا کا وقت ہو تو صاف انکار کر دیتے ہیں یعنی جہاں اُن کا ذاتی مفاد روشن طور پر نظر آرہا ہو، مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں اور جہاں مشکلات کی تاریکی نظر آئی، رُک گئے۔ انہیں تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہ کرو، ورنہ اللہ کا عذاب آجائے گا اور پھر تم میں یہ استعداد بھی باقی نہ رہے گی۔

دعوتِ عبادت واتقاء

قرآن نے ساری کائنات کو دعوت دی ہے کہ وہ ربّ خالق کی عبادت کرے اور اس طرح تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ جب تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خدا ایک ہے تو پھر یہ اختلافات کیسے؟ ایک خُدا کے سامنے جھکو۔ ایک کی محبت اپنے دل میں رکھو۔ اس طرح تم سب میں اتقاء پیدا ہو جائے گا اور تم سب ایک صف میں جمع ہو جاؤ گے۔ رنگ وبُو کا اختلاف۔ لَون ونسل کے قضیئے ایک دم مٹ جائیں گے۔

حلِ لغات

اَصَابِعَ۔ جمع اِصْبَعٌ۔ انگلی۔ کانوں میں انگلی کا اگلا حصّہ ٹھونسا جاتا ہے جسے عربی میں انملۃ کہتے ہیں لیکن یہاں قرآن حمید اَصَابِعَ کہہ کے گویا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ بصورتِ مبالغہ رعد وگرج سے ڈرتے ہیں اور پوری انگلیاں کانوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اٰذان۔ جمع اُذُن۔ کان۔ صَوَاعِق۔ جمع صَاعِقَۃ۔ بجلی یا کڑک۔ وہ آواز جو ابر کے احتکاک سے پیدا ہوتی ہے۔ حَذَرَ۔ ڈر۔ خوف۔ اندیشہ۔ مُحِیْطٌ۔ گھیرے ہوئے۔ اسم فاعل ہے۔ اصل ہے اِحَاطَۃ یعنی گھیرنا۔ مقصد یہ ہے کہ یہ نافرمان اُس کے علم میں ہیں اور ہر وقت اُس کے قبضہ واختیار میں ہیں، جیسے کوئی چاروں طرف سے گھر گیا ہو۔ یَخْطَفُ۔ مضارع مصدر خَطْفٌ۔ اُچک لینا۔ اُعْبُدُوْا۔ امر مصدر عِبَادَت تذلّل وانکسار طَرِیْقٌ مُعَبَّد۔ پامال راستہ شرعاً مُراد ہے۔ وہ طریقِ عجز وانکسار جس کا اظہار اپنے رب کے سامنے قیام ورکوع کی صورت میں کیا جائے یا دُوسرے فرائض کی ادائیگی۔ ہر وہ بات جو جذبۂ عبودیت کو اُبھارے۔ خَلَقَ۔ فعل ماضی مصدر خَلْقٌ۔ پیدا کرنا۔ بنانا۔ اختراع وایجاد کرنا۔ فِرَاشٌ۔ اسم۔ بچھی ہوئی چیز۔ زمین کو فرش سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح بچھونے میں آرام حاصل ہوتا ہے اسی طرح زمین بھی ہمیں آسودگی بخشتی ہے۔ بِنَآءً۔ چھت بنی ہوئی چیز۔ مقصد یہ ہے کہ آسمان بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کے لئے بنایا ہے جو بظاہر چھت کی طرح تمہیں گھیرے ہوئے ہے، محض تشبیہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ آسمان واقعی چھت ہے۔ اَنْزَلَ۔ ماضی مصدر انزال۔ مادہ نزول۔ اُتارا۔ نازل کیا۔

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اُس کے شریک نہ ٹھہراؤ○

۲۳- وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

۲۳- اور جو کلام ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا ہے۔ اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہو تو اس قسم کی ایک سورت لے آؤ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو بلاؤ۔ اگر تم سچے ہو○

۲۴- فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

۲۴- پھر اگر ایسا نہ کر دگے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے○

۲۵- وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

۲۵- خوشخبری دے اُن کو جو ایمان لائے اور نیک کام کئے

ف ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انعام گنائے ہیں اور توجہ دلائی ہے غافل انسان کو یہ کہ وہ زمین کی طرف دیکھے کس قدر آرام دہ ہے۔ آسمان کی طرف نظر دوڑائے کیونکہ چھت کی طرح ہم پر سایہ فگن ہے۔ آسمان کی طرف پانی برستا ہے اور ہمارے رُوکھے سُوکھے باغ لہلہا اُٹھتے ہیں اور اثمار و نتائج کا انبار لگ جاتا ہے۔ کیا یہ نعمتیں ایک خدا کی طرف سے نہیں ؟

قرآنِ حکیم روزمرہ کے مشاہدات کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتا ہے اور قیمتی نتائج پیدا کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ان سب چیزوں کو بنظرِ غور و تعمق دیکھو۔ ایک خدا کی خدائی کس طرح واضح اور بیّن طور پر نظر آرہی ہے۔ قرآنِ حکیم کا اصرار ہے کہ اس کی پیشِ گاہِ جلالت میں کوئی دُوسرا خدا نہ ہو۔ مسلمان کے دل میں صرف اُسی کی محبت ہو۔ وہ صرف اُسی ربِّ اکبر سے ڈرے اور اپنی حاجتوں کو اُسی سے وابستہ سمجھے۔

وہ توحید کا پیغام ہے۔ وحدت کے سوا وہ کسی دوسری چیز پر مطمئن نہیں۔ اُس کے ہاں شرک کائناتِ انسانیت کے لئے بدترین لعنت ہے۔

لاجواب کتاب یوں تو خدا کے کلام کو لاجواب ہونا ہی چاہیئے۔ مگر قرآنِ حکیم بالتخصیص بے نظیر ہے۔ اُس وقت جبکہ عرب کا بچہ بچہ شاعر تھا۔ خطابت و تکلم پر ان کو ناز تھا۔ اُس وقت قرآنِ حکیم نازل ہوتا ہے اور اس تحدی کے ساتھ کہ یہ قطعًا انسانی کلام نہیں۔ ہمت ہے تو اس کا مقابلہ کر دیکھو۔ مگر تیرہ صدیاں گزر جاتی ہیں اب تک جواب تو کیا سنجیدگی کے ساتھ مقابلہ ہی نہیں کیا گیا۔ عربوں کی غیرت و حمیت مشہور ہے۔ مگر قرآن حکیم کی اس تحدی کے بعد اُن کی گردنیں جھک گئیں اور وہ جو مخالف تھے وہ بھی کہہ اُٹھے۔ اِنّ لہ لحلاوۃ وانّ علیہ الطلاوۃ وانّ اصلہ لمغدق وان اعلاہ لمثمر۔ کہ قرآن کیا ہے عسل و شیرینی کا مجموعہ ہے۔ الفاظ میں تازگی اور جمال ہے۔

نہایت پُرمغز اور نتیجہ آفرین کلام ہے۔ قرآن کا دُوسرا دعویٰ یہ تھا کہ انسانی ہمتیں ایسا نہ کر سکیں گی۔ چنانچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ قرآن تئیس سال کی مدت میں نازل ہوا اور اُن کو موقع دیا گیا کہ وہ آسانی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ مگر تاریخ شاہد ہے۔ قرآن کے زورِ فصاحت کے سامنے زبانیں گُنگ ہو گئیں۔ یہ قرآن کا بے نظیر معجزہ ہے جو قیامت تک قائم رہے گا۔ قرآن لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ ایسی پُرمغز، حکیمانہ، قابلِ عمل، فصیح و بلیغ کتاب لکھیں جو اس کی ہم پایہ ہو سکے۔ جو ایسی شیریں، بااثر اور پُرکیف ہو۔ جو اسی طرح قوموں کو بدل دینے کی قدرت رکھتی ہو۔ جو انقلاب آفرین ہو۔ جو ہر حالت میں پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہو۔ جس میں صحیح معنوں میں رہنمائی کی تمام قوتیں رکھ دی گئی ہوں۔ جس کا تعلق زمانہ اور زمانیات سے نہ ہو۔ ہر وقت ہر زمانے میں ہر قوم کے لئے یکساں قابل ہو۔ زبان کی قید نہیں۔ وقت کا خیال نہیں۔ صرف ایک شخص کو مقابلہ کے لئے نہیں بُلایا گیا۔ سب مل کر کسی زبان میں قیامت تک کوئی کتاب لکھیں جو اس درجہ بلند اور سحر آفرین ہو۔ کتنا بڑا، کتنا عظیم الشان اور حیران کن دعویٰ ہے۔ کیا دنیا اس کا جواب دے گی؟ وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔

حلِّ لغات

اَخْرَجَ۔ ماضی مصدر اخراج مادہ خروج۔ نکالا۔ ثَمَرَاتٍ۔ واحد ثَمَرَةٌ۔ پھل۔ اَنْدَادًا۔ جمع نِدٌّ۔ شریک و سہیم۔ نَدِيْدٌ اور نِدٌّ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ شُهَدَآءَ۔ جمع شہید۔ ساتھی دوست۔ مددگار۔ رفیق۔ وَقُوْدٌ۔ ایندھن جس سے آگ جلائی جائے۔ حِجَارَةٌ۔ پتھر۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

یہ کہ اُن کے واسطے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب (وہاں کا) کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے۔ یہ تو وہی پھل ہے جو ہم کو پہلے ملا تھا اور اُن کے پاس ایک طرح کے (پھل) لائے جائیں گے اور وہاں اُن کے لئے ستھری عورتیں ہوں گی اور ہمیشہ وہاں رہیں گے ○

۲۷- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا

۲۶- بیشک خدا مچھر کی یا اُس سے اُوپر شئے کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ پھر وہ جو ایمان دار ہیں، جانتے ہیں کہ وہ اُنکے رب کی طرف سے ٹھیک ہے، لیکن جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کہ اللہ کو ایسی مثال کی کیا غرض تھی؟ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا اور بہتیروں کو اس سے ھدایت کرتا ہے اور صرف

وقف لازم

جنّت و دوزخ کی حقیقت

جس طرح دُنیا میں دو جماعتیں ہیں۔ ایک ماننے اور عمل کرنے والی۔ دُوسری انکار کرنے والی اور فسق وفجور میں مُبتلا رہنے والی۔ اسی طرح اللہ کی رضا اور غضب کے دو مقام ہیں۔ دوزخ یا جہنم نام ہے اُس کے مقامِ غضب وجلال کا اور جنّت کہتے ہیں اس کی رضا و محبت کے مظہرِ اتم کو۔

چونکہ انسان رُوح و مادہ سے مرکّب حقیقت کا نام ہے اور اس میں دونوں کے الگ الگ مقتضیات ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ سزا اور جزا میں دونوں چیزوں کا خیال رکھا جائے۔ نہ صرف مادہ متاثر ہو اور نہ صرف رُوح منفعل۔ قرآن حکیم نے اس نکتے کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ جہنم میں تمہارے جسم کو بھی ایذا دی جائے گی اور تمہاری رُوح کو بھی۔ اسی طرح جنّت میں صرف رُوحانی کوائف نہ ہوں گے، بلکہ جسمانی لذائذ بھی ہوں گے۔ مگر پاکیزگی اور نزاکت کے ساتھ۔ وہ تمام چیزیں جو ہمارے لئے باعثِ سُرور وعیش ہیں، وہاں ملیں گی۔ مگر اس طور پر کہ ہم نہ پہچان سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جنّت میں وہ کچھ ملے گا جسے ان آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور جن کے متعلق ان کانوں نے کچھ نہیں سنا اور اب تک وہ انسان کے دل میں بھی نہیں کھٹکا۔ مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علیٰ قلب بشر۔

ایک تمثیل

جنّت کا ذکر کرکے یہ فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں جو بیان کی گئی ہیں، ان کی حقیقت اصل کے مقابلہ میں ایک حقیر مچھر سے بھی کم ہے۔ مگر یہ کور باطن لوگ جنّت کے لذائذ کو سن کر معترض ہوتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ یہی چیزیں تو ہم چاہتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو اہلِ حق وصداقت ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے سمجھانے کے لئے ہے۔ ورنہ جنّت کے کوائف نہایت لطیف، پاکیزہ اور بالا از حواس ہیں۔

سُورۂ مدثر میں اہلِ جہنم کا ذکر کرکے بالکل انہیں کلمات کو دُہرایا ہے کہ یہ لوگ یہ چیزیں جہنم کے متعلق سُن کر کہتے۔ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمثیل سے مُراد جنّت و دوزخ کے کوائف کی تمثیل ہے۔ ورنہ سارے قرآن میں خدا نے کہیں مچھر کا ذکر نہیں کیا اور ربطِ آیات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے یہی معنے لئے جائیں۔ وَاللّٰهُ اعلم۔

حلِّ لُغات

جَنّٰتٌ۔ جمع جَنَّة۔ باغ۔ محفوظ باغ۔

خٰلِدُوْنَ۔ جمع خَالِد۔ ہمیشہ رہنے والا۔ مادہ خُلُود بمعنی دوام۔

يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ

فاسق (بدکار نافرمان) لوگوں کو ہی اُس سے گمراہ کرتا ہے ○

۲۷- الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

۲۷- جو خدا کا عہد پکا باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اُس کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں- وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں ○

۲۸- كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

۲۸- تم کیونکر انکار کرسکتے ہو اللہ کا- حالانکہ تم مُردے تھے- اُس نے تمہیں جِلایا- پھر وہ تمہیں مار ڈالے گا پھر وُہی تم کو زندہ کریگا- پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

۲۹- ھُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ع

۲۹- خدا وُہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا- پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا- سو اُن کو سات آسمان ٹھیک کیا اور وُہ ہر شئے کو جانتا ہے ○

۳۰- وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ

۳۰- اور جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں

خائب وخاسر لوگ

فلاح وسعادت کی راہ ایمان وعمل کی راہ ہے- وہ جو فاسق ہیں اللہ کی حدُود کی پرواہ نہیں کرتے- اُن کے لئے خسارہ ہے- نہ دنیا میں وہ کامیابی کی زندگی بسر کرسکتے ہیں اور نہ آخرت میں اُن کا کوئی حصّہ ہے- منافق کی تین علامتیں ہیں :-

(ا) نقضِ عہد- یعنی خدا کے بنائے ہوئے اور بندھے ہوئے قوانین کا توڑنا-

(ب) علائقِ ضرورت سے قطع تعلق- یعنی اُن تمام رشتوں سے تغافل جو انسانی فلاح وبہبُود کے لئے ازبس ضروری ہیں-

(ج) فساد فی الارض-

ظاہر ہے کہ جو لوگ ربّ فاطر کے بنائے ہوئے قوانین کا خیال نہیں رکھتے- جو اپنوں سے دشمنوں کا سا سلوک کرتے ہیں- جو ساری زمین میں فتنہ وفساد کی آگ کو روشن رکھتے ہیں- اُن سے کون بھلائی کرے گا اور وہ کس طرح ایک سعادت مند انسان کی زندگی بسر کرسکیں گے وٹ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ زبان سے تو اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جاسکتا ہے- مگر حقیقتًا انکار ممکن نہیں- جب تک موت وحیات کا ہمہ گیر قانون موجُود ہے اور فنا وزیست کے واقعات سے بہرحال مفر نہیں' اُس وقت تک ایک زبردست حی وقیوم خدا پر ایمان ضروری ہے-

پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کائنات کی تمام چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں- آفتاب سے لے کر ذرہ تک اور ذرّہ سے پہاڑ تک سب اُسی کے لئے زندہ ومصروفِ عمل ہیں- تو ہمیں واشگاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سارے نظامِ آفادہ کے پس پردہ کوئی رحمٰن ورحیم کرم فرما ہے-

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان ساری کائنات کا مخدوم ومقصد ہے-

حلِ لغات

يَنْقُضُوْنَ- مضارع معلوم- مصدر نقض- توڑنا- قطع کرنا-

اَلْخٰسِرُوْنَ- گھاٹے میں رہنے والے- جمع خاسر-

اِسْتَوٰى- قصد کیا- توجہ فرمائی- اصلاح وتزئین کے لئے-

جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

۳۱- وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

۳۲- قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○

زمین میں ایک نائب (خلیفہ) بنانے والا ہُوں[1] تو بولے، کیا تُو اُس میں اُس شخص کو رکھے گا جو وہاں فساد ڈالے اور خُون بہائے۔ اور ہم تیری خُوبیاں پڑھتے اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا۔ مَیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے[2] ○

۳۱- اور اُس نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا۔ تم مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ، اگر تم سچے ہو[3] ○

۳۲- وہ بولے تُو پاک ہے۔ ہم اُسی قدر جانتے ہیں جس قدر تُو نے ہمیں سکھلایا اور تُو اصل دانا اور پُختہ کار ہے ○

ف۱ پہلا اِنسان

سِلسلۂ انسانیت کا پہلا بطل وہ ہے جسے کائناتِ ارض کا مالک بنانے والا ہے۔ اللہ کی عنایات اسے زمین کا تاج و تخت بخشنے والی ہیں۔ اس کی استعداد و قوّت فرشتوں سے بھی زیادہ شاندار ہے۔

وہ اس لئے بنایا جارہا ہے تاکہ خدا کے جلال و جمال کو دُنیا کے کونوں تک پہنچائے اور ساری زمین پر خدا کی بادشاہت ہو۔

یعنی وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔

ف۲ فرشتوں کو اعتراض ہے کہ ایسے انسان کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ جب کائنات کے رُوحانی نظام کو ہم چلا رہے ہیں۔ تیری تسبیح و تقدیس کے کلمے ہر وقت ہمارے لبوں پر نغمہ زن رہتے ہیں۔ جب تیری حمد و ستائش کے بے ریا ترانے ہم ہر وقت الاپتے رہتے ہیں اور جب ہماری قدوسیّت و پاکیزگی کے چار دانگ عالم میں چرچے ہیں تو پھر ایک انسان کو پیدا کر کے کن چیزوں میں اضافہ ہوگا؟ وہ کہتے ہیں۔ انسان زمین میں خود غرضی کی وجہ سے فساد پھیلائے گا۔ اپنی قوّت کا ناجائز استعمال کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری زمین جنگ و جدال کا میدان بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ چُپ رہو۔ مصلحت یہی ہے۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

فرشتوں کو انسانی مستقبل کی دُھندلی سی تصویر خود انسان کی ساخت سے نظر آجاتی ہے۔ وہ جان جاتے ہیں کہ جو انسان مختلف عناصر سے بنایا جائے گا۔ اس کی فطرت میں اختلاف رہے گا۔ مگر خدائے حکیم کا جواب یہ ہے کہ ہم وحدت و یکسانی کی خوبصورتی دیکھ چکے۔ اب اختلاف و تنوع کے جمال کو ملاحظہ کرنے دو اور یہ پہلے سے اللہ کے علم میں ہے اور اس لئے مقدرات میں سے ہے۔ فرشتوں کو یونہی بتادیا گیا ہے تاکہ وہ انسانی شرف و مجد سے آگاہ ہوجائیں۔

ف۳ پہلا انسان عالم تھا

اللہ نے ایک جواب تو فرشتوں کو یہ دیا کہ تم خاموش رہو۔ دُوسرا جواب آدم علیہ السلام کی قوتوں کا مظاہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی فطرت میں علم کا جذبہ رکھا۔ اُسے تمام ضروریات سے آگاہ کیا۔ معارفِ حیات بتلائے اور فرشتوں کے سامنے بحیثیت ایک عالم کے پیش کیا۔

فرشتے بھی عالم تھے مگر تسبیح و تقدیس کے آئین و قانون کے، فرمانبرداری و اطاعت کے طریقوں کے۔ انہیں حیات و فنا کے اسرار سے ناآشنا رکھا گیا۔ موت و زیست کے جھمیلوں سے الگ۔ یہ بغیر کسی کھٹکے اور خرخشے کے عبادت و اطاعت میں مصروف تھے۔ آدم علیہ السلام کو جو علم دیا گیا وہ فرشتوں کے علم سے بالکل مختلف تھا۔ اُسے مقتضیاتِ انسانی بتائے گئے۔ موت و حیات کا فرق سمجھایا گیا۔ عبادت و اطاعت کے علاوہ دنیا کی آبادی و عمران کے اسرار و رموز سے بہرہ ور کیا گیا۔ سیاست و حکمرانی کے اصول و ضوابط انہیں سکھائے گئے اور وہ تمام چیزیں بتلائی گئیں جو اُسے خلیفۃ اللہ بنا سکیں۔ فرشتوں کی حیثیت مطیع و فرمانبردار کی تھی اور آدم کی خلافت اُس کے وارث کی۔ اِس لئے جب موازنہ کے وقت فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے منصبِ رفیع کا علم ہُوا تو معذرت خواہ ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نہ کہتا تھا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ غیوب کا علم صرف مجھے ہے۔ تم نہیں جانتے۔

حلِّ لغات

مَلٰٓئِکَۃ۔ جمع مَلَکٌ۔ فرشتہ۔ یَسْفِکُ۔ مضارع معلوم مصدر سَفَکٌ۔ خون بہانا۔ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ۔ مجھے بتاؤ۔ مادہ اِنْبَاء۔ خبر دینا۔

٣٣۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○

٣٣۔ فرمایا اے آدمؑ تو اُن کو ان چیزوں کے نام بتلا دے۔ پھر جب آدمؑ نے اُن کو اُن کے نام بتا دیئے۔ تب فرمایا کیا میں نے نہ کہا تھا کہ میں آسمان و زمین کی چھپی باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو، مجھے معلوم ہے ○

٣٤۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○

٣٤۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ[1] کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے۔ اُس نے نہ مانا اور تکبر کیا۔ اور وہ کافروں میں سے تھا ○

٣٥۔ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

٣٥۔ اور ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تُو اور تیری جورو بہشت[2] میں رہ اور تم دونوں اُس میں جہاں چاہو بافراغت (محفوظ) کھاؤ۔ لیکن تم دونوں اس درخت کے

١ مسجودِ انسان

پھر اس لئے کہ فرشتوں کو انسان کی حقیقی قدر و منزلت کا علم ہو، اللہ نے تمام کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کو کہا۔ سب کو آدمؑ کے سامنے جھکایا۔ اسلامی فلسفۂ تخلیق ہی یہی ہے کہ تمام کائنات انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ ذرہ سے آفتاب تک اور زمین سے آسمان تک سب کچھ حضرتِ انسان کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ شمس و قمر بھی اسی کے خادم ہیں۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آدم قبلۂ مقصود ہے ہر چیز کا۔ ساری کائنات کا محور انسان ہے۔ شیطان جو ایک شخص برائی ہے۔ اس حقیقت کو نہ سمجھا اور اکڑ بیٹھا۔ قرآنِ حکیم نے بتایا ہے کہ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ انسانی شرف و مجد کا انکار کر دے۔

٢ پہلے انسان کی پہلی جگہ

قرآنِ حکیم، انسانی خلافت، انسانی علم کے بعد پہلے انسان کے لئے جو جگہ تجویز فرماتا ہے۔ وہ جنت ہے یعنی رضائے الٰہی کا آخری مظہر۔

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ انسان کی اصلی جگہ جنت ہے، فطرت نے پیدا اُسے اس لئے کیا ہے کہ وہ بارگاہِ رحمت و فیض میں عیش و خلود کی زندگی بسر کرے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ تم یہیں رہو، مگر اس درخت کو استعمال میں نہ لانا۔ ورنہ رحمتِ باری سے دُور ہو جاؤ گے اور تمہیں کچھ عرصے کے لئے اپنے اصلی مقام سے الگ رہنا پڑے گا۔

یہ قید اس لئے لگا دی، تاکہ آدم علیہ السلام کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بعض افعال کے ارتکاب سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اس کا خیال رہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا۔ ان الجنۃ حفت بالمکارہ کہ جنت میں آدمی ابتلاء و آزمائش میں پورا اُترنے کے بعد جا سکتا ہے۔ ان سب آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کا جو مرتبہ قرآن نے بیان کیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ پہلا انسان اللہ کا نائب ہے۔ عالمِ اشیاء و حقائق ہے۔ مکینِ جنت و فردوس ہے اور ساری کائنات کا مرکز مقصود ہے۔ فرشتوں کا مسجود ہے۔

حلِ لغات

تُبْدُوْنَ وَتَكْتُمُوْنَ۔ ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔ مصدر ابداء وکتم۔ سَجَدُوْا۔ فعل ماضی۔ مادہ سجدہ۔ جھکنا۔ اظہار تذلل کرنا۔ اِبْلِيْس۔ شیطان کا نام ہے۔ ابلاس کے معنی ناکامی کے ہوتے ہیں۔ ابلیس چونکہ خائب و خاسر شخص کا نام ہے اس لئے ابلیس کہا جاتا ہے۔ رَغَدًا۔ فراوانی۔ بے کھٹکے۔

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

۳۶- فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○

۳۷- فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

۳۸- قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

پاس نہ جانا۔ ورنہ تم دونوں ظالم (گنہ گار یا بے انصاف) ہو جاؤ گے ○ [ف۱]

۳۶- پھر شیطان نے اُن دونوں کو اس سے لغزش دی اور اُن دونوں کو وہاں سے کہ جس میں وہ تھے نکال دیا اور ہم نے کہا تم سب نیچے اُترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھیرنا اور کام چلانا ہوگا ○

۳۷- پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ باتیں سیکھیں۔ تب وہ (خدا) اُس پر متوجہ ہوا۔ بر حق وہی مُعاف کرنے والا (پھر آنے والا) مہربان ہے ○

۳۸- ہم نے کہا۔ تم سب یہاں سے نیچے اُترو۔ پھر جو میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے گی تو جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا۔ انہیں نہ کچھ خوف ہوگا

ف۱ آدم علیہ السلام بوجہ بشریت شیطان کے بھرے میں آگئے اور درخت کے متعلق انہیں غلط فہمی ہوگئی۔ وہ نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھے کہ خدا کا منشاء کسی خاص درخت سے ممانعت کرنا ہے۔ حالانکہ خدا کا منشاء مطلقاً اس نوع کے اشجار سے روکنا تھا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی نیک نیتی پر خدا نے شہادت دی۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ اس لئے یہ لغزش محض منشاء یا مفہوم کے اعتبار سے ہے۔ الفاظ کی مخالفت نہیں۔

گُناہ عارضی ہے

ف۲ آدم علیہ السلام اجتہادی لغزش کی بنا پر جنت سے الگ کر دیئے گئے اور انہیں کہہ دیا گیا کہ تم میں اور شیطان میں باہمی عداوت ہے۔ اس لئے کچھ مُدت تک زمین پر رہو، وہاں دونوں کا صحیح طور پر مقابلہ رہے گا۔ پھر اگر تم وہاں اُس کی گرفت سے بچ گئے تو اس اصلی وحقیقی مقام میں آجاؤ گے۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو شیطان کا ہوا ہے۔

آدم علیہ السلام کو عارضی طور پر اس لئے بھی زمین پر اتار اگیا، تاکہ وہ شیطان کی تمام گھاتوں سے واقف ہو جائے اور پھر کبھی اُس کی گرفت میں نہ آئے اور مقابلہ سے اُس میں رُوحانیت کی ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے جو اُس کو بارگاہِ قدس کے قریب ہونے کے لائق بنادے۔ یہ سزا نہ تھی۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ بلکہ علاج تھا آدمؑ کی بشری وفطری کمزوریوں کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی درخواست پر انہیں مُعاف کر دیا۔ لیکن پھر بھی انہیں مقررہ وقت سے پہلے جنّت میں جانے کی اجازت نہیں دی۔

توبہ کی قبولیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ بالکل عارضی اور غیر مستقل کیفیت کا نام ہے۔ ربّ العزّت کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف بجائے خود بخشش کی ضمانت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ قرآنِ حکیم کا اعلانِ عام ہے کہ گناہوں سے لدے ہوئے انسان اس کے عتبۂ جلال پر جب بوسہ دیتے ہیں تو وہ اُن کے تمام گناہوں پر خطِ عفو کھینچ دیتا ہے۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا کا استثناء قرآن میں بار بار دُہرایا گیا ہے۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ گناہ انسانی سرشت کا جزو لاینفک نہیں، بلکہ ایک عارضی کیفیت ہے جو ندامت کے آنسوؤں سے زائل ہو سکتی ہے۔

حلِ لُغات

اَلشَّجَرَةَ۔ درخت۔ عربی میں جھگڑنے کے معنی ہیں۔ شجرة بالتاء استعمال نہیں ہوتا۔ عَدُوٌّ۔ دشمن۔ مخالف۔ مُسْتَقَرٌّ۔ ٹھکانا۔ جائے استقرار۔ تَلَقّٰى۔ ماضی مصدر تَلَقِّي۔ حاصل کرنا۔ لینا۔ تَابَ عَلَيْهِ۔ اُس نے مُعاف کیا۔ بخشا۔ اصل تَوْبٌ ہے یعنی رجُوع کرنا۔ لَوٹنا۔ اِهْبِطُوْا۔ اُتر جاؤ۔ مصدر هُبُوْط۔ اُترنا۔ نازل ہونا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

۳۹- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ع

۴۰- يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○

۴۱- وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ○

۴۲- وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

۴۳- وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اور نہ وہ غم کھائیں[1] گے ○

۳۹- اور جو منکر ہوئے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ وہی دوزخی ہوں گے اور وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے ○

۴۰- اے بنی اسرائیل[2] میرا وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور میرے عہد کو پُورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پُورا کرُوں گا اور مجھی سے ڈرو ○

۴۱- جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اُسے مان لو۔ سچ بتاتا ہے اُس چیز کو جو تمہارے پاس ہے اور تم اُس کے پہلے منکر نہ ہو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو[3] ○

۴۲- اور سچ کو جھوٹ میں نہ ملاؤ اور (نہ یہ کہ) جان بُوجھ[4] کر حق کو چھپاؤ ○

۴۳- اور نماز قائم (کھڑی) کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور

ف[1] ان آیات میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا جذبۂ فیضِ ربوبیّت تمہیں زمین کی پستی سے اُٹھانے میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔ اس کی طرف سے رہنمائی کے سارے سامان مہیّا ہوں گے۔ رسُول بھی آئیں گے۔ مصلح اور ہادی بھی پیدا ہوں گے۔ تمہارا فرض ہے کہ اُن کو مانو اور یاد رکھو۔ وہی لوگ جو ایمان دار ہوں گے۔ بے خوف وخطر زندگی بسر کر سکیں گے اور وہ جو اللہ کے احکام کی تکذیب کریں گے اور رسُولوں کو جھٹلائیں گے کسی طرح بھی اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔

ف[2] اولادِ یعقوبؑ کو بنی اسرائیل کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں متعدد رسُول آئے ہیں اور ان پر بے شمار نعمتیں ہیں کہ جن کا ظہور ہوا۔ لیکن یہ ویسے کے ویسے ہی رہے۔ ان آیات میں زمانۂ رسالت کے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو مت بھُولو۔ اس کے عہد کی تصدیق کرو۔ یعنی تم میں سے وعدہ تھا کہ ہر سچائی کو قبول کرو گے۔ پھر تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ اس بہت بڑی صداقت کا انکار کرتے ہو۔

قرآنِ حکیم تمام سچّائیوں کا معترف ہے

ف[3] ان آیات میں بنی اسرائیل کو دعوت دی ہے کہ وہ قرآن کی آواز پر لبیک کہیں۔ کیونکہ قرآنِ حکیم تمام پہلی کتابوں کا مصدّق ہے۔ تمام سابقہ سچائیوں کا معترف ہے۔ وہ اس پر ایمان لائیں۔ کیونکہ اس میں وہی روشنی ہے جو موسیٰؑ کو وادیٔ ایمن میں نظر آئی، اس میں وہی صداقت ہے، جس کا اظہار صبیح ناصری نے کیا۔ اس کے بعد ان کے تحجر قلبی پر انہیں ملامت کی اور فرمایا کہ دنیا طلبی کو صرف سفلی خواہشات تک محدُود رکھو۔ مذہب کو اور صداقت کو کسی قیمت پر بھی نہ بیچو۔ اس لئے کہ دیانتداری کو جس قیمت پر بھی فروخت کیا جائیگا وہ غلط ہوگی اور کم ہوگی اور فرمایا کہ صرف مجھ سے ڈرو۔ رسم ورواج کے ڈر کو۔ قوم کی مخالفت کے ڈر کو۔ دلوں سے نکال دو۔ اگر اسلام میں تمہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا تو پھر قوم کی مخالفت کی چنداں پروا نہیں، قبول کر لو۔ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ۔

ف[4] اپنے مطالب اور اپنی خواہشات کے لئے نفسِ مذہب کو بدل دینا بہت بُری عادت ہے۔ یہودی اس میں مبتلا تھے۔ اسی طرح کتمانِ حق کسی حالت میں بھی درست نہیں لیکن یہودی اس سے کبھی باز نہیں آتے تھے۔ قرآنِ حکیم نے انہیں اس عادت پر متنبہ کیا اور کہا۔ تم جانتے بُوجھتے اس قسم کی بدقماشی کا ارتکاب کیوں کرتے ہو۔ یہ تو گوارا کیا جا سکتا ہے کہ تم مجرم بن جاؤ۔ اللہ کے حکموں کی مخالفت کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکموں کو تاویل وتعمق سے بدل ڈالنا تو کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

حلِ لغات

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ جہنّم میں رہنے والے۔ اَوَّلَ۔ پہلے یعنی تم کفر میں اوروں کے لئے نمونہ نہ بنو۔ اوّل کے معنی ہیں من یؤول الیہ الامر کے۔ لَا تَلْبِسُوْا۔ نہ ملاؤ۔ نہ مختلط کرو۔ مصدر لبس۔ ملا دینا۔ مختلط کر دینا

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○

جھکنے والوں کے ساتھ جھکو○

۴۴۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○

۴۴۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولے جاتے ہو اور تم کتاب پڑھتے ہو۔ پھر کیا نہیں سمجھتے؟○

۴۵۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ○

۴۵۔ اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اور البتّہ وہ بھاری تو ہے مگر اُن پر (نہیں) جن کے دل پگھلے (جو عاجزی کرنے والے) ہیں

۴۶۔ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○

۴۶۔ جنہیں یہ خیال ہے کہ انہیں اپنے ربّ سے ملنا ہے اور اُن کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے○

۴۷۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ○

۴۷۔ اے بنی اسرائیل میرے اُس فضل (احسان) کو یاد کرو جو مَیں نے تم پر کیا اور یہ کہ سارے جہان کے لوگوں پر مَیں نے تمہیں بزرگی بخشی○

تنظیمِ جماعت کے اصُول

ف۱ جماعتی زندگی ہمیشہ سے ایک ممدوح اور شان دار زندگی رہی ہے۔ کوئی قوم جماعتی احساس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ قرآنِ حکیم نے اس طرف بالخصوص توجّہ فرمائی ہے۔ غور کرو۔ جماعتوں کو اپنے بقا و تحفظ کے لئے دو چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اتحاد کی اور سرمایہ کی۔ یعنی ایسے اسباب و عوامل پیدا ہو جائیں جس سے تمام افرادِ جماعت ایک مسلک میں منسلک ہو جائیں اور ساری جماعت میں ایک وحدتِ قومی نظر آئے۔ پھر ایسا مشترک سرمایہ ہو جس کو قومی ضروریات پر خرچ کیا جاسکے۔ تاکہ قوم بحیثیت ایک قوم کے دُوسروں سے بالکل بے نیاز ہو جائے۔ سوچو کیا نماز باجماعت سے زیادہ کوئی مؤثر، بہتر اور آسان طریق تنظیم و ملت کا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح قومی فنڈ کی کیا زکوٰۃ سے اچھی، قابلِ عمل اور اعلیٰ صُورت ہو سکتی ہے؟ اسی طرح بنی اسرائیل کو بھی نماز باجماعت کی تلقین فرمائی ہے اور قیامِ زکوٰۃ کی طرف توجّہ دلائی کیونکہ ان چیزوں کے بغیر قوموں کی تعمیر ناممکن ہے ف۲ قرآنِ حکیم بار بار جس غلط فہمی کو دُور کر دینا چاہتا ہے وہ قول و عمل میں عدمِ توافق ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا آغاز، رہنمائی اور قیادت کا شروع اپنے نفس سے ہو۔ اپنے قریبی ماحول سے ہو۔ ورنہ محض شعلہ مقال کوئی چیز نہیں۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں بے عملی کا مرض عام ہو چکا تھا۔ اُن کے علماء و اولیاء محض باتوں کے علماء تھے۔ عمل سے معرّا، اخلاق سے کورے اور زبان کے رسیلے لوگ خدا کو پسند نہیں۔ وہ تو عمل چاہتا ہے۔ جدوجہد کا طالب ہے۔ اس کے حضور میں کم گو۔ لیکن ہمہ کا ہش لوگ زیادہ مقرب ہیں ف۳ ان آیات میں کشاکشہائے دنیا کا علاج بیان فرمایا ہے۔ یعنی جب تم گھبرا جاؤ یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ تو پھر صبر کے فلسفے پر عمل کرو۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ اور عقل و توازن کو نہ کھو بیٹھو۔ تاکہ مشکلات کا صحیح حل تلاش کیا جاسکے۔ وہ جو مصیبت کے وقت اپنے آپے میں نہیں رہتے، کبھی کامیاب انسان کی زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ قرآن حکیم چونکہ ہمارے ہر نوع کے اضطراب کا علاج ہے، اس لئے وہ ہمیں نہایت حکیمانہ مشورہ دیتا ہے جس سے یقیناً ہمارے مصائب کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ پھر دُوسری چیز جو ضروری ہے وہ نماز و دُعا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اُس وقت جب دُنیا کے امانت کے سب دروازے بند ہو جائیں۔ جب لوگ سب کے سب ہمیں بالکل مایُوس کر دیں۔ اللہ کی بارگاہِ رحمت میں آجانے سے دل کو تسکین ہو جاتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ وُہ سفر میں تھے کہ کسی نے آکر آپ کو آپ کے لختِ جگر کے انتقال کی خبر سُنائی۔ وہ سواری سے اُترے اور جناب باری کے عتبۂ جلال و جبرُوت پر جُھک گئے۔

حلِّ لغات

زکوٰۃ۔ اصلی معنی نشو و نما کے ہیں۔ چونکہ اس نظامِ شرعی سے مال و دولت میں برکات نازل ہوتی ہیں اس لئے اس کا نام زکوٰۃ ہے + اَلْبِرُّ نیکی حسنِ سلوک۔ شریعت کی اطاعت + تَنْسَوْنَ۔ مادہ نسیان۔ بھُول جانا + تَتْلُوْنَ۔ پڑھتے ہو۔ مادہ تلاوۃ + اَلْخٰشِعِيْنَ۔ خدا سے ڈرنے والے۔ عاجز و منکسر بندے۔

٤٨- وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

٤٨- اور اُس دن سے ڈرو جس میں کوئی (نافرمان منکر) کسی دوسرے مجرم (منکر) کے کچھ بھی کام نہ آئیگا اور نہ اُسکی طرف سے شفاعت (سفارش) قبول ہوگی اور نہ اُس کے بدلے میں کچھ لیا جائیگا اور نہ اُنکو مدد پہنچے گی ○ ف۱

٤٩- وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○

٤٩- جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے چھڑایا کہ تم کو بری تکلیف دیتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی ف۲ ○

٥٠- وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○

٥٠- اور جب ہم نے تمہارے (پار اُتارنے کے) لئے دریا کو چیرا اور تمہیں بچالیا اور فرعون کے لوگوں (قوم) کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے ف۳ ○

ف۱ ان آیات میں دوبارہ بنی اسرائیل کو مخاطب کیا ہے، تاکہ ان پر وہ تمام انعام جو کئے گئے ہیں گنائے جائیں اور انہیں دینِ حنیف کی طرف مائل کیا جائے۔ اوّلاً یہ فرمایا کہ تمہیں ہم نے اپنے تمام معاصرین پر مادی و رُوحانی فضیلت دی۔ ثانیاً ان کو ان کے موجودہ مزعومات سے باز رہنے کی تلقین فرمائی کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارے احبار و علماء، تمہارے اولیاء و شہداء تمہیں مکافاتِ عمل کے ہمہ گیر قانون کی گرفت سے بچالیں گے۔ اس قسم کی سفارش جو ذاتی عمل سے معرا ہو، قطعاً سُود مند نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم نے عام طور پر شفاعت کی نفی کی ہے۔ اور کہیں کہیں اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کہہ کر ایک نوع کے لوگوں کو مستثنےٰ قرار دیا ہے۔ جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ سفارش کا وہ مفہوم جو یہ لوگ سمجھے ہوئے تھے، بالکل غیر موزوں ہے۔ یعنی شریعت کی مخالفت کے باوجود شفاعت پر بھروسہ۔ یہ محض فریبِ نفس ہے۔ جس میں یہ لوگ مبتلا تھے۔ اس لئے قرآنِ حکیم نے اس عقیدے کی پُرزور تردید کی اور انہیں عمل پر آمادہ کیا۔

ف۲ یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے بنی اسرائیل مصر میں آکر آباد ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام تک اُن کو تقریباً چار صدیاں ہوئی ہیں۔ اس عرصے میں قبطیوں نے تمام مناصب پر قبضہ جمالیا اور سارے نظامِ حکومت پر چھاگئے۔ بنی اسرائیل کے لئے سوائے محنت و مزدوری اور کوئی کام باقی نہ رہا۔ ادھر فراعنہ نے جب یہ دیکھا کہ بنی اسرائیل زیادہ قوی اور ذہین ہیں تو انہیں خطرہ پیدا ہؤا کہ کہیں ساری حکومت ہی اُن کے ہاتھ میں نہ آجائے۔ عموماً حکومتیں زور آور اور توانا قوموں سے خائف رہتی ہیں، اس لئے انہوں نے اور زیادہ مظالم توڑے تاکہ اُن میں رہی سہی قوت بھی جاتی رہے۔ بالآخر جب کاہنوں نے فرعون کو ڈرایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شان دار انسان پیدا ہونے والا ہے جس سے تیری جابرانہ حکومت خطرہ میں پڑ جائے گی تو اس نے بچّوں کے قتلِ عام کا حکم دے دیا اور بچّیوں کو خدمت وغیرہ کے لئے زندہ باقی رکھا۔ ان آیات میں ان ہی واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس ذلّت وخفت سے نجات دی۔ تم میں موسیٰؑ کو بھیجا جس نے تمہیں آزادی و حُرّیت کی نعمتوں سے بہرہ ور کیا۔

ف۳ البحر سے مراد یہاں دریائے قلزم ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو آمادہ کر لیا کہ وہ راتوں رات ارضِ مصر سے نکل جائیں۔ یہ ہجرت اس لئے تھی تاکہ فرعون کے اثر سے الگ رہ کر اُن میں صحیح طریق پر دین کی رُوح پھونکی جائے۔ غلامی سے دماغی اور ذہنی قوی کمزور ہو جاتے ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ آزاد آب و ہوا میں انہیں لے جایا جائے۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہؤا کہ بنی اسرائیل ہاتھ سے نکلے جاتے ہیں تو اُس نے باقاعدہ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور دریائے قلزم پر ان کو جا لیا۔ وہ دریا کے پھٹ جانے کی وجہ سے پار اتر گئے اور فرعون بمعہ اپنے لشکر کے دریا میں ڈوب گیا۔ یہ اس لئے تھا کہ بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دشمن کا عبرت ناک انجام دیکھ لیں اور ان میں جرأت پیدا ہو، انہیں خدا کے بھیجے ہوئے رسولؑ کی باتوں پر یقین ہو اور وہ دیکھ لیں کہ جو قوم اپنی فلاح و بہبود کے لئے ذرا بھی کوشاں ہوتی ہے اللہ کی رحمتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ دریا کا پھٹ جانا اور بنی اسرائیل کو راستہ دے دینا محض اتفاقی نہ تھا بلکہ بطور خرقِ عادت کے تھا۔ صرف حُسنِ اتفاق ہوتا تو فرعون بھی اس سے فائدہ اٹھا لیتا۔

حلِّ لغات:۔ عَدْلٌ۔ معاوضہ۔ بدل۔ قیمت۔
يَسُوْمُوْنَ۔ تکلیف دیتے تھے۔ دُکھ دیتے تھے۔
بَلَآءٌ۔ امتحان۔ آزمائش۔ تکلیف۔
فَرَقْنَا۔ فعل ماضی جمع متکلم۔ مادہ فرق۔ پھاڑنا۔

۵۱۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

۵۱۔ اور جب چالیس رات کا ہم نے موسیٰؑ سے وعدہ لیا۔ پھر تم نے اُس کے پیچھے بچھڑا (معبود) بنا لیا تھا اور تم ظالم تھے ○

۵۲۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

۵۲۔ پھر اُس کے بعد ہم نے تمہیں مُعاف کر دیا۔ تاکہ تم شُکر کرو ○

۵۳۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

۵۳۔ اور جب ہم نے کتاب اور فرقان (حق اور باطل میں فرق کر دینے والا معجزہ) موسیٰ کو دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ ○

۵۴۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

۵۴۔ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم تم نے بچھڑا بنا کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب اپنے پَیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنی جانوں کو مار ڈالو تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے یہی بات بہتر ہے پھر وہ تم پر متوجّہ ہُوا۔ بیشک وُہی مُعاف کرنیوالا مہربان ہے ○

۵۵۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

۵۵۔ اور جب تم نے کہا۔ اے موسیٰؑ ہم تجھ پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک کہ خدا کو ظاہر نہ دیکھیں۔ پھر تمہیں بجلی نے آپکڑا۔

ف۱ موسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن کے لئے وعدہ لیا گیا کہ وہ چالیس دن تک طوُر پر زہد و عبادت کی زندگی اختیار کریں اور اپنے آپ کو نبوت کے بارِ گراں کے لئے تیار کریں، جب جا کے توریت کا نزول ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام اس کے لئے تیار ہو گئے اور ہارُون علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں چھوڑ گئے۔ بنی اسرائیل مصر سے بُت پرستی کے جذبات لے کر آئے تھے۔ جب سامری نامی ایک شخص نے بچھڑا جس میں آواز پیدا کی گئی تھی، اسرائیلیوں کے سامنے پیش کیا تو وہ سب اُسے پوجنے لگے۔ اِن آیات میں انہیں واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت یہودیوں کو بتایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ سے ایسے ہی رہے ہو کہ ذرا شریعت کا احتساب تم سے اُٹھا اور تم پھر گئے۔ اس کے بعد اس کا ذکر ہے کہ ہم نے باوجود اتنی بڑی جرأت کے تمہیں تھوڑی سی سزا دے کر معاف کر دیا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی اور پھر تمہیں زندگی کے نشیب و فراز سمجھنے کے لئے مکمل دستور العمل عنایت کیا لیکن تم اس پر بھی عامل نہ رہے۔

ف۲ قوموں کا آپریشن

جس طرح بدن کے بعض حصّے اس لئے کاٹ دینا پڑتے ہیں کہ وہ سارے نظامِ بدن کو بیکار نہ کر دیں۔ اسی طرح قوموں میں جب ناقابلِ اصلاح خرابیاں پیدا ہو جائیں تو پھر آپریشن کی ضرورت محسُوس ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے باوجود ہارُون علیہ السلام کے موجود ہونے کے دوبارہ بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی جس کے وہ مصر میں عادی تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ان لوگوں کو جن کی رگ رگ میں شرک کے مہلک جراثیم موجود ہیں، ہلاک کر دیا جائے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ تمام بنی اسرائیل اس روحانی مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں اور پھر اصلاح کی کوئی توقع نہ رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ خدا رحیم ہے۔ لیکن یہ بھی یقین ہے کہ وہ حکیم بھی ہے۔ رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو کسی طرح اس مرض سے بچا لیا جائے اور حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ بدن کے متعفن حصّے کو الگ کر دیا جائے۔ اس لئے جو کچھ ہُوا، یہ ضروری تھا۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ۔

حلِّ لغات :۔ اَلْعِجْلَ۔ بچھڑا + جَهْرَةً۔ بالمشافہ۔ رُو در رُو۔ بالکل سامنے + اَلْفُرْقَانَ۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے والا معجزہ۔ بیّن اور واضح دستور العمل + بَارِئِكُمْ۔ الباری خدا کا نام ہے۔ پیدا کرنے والا۔

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○

اور تم دیکھ رہے تھے ○

۵۶۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

۵۶۔ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں پھر اُٹھا کھڑا کیا۔ شاید کہ تم شکر کرو[1] ○

۵۷۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

۵۷۔ اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور منّ و سلوٰی تم پر اُتارا۔ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دیں (خوب) کھاؤ اور ہمارا کچھ نقصان نہ کیا۔ پر اپنا ہی نقصان کرتے رہے[2] ○

۵۸۔ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

۵۸۔ اور جب ہم نے کہا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور جہاں چاہو بافراغت (محظوظ) ہو کر کھاتے پھرو اور سجدے کرتے اور حِطَّةٌ بولتے ہوئے دروازہ میں داخل ہو تو ہم تمہارے گناہ

ف۱ بنی اسرائیل نے موسٰی علیہ السلام سے مُطالبہ کیا کہ ہمیں جس خدا کی طرف تُو بلاتا ہے، وہ بالمشافہ دکھا۔ تاکہ ہم دیکھ کر اس پر ایمان لائیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کے متعلق نہایت ہی ناقص فہم کا تخیل رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خدا بھی انسانوں کی طرح مجسّم ہے اور اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس مُطالبہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ متواتر و مسلسل بت پرستی کی وجہ سے وہ مشاہدات سے زیادہ مرعوب تھے اور کوئی تنزیہی تخیل جو بالا از تجربہ و احساس ہو، انہیں اپنی طرف جذب نہ کر سکتا تھا۔ موسٰی علیہ السلام نے جب خدائے تعالٰی کی توحید کی جانب اُن کو ملتفت کرنا چاہا تو وہ اکڑ گئے کہ جب تک خدا کو صُورت و تمثال کے رنگ میں نہ دیکھ لیں گے نہ مانیں گے۔ مُوسٰی علیہ السّلام ہر چند اس ضد کی معقولیت کو سمجھتے تھے، تاہم بطور اتمام حجت کے اُن کے چند آدمیوں کو لے کر پیش گاہِ جبروت میں حاضر ہو گئے۔ وہاں جب اللہ تعالٰی نے اپنے جلال و حشمت کا ادنٰی سا اظہار فرمایا تو عقل و حواس کی دنیا میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ابھی حریمِ اقدس و نُور کے چند پردے ہی چاک ہوئے تھے کہ قلب و دماغ کا توازن کھو بیٹھے اور موت آگئی۔ اس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ سنبھلے۔ جان میں جان آئی تو فرمایا۔ جاؤ خدا کا شکریہ ادا کرو۔ عقل و استعداد کو کام میں لاؤ اور خدائے قدّوس پر غائبانہ ایمان رکھو۔ ف۲ سب سے بڑا فضل جو بنی اسرائیل پر ہوا، وہ فکرِ معاش سے بے نیازی تھی۔ تاکہ وہ پورے انہماک کے ساتھ دینی کاموں میں مشغول ہو سکیں۔ اُن پر منّ و سلوٰی کی نعمتیں نازل کی گئیں۔ انہیں عام تکالیف سے بھی بچایا گیا۔ جنگل کی دُھوپ سے بچنے کے لئے ابر کا سایہ مہیا کیا گیا، تاکہ انہیں کوئی شکایت باقی نہ رہے اور وہ پُورے وقت۔ قوت اور استعداد کے ساتھ اللہ کے مشن کو پورا کریں لیکن وہ انعاماتِ الٰہیہ سے صحیح صحیح استفادہ نہ کر سکے۔

شہریّت کے تین اصُول

بنی اسرائیل کو جب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اریحا میں داخلے کی اجازت مل گئی جو عمالقہ کا ایک مشہور شہر تھا۔ تو ان پر چند قیود عائد کر دی گئیں جو تمدنِ صحیح کی جان ہیں اور شہری زندگی کے لوازم میں ہے۔ ورنہ خطرہ تھا کہ وہ شہریّت و تمدّن کو تعیش و فجور کا ہم معنی نہ سمجھ لیں۔ وہ تین چیزیں قرآن کے الفاظ میں یہ ہیں :۔

۱۔ اللہ سے بہرحال تعلّق قائم رہے۔ اس کا آستانۂ جلال ہمارے سجدہ ہائے خلوص سے ہمیشہ معمُور رہے۔ (باقی صفحہ ۱۹ پر)

حلِّ لغات :۔ ظَلَّلْنَا۔ ماضی معلوم۔ مادہ الظّلّ۔ سایہ۔ اَلْمَنَّ۔ ترنجبین (جمہور مفسّرین) ایک قسم کا میٹھا گوند (قاموس) شہد۔ کوئی میٹھی چیز۔ ابنِ عباسؓ کی رائے بالکل صاف ہے۔ وہ کہتے ہیں مَنّ مصدر ہے۔ تمام اُن چیزوں کو شامل ہے جو بلا تعب و کسب حاصل ہو جائیں۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے۔ اِنَّ الْكَمْأَةَ مِنَ الْمَنِّ جس سے اس عموم کی توضیح ہو جاتی ہے + سَلْوٰی۔ بٹیریں (جمہور مفسّرین) شہد (علامہ جوہری) بٹیر ایک ایسا پرندہ (ابن عطیہ) ایک طرح کا پرندہ (ابن عباسؓ) صحیح چیز یہ ہے کہ یہ بھی مَنّ کی طرح عام المعنی ہے۔ ہر وہ شے موزون جس کے کھانے سے تسکین و تسلی حاصل ہو (راغب) + اَلْقَرْيَةَ۔ شہر۔

وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ○

بخش دیں گے اور نیکوں کو ہم زیادہ بھی دیں گے ○

۵۹۔ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ ع

۵۹۔ مگر ظالموں نے بتائی ہوئی بات کو دوسری بات سے بدل دیا۔ تب ہم نے ظالموں پر اُن کی نافرمانی کے سبب آسمان سے عذاب بھیجا ○

۶۰۔ وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○

۶۰۔ اور جب موسٰی نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مار۔ تب اُس میں سے بارہ چشمے [۱] بہہ نکلے اور سب آدمیوں نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ اللہ کی طرف سے رزق کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو ○

۶۱۔ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نَصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

۶۱۔ اور جب تم نے کہا۔ اے موسٰی! ہم ایک کھانے پر صبر نہ کریں گے۔ تو ہمارے لئے اپنے ربّ کو پکار کہ

(بقیہ صفحہ ۱۸)

ب۔ ہم اپنے گناہوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ تمدن و شہریت کو مذہب کے کناروں میں محصور رکھیں اور ہر وقت اللہ کی رحمت و مغفرت کے جویاں رہیں۔

ج۔ احسان اور جذبۂ اصلاح و تکمیل پیش نظر رہے۔

ان سہ گانہ اصولوں کو قرآن حمید نے اپنی معجزانہ زبان میں اس طرح ادا فرمایا ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا کہ شہر میں عجز و نیاز مندی لئے ہوئے رہنا۔ وَقُولُوا حِطَّةٌ اور ہر آن بخشش مانگتے رہنا۔ اور جان رکھو کہ وہ لوگ جو محسن ہیں اُن کے درجے ہم اور بڑھائیں گے۔ ظاہر ہے یہ باتیں نہایت قیمتی نصائح کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مگر بنی اسرائیل نے تغافل سے کام لیا۔ شہری فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب الٰہی نے آگھیرا۔

بعض آثار میں آتا ہے کہ عذاب طاعون کی شکل میں آیا۔ مسلم میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ طاعون بقیہ قوموں کا عذاب ہے جب کسی جگہ آجائے تو تم بھاگو نہیں اور نہ مطعون شہر میں جاؤ۔

[۱] بارہ چشمے

جنگل میں بنی اسرائیل موسٰی علیہ السلام کے ساتھ آئے تھے۔ وہ بے آب و گیاہ جنگل تھا۔ پانی کی سخت تکلیف تھی، اس لئے ان کی درخواست پر موسٰی علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی حکم ہوا۔ پتھر پر معجزہ طراز عصا رسید کرو۔ تعمیل کی گئی اور بطور اعجاز کے بارہ چشمے پتھر سے پھوٹ نکلے جو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے کافی تھے۔

قرآن حکیم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض اتفاق نہ تھا، درخواست تھی۔ پھر تکمیل درخواست کو اس معجزانہ شکل میں پیش کیا۔ وہ لوگ جو اس کی تاویل کرتے تھے صحیح مسلک پر نہیں ہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ کسی تاویل کے مستحق نہیں اور نہ متحمل۔

حل لغات

رِجْزٌ۔ عذاب۔ تکلیف۔

اِضْرِبْ۔ مار۔ امر ہے ضَرَبٌ سے۔ چلنے کے معنی اُس وقت ہوتے ہیں جب اس کا صلہ فی ہو، جیسے ضَرَبَ فِي الْأَرْضِ۔ جب اس کا صلہ با ہو تو اس کے معنی بجز مارنے کے اور کچھ نہیں ہوتے۔

عَيْنٌ۔ متعدد معانی ہیں۔ یہاں مراد ہر چشمہ ہے۔

تُنۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ع

وہ ہمارے لئے وہ چیزیں نکالے جو زمین سے اُگتی ہیں۔ ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسُور اور پیاز، تو اس (موسیٰؑ) نے کہا۔ کیا تم بہتر چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلنا چاہتے ہو؟ (کسی) شہر (مصر) میں اُتر جاؤ۔ جو مانگتے ہو، تم کو ملے گا۔ اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی۔ اور خدا کا غصہ کما لائے۔ یہ اس لئے کہ وہ خُدا کی نشانیوں سے کفر (انکار) کرتے تھے اور (اس لئے کہ) ناحق نبیوںؑ کو قتل کیا کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد سے نکل جاتے تھے ۳ ○

۶۲- اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا

۶۲- بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہُودی ہوئے

۱ شوقِ تنوع

من وسلویٰ کھا کھا کے بنی اسرائیل اُکتا گئے۔ جنگل کی زندگی سے طبیعت بیزار ہو گئی تو انھوں نے موسیٰ علیہ السّلام سے کہا۔ ہم ایک ہی جنس کی غذا معیشت پر قانع نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے ہمیں پھر گیہوں عنایت ہوں۔ ہم خود زراعت کریں گے۔ اللہ ہمارے کھیتوں میں برکت دے۔ یہ شوقِ تنوع تھا۔

۲ اللہ نے جواب عنایت فرمایا کہ تم بلا تعب ومشقت اب آزوقۂ حیات فراہم کر لیتے ہو۔ پھر تمہیں محنت کرنا پڑے گی۔ تم اس آسانی اور یُسر کو مشکلات سے تبدیل کرنا چاہتے ہو۔ مقصد یہ تھا کہ پیٹ کے دھندوں سے فارغ ہو کر صحیح تربیت حاصل کرو۔ مگر وہ برابر مُصر تھے۔ وہ پہلی سی مادی اور جدّ وجہد کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ وہ تزکیۂ وطن سے بھاگتے تھے۔ انہیں اس نوع کی تربیت سے نفرت تھی۔ وہ کسی طرح بھی اس نہستت سے نکلنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ تربیت واصلاح کے بعد شہری زندگی میں پڑ کر بگڑ گئے۔ دماغوں میں کفر وطغیان کے خیالات پیدا ہوئے۔ طبیعتوں میں معصیت وتشدّد کا زور ہوا۔ اللہ کے حکموں کو ٹھکرایا گیا۔ انبیاء علیہم السلام جو انہیں سمجھانے بجھانے کے لئے آئے تھے، اُن کی زیادتیوں کی آماجگاہ بن گئے۔ وہ اُن سے لڑے انہیں ناکام رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اُن کی جان کے لاگو ہوئے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ تربیت واصلاح سے پہلے شہروں میں آباد ہو گئے اور تعیش وتفحش میں ملوث ہو کر راہِ راست سے بھٹک گئے۔

انبیاء علیہم السلام کی آمد کا مقصد اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہوتا ہے تو وہ زندہ رہ کر اس مقصد کی تکمیل میں کوشش کرتے ہیں اور کبھی خدا کی راہ میں شہید ہو کر اپنی تعلیمات کو پایندہ وتابندہ بنا جاتے ہیں۔ اس لئے اُن سے جنگ وجدال اگر مضر ہے تو اُن کے مخالفین کے لئے وہ تو بہر حال کامیاب رہتے ہیں۔

اس انتہائی قساوتِ قلبی اور بے دینی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہُودی رُشد وہدایت کی تمام صلاحیتوں سے محروم ہو گئے۔ اللہ کا غضب اُن پر نازل ہوا اور ذلت ومسکنت کی زنجیروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیئے گئے۔ یہُودیوں کی ساری تاریخ اُن کی یبوست، کور باطنی اور بے دینی کا مرقع ہے۔ مادی طور پر بھی وہ آج تک ذلیل وخوار ہیں۔ آج باوجود اعلیٰ تعلیم اور کافی سرمایہ کے دُنیا میں ان کی حیثیت کیا ہے؟ خدا کی ساری زمین میں اُن کے لیئے کوئی گوشۂ عافیت نہیں جسے وہ اپنا وطن کہہ سکیں۔ اس سے زیادہ ذلت ومسکنت اور کیا ہو سکتی ہے؟

حلِّ لغات

بَقۡلٌ۔ ہر وہ حشیشۂ ارض جو سردیوں میں نہ اُگے (راغب) ہر چیز جو زمین میں اُگے (زمخشری) جس کے ساق نہ ہو (عام لغت میں) قِثَّآءٌ۔ بالکسر والضم۔ ککڑی + فُوۡمٌ۔ گندم۔ گیہوں۔ لہسن (ابنِ عباسؓ) عَدَسٌ۔ مسُور + بَصَلٌ۔ پیاز + هَادُوۡا۔ ماضی معلوم۔ یہودی ہوئے۔ مادہ یَهُوۡدًا۔

وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

اور نصاریٰ ہوئے اور صابئین[ف۱] (بے دین یا ستارہ پرست) ہوئے۔ جو کوئی اُن میں سے اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اُن کی مزدوری اُن کے ربّ کے پاس ہے اور نہ اُن کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

۶۳۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

۶۳۔ جب ہم نے تم سے اقرار کر لیا[ف۲] اور (پہاڑ) طُور کو تمہارے اُوپر اُٹھایا کہ جو ہم نے تم کو دیا ہے، زور سے پکڑ لو اور جو اُس میں ہے اُسے یاد کرتے رہو۔ شاید تم ڈرو

۶۴۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ○

۶۴۔ پھر اُس کے بعد تم پھر گئے۔ پھر اگر خدا کا فضل اور مہر تم پر نہ ہوتا تو تم نقصان اُٹھانے والوں میں ہو جاتے ○

۶۵۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا

۶۵۔ اور تم اُن آدمیوں کو ضرور جان چکے ہو جنہوں نے

ہمہ گیر دعوت

ف۱ مذہب کا مقصد نوعِ انسانی میں وحدت و یگانگت کا عظیم الشان مظاہرہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس لئے تشریف لائے کہ ان تمام جماعتوں اور گروہوں کے خلاف جہاد کریں جنہوں نے ردائے انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ خدا ایک ہے اور اس کا منشاء تخلیق یہی ہے کہ سب لوگ اس کے آستانۂ عظمت پر جھکیں۔ تفرق و تشتت کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ چنانچہ خدا کے ہر محبوب فرستادہ نے لوگوں کے سامنے ایسا کامل و اکمل پروگرام رکھا کہ اسے مان کر رنگ و قومیت کا کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ وہ آتے ہیں تاکہ جو بکھر گئے ہیں انہیں ایک رُوحانی رشتے میں منسلک کر دیں۔ ان کے سامنے کوئی مادی رشتہ نہیں ہوتا۔ وہ اخوتِ انسانی کی بُنیادیں ایمان و عمل کی مضبوط چٹان پر رکھتے ہیں جسے کوئی تعصب نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم یہودیوں اور عیسائیوں کو کہتا ہے۔ تم سب اسلام قبول کر سکتے ہو اور سب اس ہمہ گیر دعوت پر ایمان لا سکتے ہو۔ یہ کسی خاص فرقے کا موروثی مذہب نہیں۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

یہ یاد رہے کہ قرآنِ حکیم جہاں جہاں ایمان و عمل کی دعوت دیتا ہے وہاں مقصود قرآن حکیم کا پیش کردہ پورا نظام اسلامی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں جس میں تمام انسانوں کو ایک سلک میں منسلک کر دینے کی پُوری پُوری صلاحیت ہو۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ۔

میثاق بنی اِسرائیل

ف۲ اسی پارے میں اس میثاق کی تشریح فرما دی ہے کہ وہ کن باتوں پر مشتمل ہے:۔ (۱) خدا کی عبادت وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ (۲) ماں باپ سے حُسنِ سلوک وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (۳) اقربا سے اور یتامیٰ و مساکین سے اچھا برتاؤ وَذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ (۴) خوش گفتار ہونا۔ خوش مقال رہنا اور نیکی کی تلقین کرنا۔ یعنی دعوتِ رُشد و صلاح وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۵) صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام و تنظیم وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ یہ عہد تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا۔ وہ دامنِ کوہ میں رہتے تھے۔ اس لئے پہاڑ کو اٹھا کر اُن کے سامنے کیا اور کہا۔ اگر ان باتوں پر عمل کرتے رہو گے تو پہاڑ کی طرح مضبوط و سربلند رہو گے اور اگر انکار کر دو گے تو پھر مصائب و حوادث کا پہاڑ تمہیں پیس کر رکھ دے گا۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں آیا کہ پہاڑ ان کو مرعوب کرنے کے لئے اُکھاڑا گیا تھا۔ اس لئے کہ دل میں تسکین و طمانیت جب تک موجود نہ ہو، محض جبر و اکراہ سے کیا فائدہ؟ دُودھ بھی اگر عدم اشتہاء کے وقت پیا جائے تو مضر پڑتا ہے۔

حلِ لُغات:۔ وَالنَّصٰرٰی۔ عیسائی منسُوب بہ ناصرہ + صَابِـِٕیْنَ صابی ایک فرقہ تھا جس کی چند باتیں بظاہر اسلام سے ملتی جلتی تھیں لیکن اکثر باتوں میں وہ مجوسی تھے + طُوْرٌ۔ پہاڑ۔ ایک خاص پہاڑ + تَوَلَّیْتُمْ۔ ماضی معروف۔ مصدر تَوَلِّی۔ اباو۔ انکار۔ اقرار کر کے پھر جانا۔

مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝

تم میں سے ہفتے کے دن زیادتی کی تھی۔ پھر ہم نے کہا کہ پھٹکارے ہوئے بندر بن جاؤ ۝

۶۶۔ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

۶۶۔ پھر ہم نے اس (واقعہ) کو اُن کیلئے جو اُس وقت تھے اور اُنکے پیچھے آنے والوں کیلئے عبرت اور ڈر والوں کیلئے نصیحت ٹھہرایا ۝

۶۷۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

۶۷۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اُنہوں نے کہا۔ کیا تو ہم سے ٹھٹھا کرتا ہے؟ وہ بولا۔ اللہ کی پناہ اس سے کہ مَیں جاہلوں میں سے ہوں ۝

۶۸۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا

۶۸۔ انہوں نے کہا کہ اپنے رب کو پکار کر وہ ہم سے بیان کرے کہ وہ کیسی (گائے) ہے۔ اُس نے کہا۔ وہ (خدا) کہتا ہے کہ وہ گائے نہ بُوڑھی ہے نہ بچہ ہے۔ اس (عمر) کے درمیان ہے۔ جوان

بنی اِسرائیل کی طبع حیلہ جُو

ف یہُودیوں نے مذہب کے بارے میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کا مقصد صرف الفاظ کے ظاہری مفہوم کو پورا کرنا ہے۔ چاہے اصل منشاء کی مخالفت ہی ہو۔ چنانچہ جب سبت کے دن کام کاج سے ان کو روکا گیا تو وہ ایک اور حیلہ تراشنے میں کامیاب ہو گئے۔ یعنی دریا کے کنارے کچھ حوض کھود رکھے تاکہ مچھلیاں سبت کے دن بھی ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب موزوں دیا۔ اُن کو اُن کی ظاہری صُورت سے محروم کر دیا اور اُن کو باطنی معنویت سے بالکل الگ شکل میں تبدیل کر دیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو مسخ کرنے کا یہ نتیجہ ہے۔ مذہب صرف الفاظ و ظاہر کی پابندی کا نام نہیں، بلکہ معنویت و بطون کا خیال بھی رکھنا چاہیئے۔ وہ جو بے عمل و ملحد ہوتے ہیں وہ یا تو اتنے ظاہر پرست ہو جاتے ہیں کہ صرف الفاظ کو سامنے رکھتے ہیں اور یا پھر اس قدر تعمق و تفکر کے عادی کہ ظاہر و باہر مفہوم سے تغافل اختیار کر لیتے ہیں اور انہیں محسوس بھی نہیں ہوتا۔ اسلام کی ہدایت اس باب میں یہ ہے کہ کسی قسم کا حیلہ جو نفسِ منشائے الٰہی کے خلاف ہو، الحاد ہے اور کفر۔ الفاظ و معانی میں ایک ربط رہنا چاہیئے۔ جہاں یہُودی ظاہر پرستی کی وجہ سے خشک اور یابس ہو کر رہ گئے وہاں عیسائیوں نے یہ بڑی غلطی کی کہ رُوحانیت میں غلو کی وجہ سے بے پرواہ ہو گئے اور شریعت کے احکام کو لعنت سے تعبیر کرنے لگے۔ اسلام نے آکر بتایا کہ ہمیشہ سے مذہب کا مقصد ظاہر و باطن کا تزکیہ رہا ہے۔ جس طرح وہ وکیل جو قانون کے الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور قانون کے مقصد کی مخالفت کرے، حکومت کا مُجرم ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ علمائے دین جو ظاہری الفاظ سے اپنے مفاد کے ماتحت حیلہ تراش لیں، خدا تعالیٰ کے مخالف ہوں گے۔ دین دار اور متورع اشخاص تو کسی طرح بھی اس نوع کے حیل کی اجازت نہیں دے سکتے۔ البتہ اصحابِ حرص و آز اور اربابِ عزّت و جاہ جن کا مقصد ارذل ترین دُنیا کا حصُول ہوتا ہے وہ ضرور کوشاں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح دین کو جلبِ زر کا ذریعہ بنایا جائے۔ جب کسی قوم کی یہ ذہنیت ہو جائے کہ وہ دنیا کو مقدّم رکھے اور دین کو محض اپنے سلسلۃ العیش کی ایک کڑی سمجھے تو پھر ہلاکت قریب ہے۔ اس وقت دین کا احترام اٹھ جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ الفاظ کے ظاہری مفہوم کو ادا کر لینا ہی وہ کافی سمجھتے ہیں۔ طرح طرح کے حیلوں سے اپنے مفاد و وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قصّے ہمیں سُنائے جا رہے ہیں۔ اُن کے اقبال و ادبار کی پُوری داستانیں دُہرائی جا رہی ہیں۔ تاکہ ہم اُن کے نقشِ قدم پر نہ چلیں اور آنے والی ہلاکت سے بچیں۔

حلِّ لغات

اِعْتَدَوْا۔ مصدر اعتداء۔ زیادتی کرنا + اَلسَّبْتِ۔ اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات کے متعلق ارشاد ہے وَجَعَلَ الَّيْلَ سُبَاتًا۔ یعنی رات تکان سے چھڑا دینے والی ہے۔ سبت کے معنی ہوئے اس دن کے جس میں کام کاج نہ کیا جائے۔ مراد ہفتہ کا دن ہے + نَكَالًا۔ عبرت انگیز سزا + قِرَدَةً۔ بندر + خٰسِئِيْنَ۔ جمع خاسئہ۔ بمعنی ذلیل و رسوا + بَقَرَةٌ۔ گائے اور بیل + هُزُوًا۔ مذاق + فَارِضٌ۔ عمر رسیدہ + عَوَانٌ۔ جوان۔

تُؤْمَرُوْنَ ۝

پس جو تمہیں حکم ہوا ہے تم کرو[1] ۝

۶۹۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝

۶۹۔ وہ بولے۔ ہمارے لئے اپنے رب کو پکار کہ ہم سے بیان کرے کہ اُس کا رنگ کیسا ہے؟ وہ بولا (خدا) کہتا ہے کہ وہ گائے زرد گہرے رنگ کی ہے۔ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے ۝

۷۰۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝

۷۰۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے لئے اپنے ربّ کو پکار کہ ہم سے بیان کرے کہ یہ کیسی ہے؟ ہمیں گائیوں میں شبہ پڑ گیا ہے۔ اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ پالیں گے ۝

۷۱۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝ ع ۸

۷۱۔ اُس نے کہا۔ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت والی نہیں کہ باہتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیت کو۔ بدن سے پوری (تندرست) ہے۔ اُس میں کوئی داغ نہیں وہ بولے اب تو ٹھیک بات لایا۔ پھر انہوں نے اُس کو ذبح کیا اور لگتے نہ تھے کہ ذبح کریں گے ۝

اخفائے جُرم

بنی اسرائیل کی قوم میں جہاں صدہا عیوب پیدا ہو گئے تھے وہاں سب سے بڑا عیب اخفائے جُرم کا جذبہ تھا اور ظاہر ہے اس کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ قوم میں احساسِ گناہ نہیں رہا اور وہ بدمذہبی کے اُس دَور میں سے گزر رہی ہے جس کی اصلاح ازبس دُشوار ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قتل ہو جاتا اور اس کے قاتل کا کوئی پتہ نہ چل سکتا تو پھر وہ ایک بیل ذبح کرتے اور اس کے خُون سے ہاتھ دھوتے۔ قاتل اگر اس جماعت میں ہوتا تو وہ اس سے انکار کر دیتا۔ خیال یہ تھا کہ قاتل اگر دھوئے گا تو وہ ضرور نقصان اُٹھائے گا۔ یہ کوئی شرعی بات نہ تھی۔ محض اُن کا وہم تھا۔ جس پر ان کو یقین تھا۔ جس طرح جاہل قوموں کے مُعتقدات ہوتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، تاہم اُس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ جب بنی اسرائیل میں سے ایک شخص قتل ہو گیا اور انہوں نے عمداً اخفائے جرم کی ٹھان لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے مسلمہ قانون کے مطابق بیل ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس پر چونکہ اُن کے دلوں میں چور تھا۔ اس لئے حیلے تراشے۔ بار بار سوال کیا۔ بیل کس طرح کا ہو۔ کیا رنگ ڈھنگ ہو۔ کس نوع کا ہو۔ نیت یہ تھی کہ کسی طرح بات آئی گئی ہو جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ کوئی سا بیل ذبح کر دیتے تو منشائے الٰہی کی تکمیل ہو جاتی۔ مگر یہ سب تفاصیل تو اس لئے پوچھی جا رہی تھیں کہ عمل کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس طرزِ عمل میں باریک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ وہ قومیں جن میں تفصیل طلبی کا جذبہ پیدا ہو جائے وہ عمل سے محروم ہو جاتی ہیں۔ جب تک مذہب اپنی سادہ حالت میں رہے لوگوں میں جوشِ عمل موجود رہتا ہے اور جب ہر بات ایک معمہ بن جائے، ہر مسئلہ ایک مستقل بحث قرار پائے۔ اُس وقت عمل کے لئے طبیعتوں میں کوئی جذبہ موجود نہیں رہتا۔

بہ حال بنی اسرائیل آخر مجبور ہو گئے۔ بیل ذبح کرنا پڑا اور معجزانہ طور پر بیل کے مَس سے وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا پتہ بتا دیا۔ اس معجزہ نے حکیمانہ طور پر انسان کی نفسیات پر روشنی ڈالی کہ وہ حتی الوسع جرائم کے باب میں اخفا سے کام لیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ فطرت ہمیشہ مجرم کو بے نقاب کر کے رہتی ہے۔ گویا جرم و گناہ میں، اور علام الغیوب خدا کے بنائے ہوئے منصفانہ قوانین میں ایک جنگ برپا ہے۔ ناممکن ہے کوئی گناہ سرزد ہو اور فطرت کی طرف سے اُن پر سزا نہ ملے۔

ف[1] ان آیات سے معلوم ہوا کہ استہزاء علم و متانت کے شایانِ شان نہیں۔ البتہ مذاح جو پاکیزہ ہو۔ جس سے کسی کا دل نہ دُکھے اور جو خلافِ واقع نہ ہو جائز ہے ف[2] فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ کا مقصد یہ ہے کہ اُن کو صحیح مذہب سے متعارف کرایا جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ مذہب کی اصل رُوح تسلیم و رضا ہے۔ جرح و نقد نہیں۔ ایک دفعہ ایک نظامِ عمل کو مان لینے کے بعد صرف عمل کے لئے گنجائش رہ جاتی ہے پس تم سے بھی یہی مطالبہ ہے۔

حلِ لُغات۔ لَوْنٌ۔ رنگ + صَفْرَآءُ۔ زرد + فَاقِعٌ۔ گہرا۔ واضح۔ صاف + ذَلُوْلٌ۔ ہل میں جُتا ہُوا + تُثِيْرُ الْاَرْضَ۔ مادہ اثارۃ۔ زمین درست کرنا + شِيَةَ۔ داغ۔ دھبا۔ عیب۔

۷۲۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ○

۷۲۔ اور جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا اور پھر لگے تھے ایک دوسرے پر (جرم) دھرنے اور اللہ اس بات کو نکالنے والا تھا جسے تم چھپاتے تھے○

۷۳۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی ۙ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○

۷۳۔ پھر ہم نے کہا کہ اس گائے کے ایک ٹکڑے سے اس (مُردے) کو مارو۔ اسی طرح اللہ مُردوں کو جِلاتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے۔ شاید کہ تم سمجھو[ف۱]○

۷۴۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ○

۷۴۔ اس کے بعد پھر تمہارے دل سخت ہو گئے۔ سو وہ جیسے پتّھر یا اُن سے بھی زیادہ سخت۔ اور پتھروں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض اُن میں وہ بھی ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور اُن سے پانی نکلتا ہے اور بعض اُن میں وہ بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور خدا تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں[ف۲] ہے○

ف۱ اصل میں ایک ہی واقعہ ہے لیکن قرآن حمید نے کچھ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید دو الگ الگ قصے ہیں۔ اس طرزِ بیان کو اختیار کرنے کی حکمت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی دو بہت بڑی عادتوں پر بالتفصیل روشنی پڑ سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ ان میں یہ دونوں مرض بالاستقلال موجود ہیں۔ ایک بلا وجہ بلا ضرورت تفاصیل میں جانے کا۔ دُوسرے اخفاءِ جُرم کا۔ آیات کے پہلے حصے کو اس بات پر ختم کیا کہ وَمَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ کہ وہ کسی طرح بھی عمل پر آمادہ نہ تھے۔ دُوسرے حصہ کے آخر میں فرمایا۔ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ خدا اپنے نشان تمہیں دکھاتا ہے تاکہ تم جان لو۔ غرض یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کی حیلہ جوئی اور کسل اور تساہلِ فی الدین کو بے نقاب کیا جائے اور دُوسری طرف اخفائے جرم اور اللہ کے قانون پر روشنی ڈالی جائے کہ جرائم بجائے خود اعلانِ اعتراف کی دُوسری شکل ہے۔

قساوتِ قلبی کی آخری حد

ف۲ جب کسی قوم کی مذہبی حِس مُردہ ہو جائے تو پھر احساس و تاثّر کی تمام قوتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ بنی اسرائیل پیہم انکار و تمرّد کی وجہ سے اس درجہ قاسی القلب ہو گئے کہ انہیں متاثر کرنا ناممکن ہو گیا۔ ان آیات میں قدرت کے ایک ہمہ گیر قانون کی طرف غافل انسانوں کو متوجہ کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ربِّ خاطر کے بنائے ہوئے قوانین میں بندھا ہوا ہے اور اپنے احساس کے لئے مجبور ہے کہ ان قوانین کی پیروی کرے۔ پتھر ایسی ٹھس اور ٹھوس چیز بھی اس احساسِ اطاعت سے محروم نہیں۔ دیکھو بعض پتھروں میں سے پانی رِستا ہے۔ بعض میں سے سوتے کے سوتے پھُوٹتے ہیں اور دریائے ذخار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر دیکھو ایسے بھی ہیں جو چند مختص قوانین کی اطاعت کرتے ہوئے اُونچی اُونچی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور لڑھک کر نیچے آ رہتے ہیں۔

کیا بنی اسرائیل پتھروں سے بھی گئے گزرے ہیں عقل و بصیرت کے علاوہ انہیں پے در پے انبیاء کے ذریعہ سے الہام و وحی کی برکات سے نوازا گیا ہے مگر ان کی قساوتِ قلبی کی یہ حد ہے کہ یہ بالکل غیر متاثر رہے۔

اس مفہوم کو عجیب بلیغ استعارہ تبعیہ تمثیلیہ کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ پتھر بھی دل و دماغ رکھتے ہیں۔ البتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ساری کائنات کا ایک مذہب ہے۔ احجار سے لے کر انسان تک ایک حیّ و قیّوم کے فرمانبردار ہیں۔ دانستہ یا نادانستہ سب اُس کے قوانینِ طبعیہ کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ مگر انسان بالخصوص مجرم انسان اس کو محسُوس نہیں کرتا۔

حلِ لغات

قَسَتْ۔ مادہ قَسَاوَةٌ۔ دل کا غیر متاثر ہو جانا۔
یَتَفَجَّرُ۔ اصل تَفَجَّرُ۔ پھُوٹنا۔ نکلنا۔ بہنا۔ جھڑنا۔
یَهْبِطُ۔ مصدر ھُبوط۔ بمعنے گرنا۔

۷۵۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○

۷۵۔ اب (اے مسلمانو) کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تمہاری بات مانیں گے اور اُن میں ایک فرقہ تھا کہ خدا کا کلام سنتے تھے۔ پھر اُس کو بدل ڈالتے تھے سمجھنے کے بعد اور وہ جانتے تھے[۱] ○

۷۶۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِہٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

۷۶۔ جب مومنوں سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اور جب ایک دُوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں تم کیوں ان (مسلمانوں) سے وہ باتیں کہہ دیتے ہو جو خُدا نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ اُن سے تم پر تمہارے خُدا کے سامنے حجت لائیں (جھگڑیں) کیا تم کو عقل نہیں ○

۷۷۔ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ○

۷۷۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو وہ چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں، اللہ کو معلوم ہے ○

۷۸۔ وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا

۷۸۔ اور بعضے اُن میں اَن پڑھ آدمی ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے مگر صرف اُمیدیں[۲] (باندھ رکھی ہیں) اور اُن کے پاس کچھ

تحریفِ بائبل [۱] یہودیوں میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جن کا وظیفۂ حیات احکام خداوندی میں تحریف کرنا تھا۔ اُدھر وہ کلام الٰہی کو سُنتے، اِدھر اپنی مرضی کے موافق ڈھال لیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بائبل ایک غیر محفوظ کتاب ہو کر رہ گئی۔ موجودہ بائبل ہر طرح مشکوک ہے۔ صحائف کی تعداد میں اختلاف ہے۔ یقین میں اختلاف ہے اور پھر خود توریت کے بعض حصّوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحیفے ضائع ہو گئے ہیں۔ بخت نصر نے جب یروشلم میں آگ لگا دی۔ بنی اسرائیل کی کثیر تعداد کو مار ڈالا اور بائبل کے تمام نسخوں کو جلا دیا تو عزرا نامی ایک شخص نے ازسرِ نو بطور یادداشت کے چند کتابیں لکھیں۔ یہی موجودہ توریت ہے۔ اس لئے یہ کسی طرح بھی محفوظ اور یقینی نہیں شمار کی جا سکتی۔

یہودیوں کا تعصّب تعصب کی آخری حد کتمانِ حق ہے۔ یہودی جو اس وصف میں ممتاز تھے اعلانِ حق سے بہت گھبراتے۔ ایک مختصر گروہ ان کا مسلمانوں میں بددلی پیدا کرنے کے لئے بظاہر مُسلمان ہو گیا۔ اب جو اُن کے مُنہ سے کبھی کوئی سچی بات نکل گئی اسلام کی تعریف میں تو دوسرے یہودیوں نے ملامت کرنا شروع کر دی کہ یہ تم کیا غضب ڈھاتے ہو؟ ایسا کبھی نہ کرنا۔ مسلمان دلیر ہو جائیں گے۔ گویا اُن کے نزدیک حق و صداقت کی کوئی قیمت نہیں بجز اسلام دشمنی کے۔ عبداللہ بن سلام جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے فرمایا ذرا میری قوم سے میرے متعلق کچھ پوچھیے۔ تو آپؐ نے اعیانِ یہود سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا۔ بہت خوب آدمی ہیں۔ مگر جب انہیں بتایا گیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں تو اسی "بہترین" انسان کو محض تعصب کی بنا پر گالیاں دینے لگے۔

[۲] جاہل یہودی صرف عقائد پر قانع تھے۔ ہر قسم کی بے عملی کے باوجود انہیں اپنی نجات کا یقین تھا۔ فرمایا۔ یہ محض ایک خوش کن اُمید ہے جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہو گی۔ نجات کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ بتلائے ہوئے قوانین پر چلنا ضروری ہے۔ صرف خوش اعتقادی کافی نہیں۔

حلِّ لُغات:۔ یُحَرِّفُوْنَ۔ تحریف سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں بدلنے کے۔ ایک بات کی جگہ دوسری بات کہنے کے + فَتَحَ۔ مصدر فَتْحٌ کھولنا مگر فَتَحَ اللّٰہُ علیہ کے معنی ہوتے ہیں۔ خدا نے اُسے بتایا + اُمِّیُّوْنَ۔ جمع اُمِّیٌّ۔ اَن پڑھ یعنی ابتدائی حالت میں۔ جس حالت میں کہ اس کی ماں نے اُسے پیدا کیا + اَمَانِیَّ۔ جمع اُمْنِیَّۃٌ۔ بمعنی خواہش۔ اندازہ اور پڑھنا۔

يَظُنُّوْنَ ۝ — نہیں، مگر گمان ۝

۷۹۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝

۷۹۔ خرابی ہے اُن کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خُدا کے پاس سے ہے۔ تاکہ اُس کے بدلے تھوڑا مول لیں۔ خرابی ہے اُن کے لئے اپنے ہاتھوں کے لکھے پر۔ خرابی ہے اُن کے لئے اُن کی کمائی پر ۝

۸۰۔ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۸۰۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں آگ نہ چھوئے گی۔ مگر چند روز[ف۱] تو کہہ کیا تم اللہ کے ہاں عہد لے چکے ہو۔ البتہ اللہ اپنے عہد کے خلاف کبھی نہ کرے گا۔ یا تم اللہ کی نسبت وہ باتیں بولتے ہو جو تم نہیں جانتے ۝

۸۱۔ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

۸۱۔ ہاں جس نے بدی کمائی اور اُس کے گناہوں نے اُسے گھیر لیا۔ وہی آگ میں رہنے والے ہیں اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ۝

۸۲۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

۸۲۔ اور جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، وہ لوگ

فریبِ خیال

ف۱ یہودی اس فریبِ خیال میں مبتلا تھے کہ چونکہ ہم انبیاء کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے اللہ کے زیادہ سے زیادہ مقرب ہیں۔ نحن ابناء اللہ وَاَحِبَّاۗءُهٗ۔ اور اس لئے ضروری ہے کہ ہماری نجات ہو۔ اور ہم جو چند دن جہنم میں رہیں گے بھی تو وہ محض تزکیہ اور گناہوں کے کفارہ کے لئے۔ ورنہ درحقیقت کوئی یہودی جہنم کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ گویا وہ مذہب کی حقیقت صرف اس قدر سمجھتے تھے کہ یہ ایک قسم کا انتساب تھا اور بس۔ عیسائی بھی اس نوع کے غرورِ نفس میں یہودیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ انجیل میں لکھا ہے کہ ”تو خداوند خدا پر ایمان لا، تاکہ تُو اور تیرا گھرانا نجات پائے“ گویا صرف مسیحؑ کی قربانی کا اعتراف سارے گھرانے کی نجات کے لئے کافی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ نے کسی قوم سے کبھی اس قسم کا وعدہ نہیں کیا۔ نجات قول و عمل کے اجتماع کا نام ہے اور مجرم چاہے کوئی ہو، سزاوارِ تعزیر ہے۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا کہ خدا کے وعدے جھوٹے ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ خدائی دعویٰ کے معنی یہ ہیں کہ وہ پورے علم و قدرت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا ہے۔

تکمیلِ عہد کا مطالبہ

بنی اسرائیل سے کہا گیا ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو۔ والدین اور دیگر اقربا و مساکین کے ساتھ حُسنِ سلوک روا رکھو۔ اور لوگوں کو اچھے الفاظ میں مخاطب کرو۔ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ اور آپس میں لڑو جھگڑو نہیں۔ مگر وہ تھے کہ ان باتوں سے رُوگردان رہے۔

حلِّ لُغات

وَيْلٌ۔ خرابی۔ ہلاکت۔ مصیبت۔
خَطِيْٓئَةٌ۔ لغزش۔ گناہ۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع

بہشتی ہیں اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے ۝

۸۳۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

۸۳۔ جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ نہ بندگی کرنا مگر اللہ کی۔ اور والدین اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں سے نیک سلوک رکھنا۔ لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا۔ پھر تم (اس اقرار سے) پھر گئے۔ لیکن تھوڑے آدمی تم میں سے نہ پھرے۔ تم تو مُنہ پھیرنے والے ہو ۝

۸۴۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

۸۴۔ اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن (گھروں) سے نہ نکالنا۔ پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہ ہو ف۲ ۝

ف۱ خدا کی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اور سب قرباء و مستحقین کے ساتھ مشفقانہ تعلقات کو اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ مذہب کی تکمیل بلا اس طرز کے ناممکن ہے۔ وہ انسان جو خدا پرست ہے، لازمی ہے کہ کائنات کے ساتھ اس کا نہایت گہرا اور محبانہ تعلق ہو۔ بالخصوص والدین اور عزیز جو قریبی رشتۂ الفت و شفقت رکھتے ہیں ضرور ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ اور یاد رکھو جو اپنے عزیزوں اور بزرگوں کے حق میں بھی اچھا انسان نہیں وہ خدا کے حق میں بھی نیک انسان نہیں ہوسکتا۔ گویا قرآن تقویٰ و صلاح کا معیار ظاہری رسوم دین نہیں قرار دیتا۔ بلکہ اس کے نزدیک فلاح و نجات موقوف ہے حسنِ معاملت اور حقوق شناسی پر وہ کہتا ہے۔ تم لوگوں کو محراب و منبر میں نہ دیکھو کہ بدترین لوگ بھی زُہد و ورع کے مُقدس مقامات میں زینت افروز ہوسکتے ہیں۔ صحیح معیار گھر کی چاردیواری ہے جو اپنے قریب ترین ماحول میں بے حس ہے، وہ معرفت الٰہی کی فضاء بعید اور اطراف میں کیونکر سانس لے سکتا ہے؟ اس طور پر قرآن حکیم نے مسجد اور گھر میں۔ دنیا و دین میں ایک مضبوط ربط قائم کر دیا ہے اور وہ کسی قابلِ اخفاء زندگی کا قائل نہیں ف۲ دِمَآءَكُمْ اور اَنْفُسَكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ سارے بنی اسرائیل ایک قوم اور ایک جسم ہیں۔ ان سب میں انبیاء کا خون موجزن ہے۔ اس لئے ان کا آپس میں جنگ و جدل میں مصروف رہنا وحدتِ قومی کو شدید نقصان پہنچاتا ہے۔ نیز اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی جب تک وہ قومی حُرمت و اعزاز کو محسوس نہ کرے۔ مذہب کا مقصد جہاں نسلی اور قبائلی نقیضات کو ختم کرنا ہے، وہاں ایک مضبُوط اور غیور اور باحمیت قوم کی تخلیق و تعمیر بھی ہے۔ تاکہ وہ خدا کے مشن کو دلیرانہ پورا کرسکے۔ وہ لوگ جو قوم کے رشتۂ قومیت کو توڑتے ہیں، وہ قوم کے مجرم ہیں اور خُدا کے بھی۔ اس لئے بنی اسرائیل کو لڑائی جھگڑے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے کہ اس سے زیادہ قومی وقار کو ختم کر دینے والی اور کوئی چیز نہیں۔

اسلام نے قتلِ مومن کی سزا نہایت سنگین رکھی ہے۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔ کیونکہ قتلِ مومن کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں اسلام کا کوئی وقار نہیں۔ مسلمانوں کی محبت نہیں۔ وہ نفس خدا اور قوم کے سامنے غدار و خائن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا جرم قطعاً ناقابلِ معافی ہے اور اسی لئے ناقابلِ عفو بھی۔

حلِ لغات

اِحْسَانًا۔ حقِ واجبی سے زائد۔ یعنی والدین کے احکام کی بجا آوری ہی کافی نہیں، بلکہ حقوق سے بہت کچھ زیادہ۔ ازراہِ احسان و محبت ان سے سلوک کیا جائے جو کسی طرح بھی معمولی نہ ہو۔ اَلْيَتٰمٰى۔ جمع یتیم۔ وہ بچہ جو شفقت مادری و پدری سے محرُوم ہو جائے۔ وہ عورت جس کا خاوند نہ رہے۔ اَلْمَسٰكِيْنِ۔ جمع مسکین کی۔ سکون سے نکلا ہے۔ وہ شخص جو بے بسی کے باعث کوئی حرکت نہ کر سکے یا جسے افلاس و ناداری نے ہر طرح کی شوخی سے روک رکھا ہو۔ تَشْهَدُوْنَ۔ شَهَادَةٌ سے نکلا ہے۔ معنی ہیں تم دیکھتے ہو۔ گواہ ہو۔

۸۵- ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

۸۵- پھر تم آپس میں ویسی ہی خونریزی کرتے ہو اور اپنے میں سے ایک فرقے کو اُن کے وطن سے نکال دیتے ہو۔ گناہ اور ظلم سے اُن پر چڑھائی کرتے ہو۔ پھر اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو اُن کا فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے ہو۔ اور اُن کا تو نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ پھر کیا کتاب کی بعض باتیں مانتے اور بعض باتوں کا انکار کرتے ہو؟ پس جو کوئی تم میں سے ایسا کرتا ہے اُس کی سوائے اس کے (اور) کیا سزا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رُسوا ہوں اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں پہنچائے جائیں اور خدا تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے[۱] ۝

ایمان بالبعض وکُفر بالبعض

[۱] یہودیوں کا یہ وطیرہ مذہب کے باب میں اس مذہبی اہلیت کا پتہ دیتا ہے جو اُن کے دلوں میں مستتر تھی۔ غالباً وہ برائے نام یہودی تھے اور کسی نہ کسی طرح مذہبی رکھ رکھاؤ کا خیال تھا۔ ورنہ مذہب کے صحیح ذوق سے وہ محض کورے تھے۔

مدینے میں اوس وخزرج نامی دو قومیں آباد تھیں جن میں آئے دن کوئی نہ کوئی جنگ رہتی۔ یہودی بحیثیت حلیف ہونے کے اُن کا ساتھ دیتے رہے۔ کچھ لوگ اوس کی طرف ہو جاتے اور کچھ خزرج کا ساتھ دیتے۔ اور اس بے دریغی سے لڑتے کہ گویا یہی اصل فریق متخاصم ہیں اور جب ایک دُوسرے کے ہاتھ میں بحیثیت قیدی کے پیش ہوتے تو پھر توریت کے اس حکم کا خیال آتا کہ یہودی یہودیوں کے ہاتھوں غلام نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا کچھ روپیہ بطور فدیہ کے دے کر قیدی چھڑا لیتے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ کیا مذاق ہے؟ اور تلعب ہے توراۃ کے احکام کے ساتھ کہ جب آپس میں لڑنا ہی جائز نہیں تو پھر فدیہ کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے۔ اگر تمہارے دلوں میں یہودیت کی اتنی عزت ہے کہ تم اس کی ذلت ورُسوائی نہیں دیکھ سکتے تو پھر تم لڑتے ہی کیوں ہو؟ جو اس کا سب سے بڑا باعث ہے۔ یہ فعل بالکل اس قسم کا ہے کہ ایک شخص کو بلا وجہ مار ڈالا جائے اور پھر اس کے بچوں کی تربیت کی حمایت کی جائے کہ بے چارے یتیم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کے یتیم ہونے کا باعث کون ہے؟ تم جو قیدیوں سے اتنی ہمدردی رکھتے ہو اور اس کا اظہار فدیہ کی صُورت میں کرتے ہو اس سے کیا فائدہ؟ جبکہ ایک یہودی کو قتل کر دینا عملاً تمہارے ہاں دُرست اور جائز ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے۔ ایمان کی یہ شکل کہ بعض حصے مان لئے جائیں اور بعض کا انکار کر دیا جائے، قطعی سُود مند نہیں۔ ایمان نام ہے ایک کامل نظام عمل کا۔ اگر اس میں ایک چیز کو بھی عمداً چھوڑ دیا جاتا ہے تو ایمان نہیں رہے گا۔ البتہ اس کو تجارت کہیئے۔ جو چیز پسند آئی، خرید لی۔ جو مرغوب نہ ہوئی، ترک کر دی۔ اور مذہب کے بارے میں اس قسم کی تجارت الحاد وزندقہ ہے جو قطعی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نرمی لامذہبی اور کفر ہے۔ ایسے لوگ خدا کے ہاں کبھی کامیاب نہیں رہتے۔ جن کے پاس نہ کفر خالص ہے اور نہ ایمان ہی کامل۔

چنانچہ یہودی اس بے اعتقادی کی بنا پر اور اس تشتت وافتراق کی وجہ سے اپنی تمام نو آبادیوں سے محرُوم ہو گئے۔ اُن کے نخلستان چھین لئے گئے۔ اُن کی بستیاں نذرِ آتش کر دی گئیں اور آخرت میں اُن کے لئے جو مقدر ومتعین ہے وہ اس سے زیادہ سخت اور ہولناک ہے۔

حلِ لُغات

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ۔ تَظٰهَرَ عَلَيْهِ۔ اس کے خلاف دُشمن کو مدد دی۔ ظَهِيْرٌ کے معنی ہوتے ہیں مددگار اور ناصر کے۔

اُسٰرٰى۔ جمع اسیر بمعنی قیدی۔

خِزْيٌ۔ ذلت ورُسوائی۔

۸۶۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ع

۸۶۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے دنیوی زندگی آخرت کے بدلے میں خریدی ہے۔ اُن کا عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ نہ اُن کو کچھ مدد پہنچے گی ۝

۸۷۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

۸۷۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور عیسیٰ، مریم کے بیٹے کو کھلے نشان (معجزے) دیئے اور ہم نے اُس کو رُوح القدس (پاک رُوح) سے مدد دی۔ پھر بھلا جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی چیز لایا، جسے تمہارے جی نہ چاہتے تھے تو تم گھمنڈ کرنے لگے۔ پس ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم قتل کرتے ہو ۝

۸۸۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

۸۸۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہے (نہیں)، بلکہ خدا نے اُن پر لعنت کی اُن کے کفر کے سبب سے۔ پس تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں ۝

انبیاءؑ عوام کے جذبات کی پرواہ نہیں کرتے

ف۱ موسیٰ علیہ السلام کو توریت نامی کتاب دی گئی جو الواح کی صورت میں تھی۔ خط مسماری کا اُن دنوں رواج تھا، اس لئے کتابیں عموماً پتھروں پر کندہ ہوتیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل بنی اسرائیل میں انبیاءؑ آئے۔ تاکہ اللہ کے پیغام کو پوری وسعت و قوت کے ساتھ بندوں تک پہنچا سکیں۔ مگر بنی اسرائیل برابر جہل وجمود کے تاریک گڑھوں میں گرے رہے۔ زیادہ سے زیادہ چند ظاہری رسوم ان کا متاعِ تدین تھا۔ رُوح اور مغز سے محروم تھے۔ اس لئے فسق وفجور کے باوجود اپنے آپ کو اللہ کے مقرب ہی سمجھتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو بھیجا ایک کتاب مقدس دے کر جو اُن کے تاریک دلوں میں اُجالا کر دے۔ جو اُن کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے اور جو اُن کے اخلاق پاکیزہ تر بنا دے۔ "رُوح" کا اطلاق قرآن میں کتاب پر ہوا ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق ارشاد وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یعنی قرآن بھی ایک رُوح ہے جسے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے رُوح القدس سے مؤید ہونے کے معنی صرف یہی ہوں گے کہ انہیں انجیل جیسا پاک صحیفہ دیا گیا جس میں تذکرہ و تزکیہ کی پوری قوت ہے۔ مگر بنی اسرائیل نے انجیل کی پاک اور بلند اخلاق تعلیم پر بھی عمل نہ کیا۔ اس لئے کہ اس میں انہیں ان کی ریاکاریوں پر صاف صاف ٹوکا گیا تھا۔ لیکن اس سے خدا کا قانونِ اصلاح و رشد نہیں بدل سکتا۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد عوام کے جذبات کی رعایت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

ف۲ صاف صاف اعتراف کہ ہمارے دلوں میں نور وہدایت کے لئے کوئی جگہ نہیں، انتہائی بدبختی کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ دل کی تمام خوبیاں اُن سے چھین لی گئی ہیں۔

خدا کی لعنت کے معنی گالی دینا نہیں، بلکہ اپنی آغوشِ رحمت سے دُور رکھنا ہے اور وہ لوگ جو اپنے لئے زحمت و شقاوت پسند کریں رحمت ومودّت کو ٹھکرا دیں۔ ظاہر ہے کہ خود بخود رؤف و رحیم خدا سے دُور ہو جاتے ہیں۔

حلِ لغات: يُخَفَّفُ۔ مصدر تخفیف۔ کم کرنا۔
وَقَفَّيْنَا۔ فعل ماضی معلوم مصدر تَقْفِيَةٌ مسلسل۔ یکے بعد دیگرے بھیجنا
اَلْبَيِّنٰتِ۔ جمع بَيِّنَةٌ۔ واضح۔ ظاہر وباہر۔ دلائل۔ وہ نشان جو روشن تر ہوں
تَهْوٰى۔ مصدر هوٰى۔ خواہش نفس۔
فَرِيْقًا۔ ایک گروہ۔ جماعت۔
غُلْفٌ۔ جمع اغلف۔ غیر مختون۔ محجوب۔ ڈھکا ہوا۔ مستور۔

۸۹۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

۸۹۔ اور جب اُن کے پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی جو اُس چیز کو جو اُن کے پاس ہے سچا بتاتی ہے! اور حالانکہ وہ پہلے سے کافروں پر (اسی کے ذریعہ سے) فتح مانگتے تھے[1] پس جب وہ اُن کے پاس آیا جسے پہچان رکھا تھا تو اُس سے منکر ہو گئے پس اللہ کی لعنت ہے کافروں پر ○

۹۰۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

۹۰۔ وہ بُری چیز ہے جس کے عوض اُنہوں نے اپنی جانیں بیچی ہیں (اس لئے) کہ خدا کی نازل کی ہوئی چیز سے منکر ہوئے اس ضد میں[2] کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے فضل سے اُتارتا ہے۔ سو غضب پر غضب کما لائے۔ اور کافروں کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب ہے ○

[1] نزولِ قرآن سے پہلے یہودی ایک "سُرخ و سپید" نبی کے منتظر تھے۔ جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت ہو۔ بحری ممالک جس کی راہ تکیں۔ جو فاران کی چوٹیوں پر سے چمکے۔ دس ہزار قدوسی جس کے ساتھ ہوں۔ مگر جب وہ گورا چٹا نبی صحرائے عرب کی جھلس دینے والی فضا میں ظہور پذیر ہوا۔ جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت تھی۔ جس کی فتوحات سمندروں تک پہنچیں تو انہوں نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ مخالفین سے ہمیشہ یہ کہتے کہ جب ہمارا موعود نبی آئے گا تو ہم غالب ہو جائیں گے اور ہماری موجودہ پستی بلندی سے بدل جائے گی۔ قرآنِ حکیم پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ وہ تمام صداقتوں کی تائید کرتا ہے۔ تمام سچائیاں اس کے نزدیک قابلِ قبول ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ بائبل کو حرف بحرف صحیح سمجھتا ہے۔ وہ ان مشترک سچائیوں کی تائید و تصدیق کرتا ہے جو مختلف فیہ نہیں۔ ورنہ سینکڑوں ایسی باتیں ہیں کہ یہود نے محض بر بنائے تعصب بدل دی ہیں، تاکہ ان کا کوئی وقار قائم نہ رہے۔

معیارِ نبوّت

[2] بغی الجرح محاورہ ہے جس کے معنی ہیں۔ زخم بگڑ گیا۔ بنی اسرائیل کے مرضِ انکار کو بھی بگڑے ہوئے زخم سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ان کی ذہنیت ناقابلِ اصلاح ہے اور اچھے سے اچھا مرہم بھی ان کے ناسور کے لئے مفید نہیں۔

اعتراض یہ تھا اُن کا کہ کیوں نبوت کسی اسرائیلی کو نہیں ملی؟ اور اس کے لئے مکّہ کے ایک یتیم و نادار انسان کو کیوں منتخب کیا گیا۔ کیا بنی اسرائیل کے گھرانے سے برکت اُٹھ گئی ہے یا پھر کوئی اور سرمایہ دار اس کا مستحق نہ تھا؟ قرآن حکیم نے ان آیات میں اس کا جواب یہ دیا کہ نبوت اللہ کا ایک فضل ہے۔ یہ موہبت کبریٰ ہے جو خاص حالات میں خاص اشخاص کو دی جاتی ہے! اس میں کسب و اکتساب کو اور جدوجہد کو کوئی دخل نہیں۔ اسرائیلی جب اس بارِ امانت کے متحمل نہ رہے تو یہ امانت اسمٰعیل کے گھرانے کے سپرد کر دی گئی! اس میں تم اعتراض کرنے والے کون ہو؟ یہ ضروری نہیں کہ انبیاء کا انتخاب سرمایہ داروں میں سے ہو۔ تمہارے نزدیک تو دنیوی وجاہت قابلِ اعتنا ہے لیکن خدا کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ درست ہے کہ انبیاء قوموں کو دین و دُنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں لیکن خود دنیا میں اُن کا بہت کم حصہ ہوتا ہے۔ گو وہ روپیہ پیسہ نہیں رکھتے لیکن ایمان و یقین کی گراں قدر پونجی ان کے پاس سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ وہ حوصلے کے بلند اور دل کے مطمئن ہوتے ہیں۔ سیم و زر اُن کے پاؤں چومتا ہے اور وہ کبھی روپے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اس لئے تمہارا محض اس بنا پر انکار کہ رسول بنی اسرائیل کے گھرانے میں پیدا نہیں ہوا اور یہ کہ وہ سرمایہ دار نہیں محض غیر معقول ہے۔

حلِ لُغات

مُصَدِّقًا۔ تصدیق کرنے والا + يَسْتَفْتِحُوْنَ۔ مصدر استفتاح۔ فتح طلب کرنا + بَغْيًا۔ تمرد و سرکشی۔ مُهِيْنٌ اِهَانَةٌ کے معنی ہوتے ہیں کمزور کر دینے کے۔ ہڈی توڑنے کے۔ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ سے سخت ضعف و ذلت آفرین عذاب مراد ہے۔

۹۱- وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

۹۱- اور جب انہیں کہا جائے کہ جو اللہ نے اُتارا ہے تم اُسے مانو تو کہتے ہیں ہم اُسی کو مانتے ہیں جو ہم پر اُترا ہے اور جو اُس کے سوا ہے اُسے نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ اصل تحقیق ہے اور جو اُن کے پاس ہے اُس کو سچا بتاتا ہے۔ تو کہہ اگر تم ایمان دار تھے تو خدا کے پہلے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟ [ف۱] ○

۹۲- وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

۹۲- اور بے شک موسیٰ تمہارے پاس کھلے نشان لے کے آچکا۔ پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑا بنا لیا اور تم ظالم ہو [ف۲] ○

۹۳- وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ

۹۳- اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تمہارے اُوپر طُور (پہاڑ) اُونچا کیا کہ قوت سے پکڑو۔ جو ہم نے تم کو دیا ہے اور سُنو۔ وہ بولے۔ ہم نے سُنا اور نہ مانا۔ [ف۳] اور کفر کے سبب اُن کے دلوں میں تو

ف۱ جب یہودیوں کو قرآن حکیم کی دعوت دی گئی تو انہوں نے توریت کے سوا اور سب چیزوں کے ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ ہم تو وہی ماننے کے مکلف ہیں جو ہمارے نبیؑ پر نازل ہوا ہے۔ اس پر قرآن حکیم نے دو اعتراض کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر یہ واقعہ ہے تو تمہاری پہلے انبیاء سے کیوں جنگ رہی؟ گزشتہ انبیاء کیوں تمہارے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے؟ وہ تو سب اسرائیلی تھے۔ دُوسرا یہ کہ توریت و قرآن کے پیغام میں کیا اختلاف ہے۔ قرآن حکیم تو وہی پیغام پیش کرتا ہے جو توراۃ کا موضوع اشاعت تھا۔ پھر انکار کیوں؟ بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے نہ کبھی توراۃ کو مانا ہے اور نہ اب قرآن کو ماننے کے لئے تیار ہو۔ ورنہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ پیغام ایک ہے۔ مقصد ایک ہے۔ تعلیم ایک ہے۔ فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے یا نقص و کمال کا۔ قرآن حکیم مصدق ہے۔ مہیمن ہے اور ساری کائنات کے لئے اتحاد عمل ہے۔ اس میں کوئی تعصب نہیں۔ کوئی جانب داری نہیں۔

ف۲ موسیٰ علیہ السلام معجزات و نبوت کے تمام آلات سے مسلح ہو کر آئے۔ لیکن تم نے پھر بھی نہ مانا اور گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ معلوم ہوتا ہے۔ مصر میں گائے کی پرستش کا عام رواج تھا۔ جیسا کہ آج کی اثری تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے۔ مصر کے قدیم معابد میں سے اس قسم کی کثیر التعداد تصویریں نکلی ہیں جن سے اُن کا ذوقِ بُت پرستی ظاہر ہوتا ہے۔

ف۳ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کے معنی یہ نہیں کہ وہ ایک دم سنتے بھی تھے اور انکار بھی کر دیتے تھے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کی ساری مذہبیت سماع تک محدود تھی۔ جہاں عمل کا وقت ہوتا، وہ یکسر عصیاں ہو جاتے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اُن کی ساری تاریخ مذہبیت کی پُوری پُوری اور صحیح تفسیر ہے۔ ہمیشہ وہ باتوں اور موشگافیوں کے شائق رہے اور عمل سے بیزار۔ مختصر سے مختصر لفظوں میں یہودیوں کی ذلت و نفسیات کا جو مرقع قرآن حکیم نے ان دو لفظوں میں کھینچا ہے وہ ناقابلِ اضافہ ہے۔

حلِ لُغات

اَلْحَقُّ۔ سچا۔ معقول اور مفید مصلحت۔

الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ○

بچھڑا سمایا ہوا تھا۔ تو اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بُری بات سکھلا رہا ہے ○

۹۴۔ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ○

۹۴۔ تو کہہ اگر اور لوگوں کے سوا تم کو خالص اللہ کے پاس آخرت کا گھر ملتا ہے تو تم اپنی موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو ○

۹۵۔ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ ○

۹۵۔ اور وہ یہ (موت) کی آرزو ہرگز نہیں کریں گے۔ بہ سبب اُس کے جو اُن کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے ○

۹۶۔ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ

۹۶۔ اور تُو انہیں اور سب آدمیوں کی نسبت (دنیوی) زندگی پر زیادہ حریص پائے گا اور مشرکین (عرب) میں سے بھی ایک ایک چاہتا ہے کہ ہزار برس کی عُمر پائے اور حالانکہ اتنا جتنا کچھ

فیصلہ کا ایک طریق

۱؎ یہودیوں کا تفاخر دینی مشہور ہے۔ وہ کہتے تھے۔ آسمان کی بادشاہت میں ہمارے سوا اور کسی کا حصّہ نہیں۔ بہشت کے دروازے صرف بنی اسرائیل کے لئے کھولے جائیں گے۔ قرآن نے اس غرور کو بار بار توڑا ہے اور ایک آخری طریق فیصلہ یہ پیش کیا ہے کہ تم موت کی خواہش کرو۔ یعنی جھوٹے کے لئے ہلاکت کی دُعا کرو۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس صورت میں معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں اپنے سچّا اور پاکباز ہونے پر کتنا یقین ہے۔

یہ طریقِ فیصلہ ایک شدید تیقن۔ محکم اور مضبوط ایمان کی خبر دیتا ہے جو نبی اسلام کے سینہ میں موجود تھا۔ دلائل و براہین سے جب فیصلہ نہ ہو سکے۔ افہام و تفہیم کے تمام دروازے جب بند ہو جائیں۔ تو اُس وقت بھی یہی ایک صورتِ فیصلہ باقی رہ جاتی ہے کہ اپنے آپ کو ربِّ عادل کے عتبۂ حق و انصاف پر جھکا دیا جائے۔

مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا پر ایمان واثق ہو۔ اُس پر اور اُس کی عدالت پر پُورا پُورا وثوق اور یقین ہو۔ ایک کمزور ایمان والا انسان کبھی اس قسم کے فیصلے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے پہلے سے اعلان فرما دیا کہ یہودیوں کو اپنی سیہ کاریوں کے سبب ان سے کبھی اس نوع کے ایمان طلب فیصلے پر لبیک کہنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ تاریخ شاہد ہے۔ تیرہ صدیاں گزرنے پر بھی یہ قوم اس کے جواب کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ یہ چیلنج یہودیوں سے مخصوص نہیں۔ جنگ خدا پرست اور باطل پرست گروہ کے درمیان ہے۔ پس ہر وہ شخص جو حق والوں کا مقابلہ کرنا چاہے، آخری طریقِ فیصلہ کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے۔ خدا کا نہ ٹلنے والا وعدہ ہے۔ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔

حلِّ لغات

بِئْسَمَا۔ بہت بُرا۔

لَنْ يَّتَمَنَّوْا۔ مصدر تَمَنِّيْ۔ خواہش۔ آرزو اور چاہت۔

اَحْرَصَ۔ حریص ترین۔

يَوَدُّ۔ مصدر وُدٌّ۔ دوستی۔ محبت۔

اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

اُسے عذاب سے نہ بچائے گا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ دیکھتا ہے ۝

۹۷۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

۹۷۔ تو کہہ جو کوئی جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے سو اُس نے اللہ کے حکم سے یہ کلام تیرے دل پر اتارا ہے جو اُس (کلام) کو جو اُس کے سامنے ہے سچ بتاتا ہے اور راہ دکھاتا ہے اور ایمانداروں کے لئے خوشخبری ہے ۝

۹۸۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

۹۸۔ جو کوئی اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہوگا۔ تو خدا اُن کافروں کا دشمن ہوگا ۝

۹۹۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

۹۹۔ ہم نے تیری طرف واضح آیتیں (نشانیاں) اتاری ہیں فاسقوں (بے حکموں نافرمانوں) کے سوا اُن کا کوئی منکر نہ ہوگا ۝

۱۰۰۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ

۱۰۰۔ آیا کیا جب بھی وہ خدا سے کوئی عہد باندھیں گے تو

حریص ترین قوم

ف حق و باطل میں۔ شرک و توحید میں ایک متمائز فرق ہے۔ مشرک باطل پرست کی خواہشیں بے انتہا ہوتی ہیں اور موحد حق پرست انسان بالطبع قانع ہوتا ہے۔ یہودیوں کی دُنیا پرستی قرآن حکیم کے ان الفاظ سے واضح ہوتی ہے۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ کہ پرلے درجے کے جھوٹے اور سُود خوار ہیں۔

آج بھی یہودی سُود خواری میں اس درجہ مشہور ہے کہ مغربی ممالک میں یہودی اور سُود خوار باہمدگر مترادف لفظ ہیں۔

قرآنِ حکیم نے یہاں انہیں اَحْرَصَ النَّاسِ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہزار سال کی عمر بھی یہ پائیں تو بھی دین کے لئے یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

ف۲ جہلائے یہود جبرائیل علیہ السلام کے نام سے بہت پریشان ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہی فرشتہ ہماری بربادی و بدبختی کا باعث ہوا ہے۔ اس لئے اب اس کے لائے ہوئے پیغام کو ہم کبھی نہ مانیں گے۔ یہ ایک بیہودہ اور جاہلانہ خیال تھا۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ جبرائیل ؑ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ جو کچھ لاتا ہے۔ پیغام خدا کے نام و حی و تنزیل کا انکار ہے۔

ف۳ قرآنِ حکیم کے متعدد نام قرآن میں مذکور ہیں۔ ان میں سے آیاتِ بینات بھی ہے یعنی واضح اور روشن آیات۔ جو لوگ اللہ کی اس کتاب کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کے دلائل اس کا طرز بیان۔ اس کا پیغام سب واضح ہیں اور روشن۔ یہ حقائق و معارف کا وہ سمندر بے ساحل ہے کہ جس کی ہر موج صد ہزار موتی اپنے دامانِ گہربار میں لئے ہوئے ہے۔ ہمہ آفادہ اور ہمہ خوبی اگر کوئی کتاب ہو سکتی ہے تو وہ یہ قرآنِ حکیم ہے۔ اس کے وضوح پر درخشندہ مثال یہ ہے کہ اس طویل عرصے کے بعد بھی یہ ویسی ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ جیسے قرونِ اولیٰ میں نفسِ تعلیم میں کوئی تحریف نہیں۔ حالانکہ انجیل دوسو سال کے بعد بالکل بدل گئی اور وید چند صدیاں بھی حوادث کا مقابلہ نہ کر سکا۔

حلِ لُغات

اَلْفٌ ۔ ایک ہزار

مُزَحْزِحٌ ۔ ہٹانے والا۔ دُور کرنے والا۔

بُشْرٰی ۔ خوش خبری۔

مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

ایک فرقہ ان میں سے اس (عہد) کو پھینک دے گا (نہیں) بلکہ اُن میں سے اکثر ایمان نہیں[ف۱] لاتے ○

۱۰۱- وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

۱۰۱- اور جب خُدا کی طرف[ف۲] سے اُن کے پاس رسُول پہنچا جو اُسے جو اُن کے پاس ہے سچ بتاتا ہے۔ تب اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ گویا وہ جانتے ہی نہ تھے ○

۱۰۲- وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

۱۰۲- اور وہ اُس علم کے پیچھے لگے ہیں جو سُلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا۔ لیکن[ف۳] شیطانوں نے کفر کیا۔ لوگوں کو جادُو سکھلاتے تھے اور اُس علم کے پیچھے لگے ہیں جو (شہرِ

ف۱ بنی اسرائیل ایک آنے والے نبیؐ کے منتظر تھے اور انہوں نے اس کی اعانت ونصرت کا عہد کر رکھا تھا۔ لیکن جب وہ آ گیا جس کا انتظار تھا تو منکر ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ اُن کے دل دولتِ ایمان سے محرُوم تھے۔ مال و دولت کے سوا ان کی زندگی کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ اَكْثَرُهُمْ کہہ کر قرآن نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کچھ لوگ یہودیوں میں ایسے بھی تھے جو نیک سرشت تھے۔ یہ حالت اکثریت کی نہ تھی۔

ف۲ رسولؐ کے من عند اللہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا پیغام براہِ راست مستفادہ ہوتا ہے جنابِ قدس سے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اس کی ساری زندگی آئینہ ہوتی ہے۔ رضائے الٰہی کا وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ اور وہ تمام پہلی تعلیمات کا مصدق ہوتا ہے لیکن اہلِ کتاب کی شومیٔ عقل ملاحظہ ہو کہ باوجود ان سب چیزوں کے دیکھنے کے منکر ہی رہے۔

سحر کُفر ہے

ف۳ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہدِ حکومت نہایت شاندار عہدِ حکومت تھا۔ جن و انس کی ایک کثیر التعداد فوج ان کے زیرِ قیادت تھی۔ اُن کی دانائی اور حکمت زبان زدِ عوام وخواص تھی۔ اس لئے بعض لوگوں کو یہ خیال کرنے کا موقع ملا کہ حضرت سلیمانؑ جادُو جانتے تھے جس سے ہمزاد ان کے قبضے میں تھے۔ قرآنِ حکیم اس خیال کی تغلیط کرتا ہے۔ اس لئے کہ تقدیسِ انبیاء اس کا فرض ہے۔ وہ کہتا ہے سحر کفر ہے اور سلیمان علیہ السلام ہرگز کفر کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ اس کے کفر ہونے کی دو بڑی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ساحر کا ایمان اللہ تعالیٰ پر پختہ اور مضبوط نہیں ہوتا۔ توکل وصبر کے جذبات نہیں رہتے۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے فسق و فجور میں بہت مدد ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قماش کے لوگ ہمیشہ آوارہ اور بدکردار ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد جلب زر اور لوگوں کے ناموس و عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ عجیب عجیب حیلے تراشتے ہیں۔ سحر کے معنی اصل میں باریک اور رقیق الفہم چیز کے ہیں۔ ان کے شعبدے عام اذہان کی دسترس سے چونکہ بالا ہوتے ہیں، اس لئے سحر کے لفظ سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔

جادُو سیکھنے کا دوسرا ذریعہ ہارُوت مارُوت نامی دو فرشتے تھے۔ جنہیں بابل میں رکھا گیا تھا اور جن کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جادُو سکھاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم اُن کی بھی براءت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ پہلے لوگوں کو روک دیتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ یہ کفر کا کام ہے لیکن جب وہ بضد ہوتے تو انہیں سکھا دیا جاتا۔ مگر وہ سیکھتے کیا؟ عورت و مرد میں نفاق ڈالنے کے طریقے۔ آج بھی اس قسم کے شعبدہ باز مسلمانوں میں کثرت سے ہیں جو حُبّ کے تعویذ لکھ کر دیتے ہیں جن سے ہزار دن گھروں میں نااتفاقی اور ناچاقی بڑھتی ہے۔ سینکڑوں گھرانے ان کی بدمعاشیوں کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں اور یہ ہیں کہ لوگوں کی بیوقوفی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۳۵ پر)

حلِّ لغات:- نَبَذَ - پھینکا۔ نظر انداز کیا۔ ماضی۔ مصدر نَبْذٌ + وَرَآءَ - پیچھے + ظُهُوْرٌ - جمع ظَهْرٌ - پشت - پیٹھ + تَتْلُوْا - مصدر تِلَاوَة - پڑھنا۔ اطاعت کرنا + عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ - سلیمان کے عہدِ حکومت میں + شَيٰطِيْنُ - جمع شیطان۔ فطرت کی راہِ مستقیم سے دُور۔ بُرا دوست۔ یہاں مراد شریر اور مذموم شخص ہے۔

بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

بابل میں ہارُوت و مارُوت (نام) دو فرشتوں پر اُترا تھا اور وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو جب تک کہ انہیں یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو فتنہ (آزمانے کو) ہیں سو تو مت کافر ہو۔ پھر لوگ اُن سے وہ (عمل) سیکھتے جس سے کسی مرد اور اس کی عورت میں جُدائی ڈالیں اور حالانکہ وہ اس (عمل) سے بغیر خدا کے حکم کے کسی کو ضرر پہنچا ہی نہیں سکتے اور وہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جن سے اُن کا نقصان ہے نہ نفع۔ اور جان چکے ہیں کہ اس (علم) کے خریدار کا آخرت میں کچھ حصّہ نہیں ہے ف۱۔ بہت بُری چیز ہے جس کے لئے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی ○

۱۰۳۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ

۱۰۳۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز رکھتے تو اللہ کے

(بقیہ صفحہ ۳۴)

قرآنِ حکیم سحر و جادو کی تاثیرات کے متعلق فرماتا ہے وَمَاهُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ نہ نقصان اور نہ نفع۔ البتہ خدا جب چاہتا ہے تو اپنے کسی بندے کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے آزمائش کے کڑے لمحات سے نکال لے جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر ساری دُنیا مل کر کسی کو نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ کی مرضی نہ ہو تو وہ اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اگر ساری کائنات جمع ہو کر کسی کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے اور قدرت کا منشا نہ ہو تو وہ ناکام رہیں گے۔ اس لئے مسلمانوں کو ایسے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہیئے اور قطعاً ان لوگوں سے خائف نہ ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں کے اختیار میں کچھ ہو تو وہ اپنی حالت نہ سنوار لیں۔ یوں مارے مارے کیوں پھریں اور کیوں بھیک مانگیں۔

وہ لوگ جو شعبدہ بازی ان مذموم اغراض کے لئے سیکھتے ہیں وہ آخرت میں خائب و خاسر رہیں گے اور جنت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں۔ اس لئے کہ دنیا میں اُنہوں نے اپنا محور ہمیشہ فریب و جہل رکھا ہے۔ اور کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ اس کے نتائج ان کی رُوحانی زندگی کے لئے کس حد تک خطرناک ہو سکتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ ھٰذا

ف۱ تھوڑی عقل کے لوگ شعبدے اور کرشمے دیکھ کر جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں صرف سحر و جادُو کے ذریعہ ہی سے انجام دی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ایمان و تقوٰی اگر دلوں میں موجُود ہو تو اس کے نتائج سحر و جادُو سے زیادہ محیّر اور باثمر ہو سکتے ہیں۔ وہ ہر شے جو کاہن اور جادُوگر کفر و خیانت کے وسائل سے حاصل کرتے ہیں، وہ مومن اللہ کی رضا جوئی میں حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جو ربِّ کائنات کا پیارا ہو جائے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کے تابع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ لوگ اس سر اطاعت و ایمان سے غافل ہیں۔

حلِ لُغات

فِتْنَةٌ۔ آزمائش۔ اصل میں سونے کو آگ میں ڈال کر دیکھنا ہے۔ اس لئے سُنار کو فَتَّان کہتے ہیں۔ آزمائش کے معنی میں اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی آگ ہے جس سے کھرے کھوٹے میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

ضَاۗرِّيْنَ۔ جمع ضَارٌّ۔ نقصان دہ۔

خَلَاقٌ۔ حصّہ۔ بہرہ۔

مَثُوْبَةٌ۔ اجر۔ انجام اور ثمر۔

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ع

پاس بہتر بدلہ تھا۔ کاش اُن کو سمجھ ہوتی ○

۱۰۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

۱۰۴۔ مومنو! تم (رسول کریمؐ کو) رُاعنا نہ کہا کرو اور اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ اور سُنتے رہو۔ اور کافروں کے لئے دُکھ کا عذاب ہے ○ ف۱

۱۰۵۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

۱۰۵۔ اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے جو کافر ہیں، نہیں چاہتے کہ تم (مسلمانوں) پر تمہارے اللہ سے کوئی بھلی بات ف۲ نازل ہو۔ لیکن اللہ جسے چاہے، اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے اور خدا بڑے فضل والا ہے ○

۱۰۶۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ

۱۰۶۔ جو کوئی آیت ہم منسوخ (موقوف) کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مانند اور آیت پہنچا دیتے

حُرمتِ رسولؐ

ف۱ مسلمانوں کے نزدیک حُبِّ رسولؐ وہ گرانمایہ متاع ہے جس سے وہ کسی حالت میں بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ والہانہ شیفتگی اصل ایمان ہے۔ صحابہ کرامؓ جب دربارِ رسالت میں ہوتے اور مختلف مسائل کے سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ عالی کو اپنی طرف مبذول کرانا ہوتا تو کہتے رَاعِنَا کہ حضورؐ ہمارا بھی خیال رہے لیکن بدباطن اور بدعقیدہ یہودی مسلمانوں کی اس عقیدت کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے ازراہِ تمسخر و تحقیر رَاعِنَا کہنا شروع کر دیا جس کے معنی ان کے ہاں کم عقل کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم اس موقع پر اُنْظُرْنَا کہا کرو یعنی دیکھئے تو۔ اس میں انہیں خبثِ باطن کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اس آیت سے حُرمتِ رسولؐ کی حفاظت مقصود ہے اور یہ تلقین ہے کہ کوئی ایسا کلمہ جو توہین کا مُوہم بھی ہو، حضورؐ کے لئے استعمال نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ دلوں سے عقیدت مندی و ارادت کے جذبات محو ہو جائیں اور بجائے ایمان کے نرا کفر ہمارے حصہ میں آئے ف۲ ان آیات میں کفار و اہلِ کتاب کی ذہنیت بتائی ہے کہ وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کو اچھی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ کفر و ایمان کی یہ آویزش آج بھی موجود ہے۔ مسلمان کی ہر بات کفر کے سینہ تنگ میں کھٹکتی ہے۔ غیر مسلم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ مسلمانوں پر رحمتِ باری کا نزول ہو اور برکاتِ الٰہیہ کا مہبط بن جائیں لیکن خدا صاحبِ فضل و عنایات ہے۔ اس کی مہربانیاں احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ وہ جسے چاہے جب چاہے نواز دے۔

پچھلی کتابوں کا نعم البدل

جیسے جیسے عالمِ انسانیت میں ترقی ہوتی گئی۔ صحائفِ آسمانی بدلتے رہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ کتبِ الٰہیہ نے آہستہ آہستہ کائناتِ انسانی میں رفعت و تقدم پیدا کیا اور ہر صحیفۂ آسمانی میں حالات و فضا کا خیال رکھا گیا تاکہ کوئی چیز بھی ان لوگوں کے لئے غیر مانوس نہ ہو۔

جب سلسلۂ ارتقاءِ دین کی آخری کڑی قرآن مجید نازل ہوا تو ضرور تھا کہ پہلی تعلیمات یا تو فراموش ہو چکتیں یا پھر فضا و حالات کے ناموافق ہونے کی وجہ سے منسوخ۔ کیونکہ ارتقاء و تقدم کا فطری قانون یہی چاہتا ہے۔ مگر اہلِ کتاب نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ کیا بات ہے۔ قرآن حکیم کے نزول کے بعد توراۃ و انجیل منسوخ ہو جائے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ تم یہ نہ دیکھو کہ توریت کے بعض احکام کو بدل دیا گیا ہے یا انجیل کی بعض تعلیمات میں اصلاح کی گئی ہے۔ (باقی صفحہ ۳۷ پر)

حلِ لغات ۔ نَنْسَخْ مادہ نَسْخٌ ۔ بدلنا۔ ازالۃ شئ بشئ یتلقیہ (مفردات) نُنْسِهَا ۔ تاخیر میں ڈالتے ہیں۔ مادہ انسا۔ بمعنی تاخیر و تمہیل۔

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

ہیں۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ اللہ ہر شَے پر قادر ہے ○

۱۰۷۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○

۱۰۷۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہے ○

۱۰۸۔ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِیْلِ ○

۱۰۸۔ کیا تم بھی اپنے رسولؐ سے سوال کیا چاہتے ہو۔ جیسے پہلے (زمانہ میں) موسیٰؑ سے سوال ہو چکے ہیں اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لے۔ وُہ سیدھی راہ سے گمراہ ہوا[ف] ○

۱۰۹۔ وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

۱۰۹۔ اہلِ کتاب میں بہت لوگ ہیں جو بعد اس کے کہ اُن پر حق ظاہر ہو چکا، اپنے دل میں حسد کر کے چاہتے ہیں کہ کسی طرح پھیر کر تم کو مسلمان ہوئے

(بقیہ صفحہ ۳۶)

تم یہ دیکھو کہ جو چیز تمہیں دی گئی ہے، وہ کسی طرح بھی توریت و انجیل سے رُتبہ و شرف میں کم ہے؟ یا پھر یہ بتایا کہ جب مادہ کے ذرہ ذرہ پر خُدا کی حکومت ہے اور تم ساری کائنات میں وقت و حالات کے موافق تبدیلی و تغیر روز دیکھتے ہو تو پھر اخلاق و شریعت کے قانون میں کیوں تبدیلی نہیں ہو سکتی؟ قرآن حکیم ان تمام کتابوں کا جو اس سے پہلے نازل کی گئیں بہترین بدل ہے اور بہترین مجمُوعہ۔ ارتقاء و تدریج کی یہ آخری کڑی ہے جس کے بعد کوئی کتاب نہ اُترے گی اور نہ کوئی نبی ہی پیدا ہو گا۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف ابو مسلم کا خیال ہے کہ اس آیت کے مخاطب نئے نئے مسلمان ہیں۔ وہ کہتے تھے۔ ہمیں بھی عجم کی طرح بُت پرستی کی اجازت دی جائے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں۔ اُن میں کا ایک معزز عبداللہ بن اُمیہ مخزومی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ آپؐ مکہ میں چشمے نہ بہا دیں، یا آپؐ کے لئے باغات کی سرسبزی و شادابی ہو، یا آپؐ کا قصر و محل سونے کا ہو، اور یا پھر آپ آسمان پر چڑھ کر قرآن حکیم نہ اُتار لائیں۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مُراد یہُودی ہیں۔ اس لئے کہ اس کے آگے پیچھے انہی کا ذکر ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ سُورۃ مدنی ہے۔ یُوں جواب میں عموم ہے کہ رسولؐ سے از خود بلا ضرورت کچھ نہ پُوچھو۔ وہ اللہ کی طرف سے مامُور ہے: بجز اُس کی اجازت کے اُسے بولنے کی اجازت نہیں۔

یہُودیوں میں یہ بُری عادت تھی کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو عموماً سوالات کا تختۂ مشق بنائے رکھتے اور عمل کم کرتے تھے۔ موشگافیاں اور تفاصیل طلبی کا شوق حد سے زیادہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رُشد و ہدایت کے آ جانے کے بعد یہ کج بحثیاں کیوں اختیار کرتے ہو؟ یاد رکھو کہ جس قوم میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے اس سے عملی قوت چھین لی جاتی ہے اور وہ راہِ راست سے بھٹک جاتی ہے۔

حلِّ لُغات

مُلْكُ۔ بادشاہت۔ سلطنت۔

وَلِیٌّ۔ دوست۔

نَصِیْرٌ۔ مددگار۔

سَوَاۗءَ السَّبِیْلِ۔ راہِ راست۔

یَرُدُّوْنَ۔ مادہ رَدٌّ۔ لوٹانا + كُفَّارًا۔ جمع کافر۔

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

۱۱۰- وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

۱۱۱- وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

۱۱۲- بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

پیچھے کافر کر دیں۔ سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ۔ یہاں تک کہ خُدا اپنا حکم بھیجے۔ بیشک خُدا ہر شئے پر قادر ہے ○

۱۱۰- نماز قائم (کھڑی) رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جو بھی بھلائی تم اپنی جانوں کیلئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے بیشک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے ○

۱۱۱- اور کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی نہ جائے گا جب تک یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ تو کہہ تم اپنی دلیل (سند) لاؤ۔ اگر سچے ہو ○

۱۱۲- ہاں! جس نے اپنا مُنہ اللہ کو سونپ دیا (جو خالص مسلمان

عفوِ عمیم کی تعلیم

ف۱ مخاص بن عاذ وراء اور زید بن قیس یہودی نے جب دیکھا کہ غزوۂ اُحد میں عارضی شکست ہو گئی ہے تو انہوں نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ سے کہا۔ آؤ پھر سے یہودی ہو جاؤ۔ کیوں ہزیمت اُٹھاتے ہو مسلمان رہ کر۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا۔ تمہارے مذہب میں نقضِ عہد کس نظر سے دیکھا جاتا ہے؟ اُنہوں نے کہا۔ بہت بُری نظر سے۔ فرمایا تو سُن رکھو۔ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ جیتے جی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیزار نہیں ہونے کا۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔ میں تو بہرحال اللہ سے خوش ہوں، اُس کے دین سے خوش ہوں، اُس کی کتاب سے خوش ہوں، اس کے بتائے ہوئے قبلہ سے خوش ہوں اور مسلمانوں کی ہمہ گیر اخوت پر خوش ہوں۔ یہ سُن کر وہ مایوس ہو گئے۔ بہرحال اُن کی کوشش یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں میں اسلام کے متعلق بدظنی پیدا کی جائے۔ ان آیات میں فرمایا۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ تم ان سب سیاہ کاریوں کو برداشت کرو اور معاف کر دو۔ وقت آئے گا کہ حق خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ کے لئے حالات کا بدل دینا کوئی مشکل نہیں۔

ف۲ حسد و جمود بدترین لعنتیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ ھِیَ الحالقۃ لَا اَقول حالقۃ الشعر ولکن حالقۃ الدین یعنی حسد و بغض دین و دیانت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دینے والی چیز ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے یہ داء الامم ہے۔ یعنی تمام قوموں کی مشترکہ بیماری جس سے قومیں ہلاکت کے قریب پہنچ جاتی ہیں۔ ضرور تھا کہ اس کی روک تھام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور بالخصوص جبکہ اس سے پہلی آیتوں میں یہودیوں کے راہِ راست سے بھٹک جانے کا ذکر ہے اور اس کا سبب بتایا ہے کہ حسد و بغض کی انتہا۔

ان آیات میں تین چیزوں کی ہدایت کی گئی ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور تقدیمِ خیر کی۔ نماز سے رُوح کی جلا ہوتی ہے۔ قلب سے دُوئی کا خیال اُٹھ جاتا ہے۔ سب خُدا کے حضور میں بلا امتیاز جُھک جاتے ہیں اس لئے حسد و بغض کی گنجائش نہیں رہتی۔ زکوٰۃ سے محتاج و غنی میں رشتۂ مودت و اخوت قائم ہو جاتا ہے اور تقدیمِ خیر سے عام تعاونِ باہمی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں چیزوں کے ہونے کے بعد کسی قوم میں حسد و بغض کی مہلک وبا نہیں رہتی۔

ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کوئی نیکی ضائع نہیں جاتی۔ تم جو کچھ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرو گے، اس کا بہترین ثمرہ ضرور ملے گا۔ اس لئے کہ خدا ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

حَلِّ لُغات - تَبَيَّنَ - ظاہر ہُوا۔
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا - مادہ عفو۔ معاف کر دینا۔ اور صَفْحٌ - درگزر کر دینا
اَمْرٌ - بات۔ حکم۔ چیز + بَلٰى - ہاں۔ ضرور۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ع

یعنی فرمانِ خداوندی کا تابعدار ہوا) اور وہ نیکی کرتا ہے۔ پس اُس کو خدا سے اجر ملے گا۔ نہ اُن کو کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝

۱۱۳۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

۱۱۳۔ اور یہود نے کہا۔ نصاریٰ کچھ راہ پر نہیں۔ نصاریٰ نے کہا۔ یہود کچھ راہ پر نہیں۔ اور وہ سب کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بے علم لوگ بھی انہیں کی سی بات کہتے ہیں۔ پس اللہ قیامت کے دن ان باتوں میں جس میں وہ جھگڑتے ہیں، حکم (انصاف) کرے گا ۝

۱۱۴۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

۱۱۴۔ اُس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے خدا کی مسجدوں میں اُس کے نام کا ذکر کرنے سے منع کیا اور مسجدوں کو اُجاڑنے کی کوشش کی۔ ایسوں کو لائق نہیں تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸

مذہب دلائل پر مبنی ہے

ف اہلِ دین کی یہ خطرناک غلطی ہے کہ وہ ظاہری رسوم کو اصل دین سمجھ لیتے ہیں اور اس کی رُوح سے ناواقف ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ ورنہ روح و رواج کے لحاظ سے تمام آسمانی ادیان ایک ہیں اور اسلام ان سب ادیان کی آخری اور مکمل صورت ہے۔ یہودی نے اسی بنا پر عیسائیت کا انکار کیا اور عیسائی نے یہودیت کا۔ اور پھر غرورِ مذہبی کی بھی حد ہو گئی کہ دونوں نے اپنے فرقوں کو نجات کا واحد اجارہ دار سمجھ لیا۔ قرآنِ حکیم کہتا ہے۔ تم اپنے تعصب کو عقل و بُرہان کی روشنی میں دیکھو۔ کیا اس کی کچھ بھی قیمت رہ جاتی ہے۔ اگر خدا ایک ہے۔ آدمؑ سے لے کر اسرائیل تک تو پھر اس کا دین بھی ایک ہونا چاہئے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی نہ ہوں۔ دلائل و براہین کا استعمال کرو۔ ان تعصبات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد اصل دین۔ رُوح۔ مذہب اور خالص رُوحانی تخیل پیش کیا جس کا جاننا مدارِ نجات ہے اور انکار کفر۔ اور وہ ہے "اسلام" یعنی کامل نظام کے ساتھ اللہ کے سامنے جھک جانا۔ اس کے سوا نہ یہودیت کسی کام کی ہے اور نہ عیسائیت۔ "خلوص و اسلام" ہونا چاہئے۔ پھر دُنیا و عقبیٰ کی ہر منزل بے خوف و خطر طے ہو جائے گی۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

تعصّب جہالت ہے

ف اس کشاکش کو جو یہودی اور عیسائی میں مدت سے قائم ہے۔ قرآن مجید جہالت سے تعبیر کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک قوم توریت کو جانتے ہوئے کس طرح اس درجہ گمراہ ہو سکتی ہے کہ ایک دُوسرے کو کافر کہے۔ بجز اس کے کہ وہ توریت کو پڑھتے تو ہوں مگر اس کی تعلیمات کو حقیقۃً نہ جانیں۔ بالکل یہی مرض آج مسلمانوں میں ہے۔ قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن پھر شغلِ تکفیر سے باز نہیں آتے۔ ایک خدا۔ ایک رسولؐ اور ایک کتاب کو مان کر آپس میں کیوں مختلف ہیں۔ صرف اس لئے کہ تعصب ہے اور حرصِ شہرت نے انہیں آپس میں ایک دُوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ دانا اور علم رکھنے والی قومیں تعصّب نہیں رکھتیں۔ ان میں رواداری اور مساوات کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ عمل کے بارے میں تو ضرور متعصّب ہوتے ہیں مگر زبان کے میٹھے اور بات کے رسیلے ہوتے ہیں۔

حلِّ لغات۔ يَحْكُمُ۔ فیصلہ کرے گا۔ مادہ حُکْمٌ۔
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ وقتِ مکافات۔ جب لوگ جی اٹھیں گے۔
سَعٰى۔ کوشش کی۔ مادہ سعی۔

اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

۱۱۵۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

۱۱۶۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○

۱۱۷۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ف۔ اُن کیلئے دُنیا میں رُسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے ○

۱۱۵۔ مشرق اور مغرب اللہ کی ہے۔ پس جدھر تم مُنہ کرو، وہاں ہی اللہ متوجہ ہے۔ بے شک اللہ سمائی والا ہے۔ سب کچھ جاننے والا ہے ○

۱۱۶۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ پاک ذات (سب سے نرالا ہے) بلکہ زمین اور آسمان اُسی کا ہے اور سب اُس کے آگے ادب سے (فرمانبردار) ہیں ف ○

۱۱۷۔ وہ زمین اور آسمان کا نیا نکالنے والا (پیدا کرنے والا ہے) جب کسی کام کا حکم دیتا ہے تو صرف کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے ○

اِسلامی مساجد انسانی اتّحاد کا مرکز ہیں

ف مختلف معابد نے ہمیشہ انسانی جماعتوں کو مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ زہرہ کے پُجاری مشتری کے ماننے والوں کو اپنے مندروں میں نہیں گھُسنے دیتے اور موسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا عیسائیوں کو نازک سمجھتے ہیں اور اپنے کلیساؤں میں انہیں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ غرضیکہ معابد جن کی غرض وغایت انسانیت کا تزکیہ وتطہیر ہوسکتی ہے بجائے خُود محاذِ جنگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر عبادت گاہ اپنے پس پشت ایک جماعت رکھتی ہے جو اُس کے نام پر نسلِ انسان میں تفریق پیدا کرے۔ پھر معزز اور غیر معزز کا سوال بھی ہزاروں سال سے قائم ہے۔ ہر مندر میں، ہر معبد میں، ہر کلیسا وکنیسا میں ہر حیثیت کا انسان داخل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ رنگ وبُو کے ہزاروں دیوتا ہیں جن کی پرستش کرنا پڑتی ہے اور جو عبد ومعبُود کے پاک اور براہِ راست راستہ میں روک ہیں۔ اسلام کہتا ہے۔ خدا کے تمام بندے، ہر نوع کے انسان اگر خدا کے نام پر کسی معبد میں جمع ہوتے ہیں تو انہیں قطعاً نہ روکو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں ہوسکتا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاس آئے اور روکا جائے۔ وہ جو اس کے آستانۂ رحمت پر سجدہ کرنا چاہتا ہے، اس کی اعانت کرو۔ تم کون ہو جو اللہ کے بندوں کو اللہ کے گھر سے نکالتے ہو۔ مسجدیں دنیا میں ہمہ گیر پیغامِ اخوت کے مراکز ہیں۔ یہاں رنگ ونسل کے تمام بت توڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہر شخص کو ہر وقت ہر مسجد میں اللہ کے سامنے رکوع وسجود کا اختیار ہے اور حق۔

خُدا کا کوئی وَلَدْ نہیں

ف اسلام سے پہلے مشرک فرشتوں کو خُدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ حضرت مسیحؑ خدا کے اکلوتے اور پہلوٹھے بیٹے ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے سُبْحٰنَہٗ یعنی اللہ جل جلالہٗ اس قسم کے مشرکانہ اوصاف سے پاک ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ساری کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر چیز اس کی تسبیح و قنوت میں معرُوف ہے۔ آفتاب سے لے کر ذرہ تک سب اُس کی حمد وثنا کر رہے ہیں۔ کیا تمہیں آسمانوں اور زمینوں میں کوئی اور قوت کار فرما نظر آتی ہے؟ فرشتے بھی اس کے محکوم ہیں۔ حضرت عزیزؑ اور حضرت مسیحؑ کو بھی اُس نے پیدا کیا ہے اور دُوسری مخلوق کو بھی۔ کیا ایک قانون بھی قدرت کا ایسا ہے جس سے فرشتے بے نیاز ہوں اور عزیر ومسیح علیہما السلام الگ، کیا فرشتے اُس کے حکموں کے ماتحت نہیں؟ اور کیا عُزیرؑ ومسیحؑ تمام انسانی عوارض سے مُبرا ہیں؟ پھر کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ کی اس صداقت کے بعد شرک کے لئے کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ دوسری دلیل اس کی توحید وتفرید پر یہ ہے کہ اسے اقنوم وشریک کی کیا ضرورت ہے، جبکہ اس کی قدرتیں غیر محدُود طور پر وسیع ہیں۔ اُس نے آسمان وزمین کی تمام کائنات بغیر کسی ساجھی اور دوست کی اعانت کے پیدا کی ہے۔ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اس کی ضرورت اس آفرینش کے وقت تھی نہ اس وقت جبکہ وہ سب کچھ پیدا کر چکا۔

(باقی صفحہ ۴۱ پر)

حلِّ لُغات۔ وَجْهُ اللّٰهِ۔ رُخ اور منہ۔ کنایہ ہے اللہ کے فضل وکرم سے۔ بَدِيْعٌ۔ بلا مدد واستعانت پیدا کرنے والا۔

۱۱۸۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○

۱۱۸۔ وہ لوگ جن کو علم نہیں، کہنے لگے۔ اللہ ہم سے کیوں نہیں بولتا۔ یا ہم کو کوئی نشان دیتا۔ اُن کے اگلوں نے بھی انہیں کی سی بات کہی تھی۔ اُن کے دل یکساں ہیں۔ ہم نے اہلِ یقین کے لئے آیتیں (نشانیاں) بیان کر دی ہیں ○

۱۱۹۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ○

۱۱۹۔ بیشک ہم نے تجھے حق بات دے کے خوشخبری اور ڈر سُنانے کو بھیجا ہے اور دوزخیوں کی بابت تجھ سے سوال نہ ہوگا ○

۱۲۰۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ

۱۲۰۔ اور یہودی اور نصاریٰ تجھ سے کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک تو اُن کے دین کے تابع نہ ہو۔ تو کہہ کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اگر تو علم پانے کے بعد اُن کی خواہشوں کے تابع ہوگا تو

(بقیہ صفحہ ۴۰)

اُس کی قدرت کا غیر مبہم کمال یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا فیصلہ کرلے، وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے کسی مادہ یا کسی مستعد تخلیق چیز کی حاجت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے ارادے سے اپنی قدرت سے اپنے کمالِ الوہیت سے ساری کائنات کو پیدا کر لیتا ہے پھر ایسے قادرِ مطلق، ایسے مُرید با جبرُوت اور ایسے کامل خدا کے لئے اقانیم کی کیا حاجت ہے؟

کُنْ کہنا اور دُنیا کا پیدا ہو جانا یہ ایک اندازِ بیان ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کہا اور چیز بن گئی۔ وہاں کوئی مختلف یا انتظار نہیں ہوتا۔ یہ مُراد نہیں کہ واقعی اسے تخلیق کے لئے کُنْ کہنا پڑتا ہے یا کُنْ کوئی طِلسم ہے جس کے وِرد سے وہ دنیا پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں بھی اسی قسم کے الفاظ آئے ہوں گے جس سے عیسائیوں کو ٹھوکر لگی۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ کلام کوئی الگ صفت ہے جس سے دُنیا کو پیدا کیا گیا۔ چنانچہ انجیل میں ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور پھر یہ لکھا ہے کہ کلام کے وسیلے سے ساری چیزیں پیدا ہوئیں۔ حالانکہ اُس احکم الحاکمین خدا کو بجز ایک ارادے کے اور کسی چیز کی کیا حاجت ہے؟ یہ درست ہے۔ کلام اس کی صفت ہے۔ قدرت بھی اس کی صفت ہے۔ یعنی وہ قادر ہے اور اپنے خاص بندوں پر کلام نازل کرنے والا بھی۔ یہ نہیں کہ کلام یا قدرت کوئی الگ چیزیں ہیں اور وہ خدا ہیں۔ بلکہ خدا نام ہی ہے اس ذاتِ اقدس کا جس میں علم۔ قدرت۔ ارادہ ایسا صفاتِ کمال بدرجۂ غایت موجود ہوں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف۱ ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ قریشِ مکہ کو معجزہ طلبی اور کرشمہ پسندی کا ایک مرض تھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح وہ یہ کہتے کہ خدا ہم سے براہِ راست کیوں گفتگو نہیں کرتا اور وہ کیوں ہمیں نشان نہیں دکھلاتا۔ فرمایا۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی ان سب کی ذہنیت ایک ہی ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کی ایک ایک آیت معجزہ ہے۔ رسولؐ کی زندگی کا ہر لمحہ و ثانیہ اپنے اندر ایک جہانِ عقل و بصیرت رکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یقین و ایمان کا "ذوق" اُن میں نہیں رہا۔

بشیر و نذیر رسُولؐ

ف۲ تمام انبیاءؑ کی طرح آپؐ کا منصب بھی بشارت و نذارہ ہے یعنی وہ جو ان کی اطاعت کریں۔ دین و اخروی کی خوشخبریاں اور مژدے ان کے لئے ہیں اور وہ جو انکار و مخالفت میں پیش پیش ہیں، دونوں جہان کی رسوائیاں اُن کے حصہ میں ہیں۔

ف۳ یعنی یہودی اور عیسائی اپنے غلط عقائد پر قانع ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ ان کی گمراہیوں کا ساتھ دیں۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپؐ کا یہ منصب نہیں کہ آپ ان کے خیالات کو کوئی وقعت دیں۔

حلِ لغات۔ جَحِيْم۔ دوزخ۔

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

اللہ کے ہاتھ سے تیرا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا ۝

۱۲۱۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

۱۲۱۔ جن کو ہم نے کتاب دی۔ وہ اُس کو جیسے پڑھنا چاہیئے، پڑھتے ہیں۔ وُہی اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو اُس کے مُنکر ہیں، وُہی خسارہ میں ہیں ۝

۱۲۲۔ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

۱۲۲۔ اے بنی اسرائیل میرے فضل کو یاد کرو جو مَیں نے تم پر کیا ہے۔ اور مَیں نے تمہیں سارے جہان پر فضیلت (بڑائی) دی ہے ۝

۱۲۳۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

۱۲۳۔ اور اُس دن سے ڈرو کہ کوئی (مُنکر) کسی (مُنکر) کے کچھ کام نہ آئے گا۔ نہ اُس کا فدیہ (بدلہ) قبول ہوگا۔ نہ کوئی شفاعت کام آئے گی اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی ۝

۱۲۴۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

۱۲۴۔ اور جب ابراہیم کو اُس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا پھر ابراہیم نے وہ باتیں پُوری کیں۔ تب خدا نے کہا کہ بیشک مَیں تجھے

ف وہ جن کو کتاب دی گئی اور وہ اُسے پڑھتے ہیں۔ اس کے مصداق کون لوگ ہیں؟ مُفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے خیال میں اس سے مُراد مسلمان ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ یہی لوگ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو شخص انکار کرے گا، وہ خائب و خاسر رہے گا۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ حکیم کے سوا کوئی کتاب اس درجہ شائستۂ عمل نہیں کہ اُسے چھوڑ کر خسران لازمی طور پر ہو۔ بعض کی رائے ہے کہ "کتاب" سے مُراد توریت و انجیل ہے۔ آیات کا سیاق و سباق یہی بتاتا ہے کہ اس صورت میں مرقومہ بالا شبہات کا جواب یہ ہوگا کہ توراۃ و انجیل گو انسانی و بشری دستبرد سے محفوظ نہیں۔ دونوں محرف و مبتدل ہیں، تاہم ان میں اتنی سچائیاں ضرور ہیں کہ یہودی و عیسائی فراخ دلی اور تعمق سے کام لیں تو پھر اُن میں اور مسلمانوں میں زیادہ اختلاف نہ رہے اور وہ اسلام و ایمان کے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن اس صداقتِ مشقہ اور حق مجرد کا نام ہے جس کا انکار ہر اس شخص کے لئے ناممکن ہے جسے ذرا بھی الہامی کتب سے ذوق و عقیدت ہے۔ اسی وجہ سے قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ اہلِ کتاب اگر اپنی ہی کتابوں کو بغور پڑھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اسلام سے دُور رہیں۔

حلِ لُغات

وَلِیٌّ ۔ دوست ۔
کَلِمٰتٍ ۔ جمع کَلِمَۃ ۔ بات ۔

إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○

سارے آدمیوں کا امامؑ (پیشوا) بناؤں گا۔ اُس نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی۔ فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ○

۱۲۵۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○

۱۲۵۔ اور جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے جمع ہونے (ثوابؔ) کی جگہ اور پناہ گاہ بنایا اور (کہا کہ) مقامِ ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے کہا تھا کہ دونوں میرے گھر کو طواف والوں اور رکوع اور سجود والوں کے لئے (بُتوں سے) پاک کر رکھو ○

۱۲۶۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ

۱۲۶۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے ربّ اس شہر (مکہ) کو امن گاہ بنا اور اُس کے باشندوں میں سے اُن لوگوں کو جو آخری

منصبِ امامت و نبوّت

ان آیات میں تین باتیں بتائی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا ابتلاء، ...مت کی خوشخبری، حضرت ابراہیمؑ کا مطالبہ اور اُس کا جواب۔ ابتلاء ...متعلق حضرت ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ وہ دس خصائل ہیں جنہیں ...رت انسانی کی اصلاح سے گہرا تعلق ہے اور حضرت ابراہیمؑ ان میں ...میاب نکلے۔ یعنی اُن پر پُوری طرح عمل کیا۔ دس باتیں یہ ہیں (۱) ...کرنا (۲) ناک میں پانی دینا (۳) کنگھا کرنا (۴) مونچھیں ترشوانا ...مسواک کا استعمال کرنا (۶) ختنہ کرانا (۷) بغل کو صاف رکھنا (۸) ...زیرِ ناف صاف کرنا (۹) ناخن کٹوانا (۱۰) اور پانی سے طہارت کرنا۔ ...تعالیٰ نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ فطرت کے قوانین کو سمجھتے ...ہیں اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو امامت کی خوش خبری سُنائی۔ ...مت سے مُراد وہ امامت ہے جو نبوّت کے مترادف ہے۔ اس لئے ...بی کہتے ہی ایک کامل اور جامع امام کو ہیں جسے اللہ لوگوں کی اصلاح ...لئے مامور فرمائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے درخواست کی کہ خدایا: ...منصبِ نبوّت میری اولاد میں رہے۔ یعنی میری اولاد کو بھی توفیق دے ...وہ تیرے نام کی اشاعت کریں اور تیرے دین کو چاردانگِ عالم ...میں پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ نبوّت و امامت ایسی شئے ...ہیں جو وراثۃً خاندانوں میں منتقل ہوتی رہے۔ نبوّت کے لئے ایک ...خاص استعداد، ایک خاص کردار اور ایک خاص دل و دماغ کی ...ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی ہو۔ صرف ...صفات نبوّت کا جمع ہو جانا کافی نہیں۔ اس لئے جو لوگ تیری اولاد ...میں ہمارے معیارِ انتخاب میں آئیں گے، وہ تو لئے جاسکیں گے۔ لیکن ...ضروری نہیں کہ ہر شخص کو عہدِ نبوّت سے سرفراز کیا جائے۔ وہ جو ظالم ہیں۔ قطعاً محروم رہیں گے۔ قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں۔ یصطفی۔ یجتبی۔ اَرْسَلَ۔ یعنی ایک خاص انتخاب ہے اور ایک خاص عنایت۔ یعنی نبوّت اکتسابی نہیں کہ جدوجہد اور حسنِ عمل سے حاصل ہو سکے، بلکہ وہبی ہے۔ یعنی خدا کی بخشش۔ گو یہ درست ہے کہ انبیاء کا عمل نبوّت سے پہلے حُسن و خوبی اور کمال و جامعیّت کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر نیک اور صالح شخص نبی قرار پائے۔

کائنات کا مرکزِ عبادت

ف۲ مَثَابَةً کے معنی مرجعِ عام اور جاذبِ مرکز کے ہیں جس طرف لوگ کسی مضبوط تعلق کی وجہ سے کھنچے آئیں۔ اسلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل اس کی ہمہ گیر جاذبیّت بھی ہے اور اس جذب و کشش کا سب سے بڑا مرکز بیت اللہ ہے۔ آج سے کئی ہزار سال پہلے دانیال نبیؑ نے بطور مکاشفہ کہا تھا۔ میں آسمان سے نیا یروشلم اُترتا ہُوا دیکھتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کئی سو سال پہلے وادیٔ غیرِ ذی زرع میں بے آب و گیاہ زمین میں اللہ کا ایک گھر بنایا اور دعا کی۔ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ کہ ساری کائنات کے دل اللہ کے اس گھر کے ساتھ وابستہ ہوں۔ یہ امن و سعادت کا بہت بڑا مقام قرار پائے۔

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

حلِّ لغات

إِمَامٌ۔ قائد۔ قابلِ پیروی شخص + مَثَابَةً۔ مرجعِ عام۔ مرکز۔ معبد + مُصَلًّى۔ جائے نماز + عَهِدْنَا۔ مادہ عَهْدٌ۔ معنی حفظ الشئی و مراعاتہ حالاً بعد حال۔ یعنی کسی شئے کی مسلسل ہو بہیم حفاظت کرنا یہاں مراد قابلِ رعایت و عمل حکم ہے۔

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

۱۲۷- وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

۱۲۸- رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

۱۲۹- رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

دن پر ایمان لائے ہیں میوے کھلا۔ تب خدا نے فرمایا کہ جو کفر کرے اس کو بھی میں تھوڑے دنوں تک فائدہ پہنچاؤں گا پھر اُسے دوزخ کے عذاب میں بے بس کر کے بلاؤں گا اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○

۱۲۷- اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ (کعبہ) کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (تو کہتے تھے) اے رب! ہماری طرف سے قبول کر۔ اور تو ہی سُنتا اور جانتا ہے ○[ف]

۱۲۸- اور اے ہمارے رب! تو ہم دونوں کو اپنے لئے مُسلمان فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک مُسلمان اُمت (نکال) اور ہمیں ہماری عبادت کا طریق سکھا اور ہمیں بخش دے کیونکہ تو ہی بخشنے والا مہربان ہے ○

۱۲۹- اے ہمارے رب! اور اُن کے بیچ انہیں میں سے ایک رسُول اُٹھا جو تیری آیتیں اُن پر پڑھے اور انہیں کتاب

(بقیہ صفحہ ۴۳) یہاں کے لوگ دنیوی لذائذ و ثمرات سے ہمیشہ متمتع رہیں۔ دیکھو یہ دُعا کس درجہ قبول ہوئی۔ لوگ دُور دراز سفر طے کر کے جاتے ہیں۔ کارواں در کارواں روانہ ہوتے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک کوئی قطعۂ ارض ایسا نہیں جہاں دعوتِ ابراہیمیؑ پر لبیک نہ کہا جاتا ہو۔ یہ مرکزیتِ عالم، زائرین کا یہ عظیم و مقدس ہجوم جس کا مقصد طواف و عکوف اور رکوع و سجود کے سوا کچھ نہیں۔ کیا کسی اور جگہ بھی ہے؟

ان آیات میں یہ دکھانا بھی مقصود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جن کی تم سب متفق عزت کرتے ہو، اُن کے صحیح جانشین ہم ہیں۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى پر ہمارے سوا کون عامل ہے اور یہ کہ خدا کے پرستاروں کی یہ جماعت، موحدین کا یہ گروہ یقیناً ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اسے درخور اعتنا نہ سمجھیں اور باطل جاننا درست نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

خلوص کا پھل [ف] ابراہیم علیہ السلام جس وقت تعمیر کعبہ میں مصروف تھے، ان کے منہ سے جو کلمات نکل رہے تھے، وہ یہ تھے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا یعنی اے خدا ہمارے خلوص و ایثار کو قبول فرما۔ گو وہ نہیں جانتے تھے کہ کعبہ کی تعمیر ایک قوم و ملت کی تعمیر ہے۔ انسانیت کے مرکز عظمیٰ کی بنیادیں ہیں جو رکھی جا رہی ہیں۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات قبولیت کا خلعتِ فاخرہ پہنیں۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ خلوص کی خدا کے نزدیک کیا قیمت ہے۔

یہ محض فریب نفس ہے کہ مخلص انسان کی قدر نہیں ہوتی۔ یہ خدا کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف ہے۔ خدا کے نزدیک خلوص اور صرف خلوص ایسی چیز ہے جو اجر کے قابل ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ ایسے وقت میں جو بالکل غیر تاریخی زمانہ ہے، ایسی جگہ پر جو اپنے اندر کوئی جاذبیت نہیں رکھتی، ایک اللہ کا گھر بناتے ہیں جو آخر میں مرجع انام بن جاتا ہے۔ کیا یہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے خلوص کا نتیجہ نہیں؟

قبولیت کے لئے ظاہری اذرات اور ذرائع کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اخبار و رسائل یا محراب و منبر گو اس وقت شہرت کا ایک کامیاب ذریعہ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک اس نوع کی شہرت جس میں خلوص و حسن نیت نہ ہو، وبالِ ایمان ہے۔ ایک اللہ کا بندہ شہروں سے دُور جنگلوں میں اگر خلوص و حسنِ نیت کے ساتھ کہیں ڈیرہ ڈال کے بیٹھ جائے تو تم بھی دیکھ لو گے کہ شہر اور شہر کے تمام اسباب شہرت اُس کے قدم چُومیں گے اور جنگل میں منگل کا لطف پیدا ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ ہم مخلص نہیں پھر یہ گلہ بھی ہے کہ کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا اگر آج بھی دیکھنا ہو تو ابراہیمی ذوق و شوق پیدا کرو۔

حلِ لُغات - قَوَاعِدَ - بنیادیں - اساس - مَنَاسِكَ - جمع منسک - احکام و آداب -

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا

اور حکمت سکھائے اور انہیں سنوارے۔ تو ہی زبردست حکمت والا (پختہ کار) ہے ۝

۱۳۰۔ بے وقوف کے سوا کون ہے جو ابراہیمؑ کے مذہب سے منہ موڑے گا۔ ہم نے اُس کو دنیا میں برگزیدہ کیا اور وہ بے شک آخرت میں نیکوں سے ہے ۝

۱۳۱۔ جب اُس (ابراہیمؑ) کو اُس کے ربّ نے کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ وہ بولا کہ مَیں ربّ العٰلمین کے لئے مُسلمان (مطیع) ہوا ۝

۱۳۲۔ اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے (بھی اپنے) وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے ایک دین

دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

حضرت ابراہیمؑ نے سات دُعائیں اللہ سے کیں :-

(۱) ربّ اجعل ھٰذا البلد اٰمنا (۲) وارزق اھلہ (۳) ربّنا تقبّل منّا (۴) ربّنا واجعلنا مسلمین (۵) وارنا مناسکنا (۶) وتب علینا (۷) ربّنا وابعث فیھم رسولاً۔

پہلی دُعا بلدِ امین کے متعلق ہے۔ دوسری وہاں کے رہنے والوں کے لئے۔ تیسری میں قبولیت کے لئے استدعا ہے۔ چوتھی میں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اسلام و اخلاص طلب کیا ہے۔ پانچویں میں مناسک و احکام کی تشریح چاہی ہے۔ چھٹی میں توبہ و رحمت کی درخواست کی ہے اور ساتویں میں فرمایا کہ اللہ اُن میں ایک ایسا عظیم المقدار رسُول بھیج جو تیرے احکام انہیں سُنائے۔ جو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور جو ان کے دلوں اور دماغوں کو پاک اور بلند کر دے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب چھ کی چھ دعائیں قبول ہو گئیں۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ پھر ساتویں کیوں قبول نہیں ہوئی؟ قرآن مجید کہتا ہے۔ یہ بھی قبول ہوئی۔ بلدِ حرام کو کس نے حُرمت بخشی۔ تین سو ساٹھ بُتوں کو نکال کر کس نے خدا کے گھر میں خدا کی عبادت کی۔ اور وہ کون ہے جس نے بیت اللہ کو "شوکت کا گھر" بنایا۔ جس نے ساری دنیا کے لئے اسے مفید قرار دیا اور جس نے کائنات کے انسان کو اس کے آستانۂ جلال پر جھکا دیا۔ جواب ملے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ اللہ کی آیات کون سناتا ہے۔ کون خدا کے کلمے پڑھ پڑھ کر سُناتا ہے۔ کتاب و حکمت کا دریا کون بہاتا ہے اور کون ہے جو دلوں اور دماغوں کی تزکیہ کرتا ہے۔ وہ مذکر و معلم اس کے سوا کون ہے جس نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مکہ جیسی زمین کو دعوتُ اشاعت کا مرکز بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگ اُس کو ماننے لگے۔ قبولیتِ عامہ کا یہ فخر کیا فریب کار اور جھوٹوں کو بھی دیا جاتا ہے؟ جس طرح کعبہ تمام معابدِ ارضی کا مرکز ہے، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ساری کائنات کا آخری نقطۂ عقیدت و محبت ہے۔

ف۲ ان آیات میں بتایا ہے کہ دعوتِ ابراہیم کا انکار نری حماقت ہے۔ اور یہ کہ اسلام ہر لحاظ سے دعوتِ ابراہیمی کا دوسرا نام ہے۔

ف۳ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس قدر سلیم الفطرت تھے۔ صحیح بات ماننے میں انہیں کبھی تامل نہیں ہوا۔ خدا نے جب انہیں اسلام و توحید کی دعوت دی تو ابراہیمؑ فوراً اَسْلَمْتُ پکار اٹھے اور اس کے بعد ساری زندگی تسلیم و رضا کی زندگی ہے۔ خواب میں بھی دیکھ پایا کہ خدا کی راہ میں بچّے کی قربانی ضروری ہے۔ تو آمادہ ہو گئے اور بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی۔ قوم نے جب مخالفت کی اور حَرِّقُوْهُ کی صدائیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔ اُس وقت آپ ڈرے نہیں۔ تسلیم و رضا کا پیکر بنے ہوئے آگ میں کُود پڑے۔

حلِ لغت

اَلْحِکْمَةَ۔ دانائی کی بات۔ اُسوۂ رسُولؐ۔ وَيُزَكِّيهِمْ۔ مصدر تزکیہ۔ پاک کرنا۔ دلوں اور دماغوں میں لطافت و نزاکت پیدا کرنا یعنی جذبہ و خیال میں آخری ارتقاء کے سامان بہم پہنچانا۔ يَرْغَبُ رغبت کا صلہ۔ جب عَنْ ہو تو اس کے معنی نفرت کے ہو جاتے ہیں۔ اِصْطَفَيْنٰهُ۔ مصدر اِصْطِفَاء۔ چُننا۔ انتخاب کرنا۔

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

۱۳۳- اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

۱۳۴- تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۱۳۵- وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ

چُن لیا ہے۔ تم ضرور مُسلمانی (فرمانبرداری) میں مری

۱۳۳- کیا تم حاضر تھے جب یعقوبؑ کی موت آئی؟ جب اُس
اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گ
اُنھوں نے کہا کہ ہم تیرے اللہ اور تیرے باپ دادے
ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحٰقؑ کے اللہ کی جو ایک ہے
عبادت کریں گے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں ؁ ۝

۱۳۴- وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی۔ اُن کا ہوا جو وہ کما گ
اور تمہارا ہے جو تم کماتے ہو۔ اور تم سے اُن کے
کام کی پُوچھ نہ ہو گی ؁ ۝

۱۳۵- وہ کہتے ہیں یہودی یا نصاریٰ بنو تب ہدایت پاؤ گ
تو کہہ نہیں بلکہ ہم نے ابراہیمؑ کی راہ پکڑی ہے جو حنیف

ف۱ پھر اولاد کو بھی یہی بتایا کہ خدا نے تمہارے اسلام کو بہترین دین قرار دیا ہے۔ اسے ہاتھ سے نہ دینا۔ جیو تو اس کے لئے مرو تو اس کو سینے سے لگاتے ہوئے تمہارے آخری لمحاتِ زندگی بھی خدا کے تشکر و حمد میں بسر ہوں۔ مایوسی کی وجہ نہیں۔ آخری سانس تک اللہ کی عنایتوں کے اُمیدوار رہو۔ اور مرو تو یہ یقین لے کر مرو کہ مصلحت اسی میں ہے اور اللہ کا دین سچا ہے اِس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان آیات میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان بالطبع راجی پیدا کیا گیا ہے اور موت جیسی مہیب چیز بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں پیدا کر سکتی۔

بہترین جائداد ف۲ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی، اسی طرح حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے آخری لمحاتِ زندگی میں اپنے بیٹوں کو بُلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ وجہ یہ تھی کہ مصر میں جہاں حضرت یعقوبؑ آ رہے تھے، کثرت سے بُت پرستی رائج تھی۔ آپ نے اس لئے کہ ان میں توحید کا احساس باقی رہے، بلا کر پوچھا۔ اور غرض یہ تھی کہ میری اولاد کسی حالت میں بھی اعلاء کلمۃ اللہ سے غافل نہ ہو۔

حضرت ابراہیمؑ و یعقوب علیہما السلام کی وصیت سے اس چیز کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی ساری زندگی کس کے حصُول میں گزری۔ وہ اپنے آخری اوقات میں مال و دولت سپرُد نہیں کرتے۔ جائداد کے متعلق ہدایات نہیں دیتے۔ کوئی خانگی بات نہیں جو ان کو کھٹک رہی ہو۔ دُنیا سے قلبِ مطمئن لے کر جاتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی چیز بے چین کرنے والی ہے تو وہ اولاد کی رُوحانی تربیت ہے۔

اِس میں یہ جلیل القدر اسوہ ہے کہ شفیق اور بزرگ باپ اولاد کے لئے چھوڑ کر مرے۔ دُنیوی مال و دولت بھی اچھی چیز ہے۔ مگر اصل دولت ایمان تقوٰی کی دولت ہے جو اولاد کے لئے بہترین سرمایۂ حیات ہے اور وال کے لئے باعثِ سکون و برکت۔ وہ والدین جو مال و دولت کے انبار اولاد کے لئے جمع کر جاتے ہیں، لیکن ان کی تربیتِ روحانی کی طرف غافل رہ جاتے ہیں، وہ اولاد پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ بلکہ یہ ایک قسم ظلم ہے کہ ان کی ساری جدّو جہد اولاد کی ظاہری آسائش کے لئے ج اور باطنی اصلاح کے لئے وہ کچھ نہیں کرتے۔ سعادت مند اور صالح او بجائے خود ایک جائداد ہے اور بدکردار کے پاس اگر قارُون کے خزا بھی ہوں تو بھی وہ ان کا جائز وارث ثابت نہیں ہوتا۔

بہرحال حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے انہیں یقین دلایا کہ ہم تو کے جادۂ مستقیم سے نہیں ہٹیں گے اور اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام بتائے ہوئے مسلکِ توحید پر قائم رہیں گے۔ وہ باپ کتنا خوش قسمت جو یہ یقین لے کر مرے کہ میرے بعد میری اولاد صالح و سعادت مند رہے گی اور کس درجہ سعادت مند ہے وہ اولاد جنہیں حضرت ابرا و یعقوب علیہما السلام جیسا بزرگ باپ ملے جو آخری وقت تک ان کی روحانیت کا خیال رکھتا ہے۔

حلِّ لغات

شُهَدَآءَ - جمع شَہِیْد۔ بمعنی حاضر۔ اُمَّةٌ - گروہ۔ جماعت۔ کس ایک بات پر متفق ہونے والے لوگ۔ وَصّٰى - مصدر توصیۃ وصیت کرنا۔ ضروری بات بتانا۔

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

۱۳۶- قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

۱۳۷- فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

۱۳۸- صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○

۱۳۹- قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

(یکطرفہ) تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا ○

۱۳۶- تم بولو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس (کلام) پر جو ہماری طرف نازل ہوا ہے اور اُس پر جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب اور اُس کی اولاد پر نازل ہوا اور جو موسٰی اور عیسٰی کو ملا تھا اور جو کچھ تمام نبیوں کو اُن کے رب سے دیا گیا۔ ہم اُن کے درمیان کسی میں فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اُسی کے مطیع (مسلمان) ہیں ○

۱۳۷- پس اگر وہ بھی یا ایمان لائیں تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر مُنہ موڑیں تو وہی ضد پر ہیں اور اُن کی طرف سے تجھے اللہ کافی ہے اور وہ سنتا اور جانتا ہے ○

۱۳۸- ہم نے رنگ اللہ کا (لیا) ہے اور کس کا رنگ اللہ سے بہتر ہے اور ہم اُسی کی بندگی کرتے ہیں ○

۱۳۹- تو کہہ کیا تم ہم لوگوں سے خدا کی بابت جھگڑتے ہو اور وہی ہمارا رب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال

ف ان آیات میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اس زعم باطل کی تردید ہے کہ انبیاء سے انتساب انہیں نجات دلاسکے گا۔ فرمایا تم ان لوگوں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہو۔ تم سے صرف تمہارے اعمال کی بابت پُوچھا جائے گا۔ پھر یہ بتایا کہ اسلام میں قطعاً تحزب و تفریق کی گنجائش نہیں۔ نجات یہودیت و عیسائیت کے محدود دائروں میں نہیں بلکہ توحید و اسلام کے وسیع حلقہ میں ہے۔ جس میں بُت پرستی و شرک کی تنگ دلانہ ذہنیت کی بجائے توحید و تفرید کی آزادی و وسعت قلبی ہے۔

حلقۂ توحید کی وسعتیں ف۲ اسلام ہر قسم کی تنگ دلی سے بالا ہے۔ وہ کسی خاص تعلیم پر ایمان لانے کی تاکید نہیں کرتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم ہر صداقت کو مانو۔ ابراہیمؑ کو بھی مانو اور اسمٰعیلؑ کو بھی۔ موسٰیؑ کو بھی اور مسیحؑ کو بھی علیہم السلام اجمعین۔ اور ہر اس چیز پر یقین رکھو جو اللہ کے پیغمبروں کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس لئے کوئی تفصیل نہیں مسلمان مجبور ہے کہ وہ ہر سچائی کا احترام کرے۔ اس لئے کہ اسے تو اللہ سے محبت ہے۔ اور جب اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا جُوا اپنے کندھوں پر ڈال لیا تو پھر ہر حکم جو اس کی طرف سے وصول ہوا، شائستۂ اعتناء ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر ایمان نہیں لاتے تو اپنے دعوے میں سچے نہیں۔ کیونکہ آپ خدا کے سب سے بڑے دوست اور محب ہیں۔

انکار کا نتیجہ ف۳ ان آیات میں بتایا کہ ایمان وہی مثمر و سود مند ہے جو کامل ہو۔ یعنی پورے نظامِ اسلامی کو مانا جائے ورنہ راہِ راست سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے اور وہ لوگ جو اسلام کے نظامِ وحدت پر عمل پیرا نہیں ہیں، اُن کا شقاق و اختلاف کے مرض میں مبتلا رہنا لازمی و ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے سوا جتنی راہیں ہیں، ان سب میں تعصب و جہالت کے کانٹے بچھے ہیں۔ سب غیر مستقیم ہیں۔ اسلام اور صرف اسلام ہی رواداری، مسالمت اور اطاعتِ حق کا سچا مبلّغ ہے۔

حلِّ لغات

اَسْبَاط۔ جمع سبط۔ اولاد + شِقَاق۔ اختلاف + صِبْغَة۔ رنگ + اَحْسَنُ۔ اچھا۔ مادہ حسنٌ۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝

تمہارے لئے۔ اور ہم اُسی کے لئے خالص ہیں ۝

۱۴۰۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

۱۴۰۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اُس کی اولاد یہودی تھے یا نصاریٰ۔ تو کہہ۔ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اُس گواہی کو جو خدا کی طرف سے اُس کے پاس تھی، چھپایا اور خدا تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے ۝

۱۴۱۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ع

۱۴۱۔ وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی۔ اُن کا ہوا جو وہ کما گئے اور تمہارا ہے جو تم کماتے ہو۔ تم سے اُن کے کام کی پوچھ نہ ہوگی ۝

ع ۱۶ ۱۲ ۱۶

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ } **الٰہی رنگ** حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ صَبَغَ فُلَانٌ سے مراد کسی خاص عقیدہ کی تلقین کرنا ہے۔ یعنی صبغۃ اللہ سے مُراد اللہ کا دین ہے۔ دین کو اللہ کے رنگ سے تشبیہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ دل بمنزلہ سفید کپڑے کے ہے۔ اسی لئے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ میں کپڑوں سے مُراد دل ہے، جس کو مختلف انواع کے رنگوں سے رنگ لیا جاتا ہے۔ کوئی یہودی ہے اور کوئی عیسائی۔ کوئی مجوسی ہے اور کوئی آتش پرست۔ قرآن حکیم کہتا ہے۔ اللہ کا رنگ ان سب الوان سے جُدا ہے اور بہتر ہے۔ اس میں یہودیت بھی ہے اور عیسائیت بھی۔ اس میں تعصب و جہالت کا کوئی رنگ نہیں۔ وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ مسلمان جس رنگ میں ظاہر ہوتا ہے، وہ عبودیّت اور خاکساری ہے۔ وہ ہر وقت اللہ کی فرمانبرداری و اطاعت میں مصروف نظر آئے گا۔ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہوتا۔ اس کی پہچان خدا کی عبادت، اس کی محبت اور اپنی عبودیت کا اظہار ہے۔ نیز اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عیسائی جو اصطباغ کو بہت بڑی دینداری سمجھتے ہیں، وہ جان لیں کہ ظاہرداری کے رنگ چھڑک دینے سے کوئی نجات کا مستحق نہیں بن سکتا۔ رسمِ اصطباغ سے کپڑے تو رنگے جاسکتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ دل بھی خدا کے رنگ میں ڈوب جائیں۔ اس لئے ان ظاہر پرستیوں کو چھوڑ کر رُوح و باطن کی طرف عود کرو اور رسوم و رواجات سے پلٹ کر حقائق و معارف کی جانب بڑھو کہ خدا کو ظاہرداریاں پسند نہیں جن میں ذرہ بھر شائبہ خلوص نہ ہو۔ وہ تو دل کی گہرائیوں میں خلوص و محبت کے خزانے دیکھنا چاہتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف اس آیت میں یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکوں سے مشترکہ خطاب ہے کہ تم خدا کے احکام و نواہی کے متعلق ہم سے کیوں بحث و مناظرہ کرتے ہو جبکہ ہم سب کا وہ رب ہے۔ جو مناسب سمجھتا ہے، وہ فرماتا ہے اور فرماتا ہے اور جس کو مناسب سمجھتا ہے اس منصب کے لئے منتخب فرما لیتا ہے۔ ہم اور تم اعتراض کرنے والے کون؟ یہ تو خالصًا اُس کے اختیار میں ہے۔ پھر اگر بفرضِ محال عہدۂ نبوت کا تعلق اعمال و اکتساب سے بھی ہو تو بھی کیا تم اس قابل ہو کہ تمہیں اس اہم عہدہ سے نوازا جائے۔ کیا ہم میں تم سے زیادہ اخلاص و محبت نہیں ہے اور کیا تم مقابلۃً نہایت نا اہل نہیں ہو؟ اس لئے اپنے اخلاص و عادات کو سنوارو۔ پھر اسلام پر اعتراض کرو۔ ف۲ ان آیات میں پھر اس وہم کی تردید ہے کہ سابقہ انبیاء یہودی تعصب اور عیسائی جہالت کے معتقد تھے۔ فرمایا کہ یہ سب خرافات اور غلط عقائد جو ان میں رائج ہوگئے ہیں اور جن سے یہ آج دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، کتمانِ شہادت کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ خدا کے احکام صحیح صحیح صورت میں رہنے دیتے اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع نہ بناتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جو کچھ کہا گیا ہے، اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔ فرمایا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ تمہاری بداعمالیوں سے غافل نہیں۔ تمہیں غرہ ہے اپنی مال و دولت کا۔ اور تم یہ سمجھتے ہو کہ مال و دولت سے بہرہ وری تمہارے حسنِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ ڈھیل ہے جو تمہیں دی جارہی ہے۔ تمہاری ایک ایک حرکت ربِّ ذو انتقام کی نگاہ میں ہے۔ اس لئے تم رب الافواج کے قہر سے ڈرو اور اپنی اصلاح کر لو۔

حلِّ لغات ۔ عٰبِدُوْنَ ۔ جمع عَابِدٌ ۔ بمعنی پرستار ۔ تُحَآجُّوْنَ تم جھگڑا کرتے ہو۔ مادہ حُجَّةٌ ۔ دلیل ۔ مُخْلِصُوْنَ ۔ جمع مُخْلِصٌ ۔ بے ریا ۔ بے غرض ۔ غَافِلٌ ۔ بے خبر ۔ غیر آگاہ ۔

۱۴۲- سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

۱۴۳- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ

۱۴۲- عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو اُن کے قبلہ سے پھرایا، جس پر وُہ تھے۔ تُو کہہ، اللہ ہی کی مشرق و مغرب ہے۔ وُہ جس کو چاہے سیدھی راہ بتادے[1] ۝

۱۴۳- اسی طرح ہم نے تم کو بہتر اُمت بنایا ہے، تاکہ تم سب لوگوں پر اور رسُولؐ تم پر گواہ ہو[2]۔ اور وہ قبلہ جس پر تو پہلے تھا، ہم نے صرف اِس لئے مقرر کیا تھا، تاکہ ہم کو معلوم ہوجائے کہ کون رسولؐ کا تابع رہے گا اور کون اُلٹا پھر جائے گا[3] اور یہ بات اگرچہ بھاری ہے لیکن اُن پر نہیں،

تعیینِ قبلہ

ف۱ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت تھی کہ جب تک صاف و صریح حکم کسی چیز کے متعلق نازل نہ ہوجاتا، اہلِ کتاب کی موافقت فرماتے۔ اس لئے کہ وہ بہرحال مشرکین مکہ سے زیادہ راہِ راست پر تھے اسی بنا پر جب تک قبلہ کی تعیین نہ ہوئی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھتے رہے۔ سترہ اٹھارہ مہینے تک اسی پر عمل رہا۔ بعد میں قبلہ کی تعیین ہوگئی اور بتادیا گیا کہ بوجوہ اب تمام کائناتِ اسلامی کا مرکزِ عبادت کعبہ ہے، بیت المقدس نہیں۔ اس طرزِ عمل سے یہودیوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ اب تک تو انہیں یہ حوصلہ تھا کہ ہمارا اور مسلمانوں کا قبلہ مشترک ہے، ضرور کسی دن مسلمان یہودیت کو قبول کرلیں گے۔ مگر اس تبدیلی سے انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ دوسری جانب مشرکینِ مکہ بھی طعنہ زن ہوئے کہ دیکھئے کیا بے اصولی ہے۔ سترہ اٹھارہ ماہ تک تو بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا۔ اب انکار ہے۔ قرآنِ حکیم نے ان شبہات کے متعلق فرمایا کہ یہ محض سفاہت و عدم تدبر پر مبنی ہیں۔ ورنہ صرف تعیین قبلہ کا مسئلہ اتنا اہم نہ تھا کہ یہ اس پر اس قدر معاندانہ توجہ صرف کرتے۔ جب کہ اصول میں اور عقائد میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور جب کہ اب بھی مسلمان ویسے نمازی اور خدا کے فرمانبردار ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ کیا صرف جہت کی تبدیلی سے مسلک تبدیل ہوجاتا ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ مسلمان اب کعبہ کو مرکز سمجھتے ہیں، تمام خوبیوں سے معرّا ہوگئے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم ان اعتراضات کو بیوقوفی سے تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بات بھی اصولِ اسلامی پر براہِ راست اثر انداز نہیں ہوتی۔ اصولاً جواب یہ دیا کہ خدائے تعالیٰ جہاں تک جہت الکعبہ کا تعلق ہے کسی جہت خاص سے کوئی اختصاص نہیں رکھتا۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ خدا نے کعبہ کو قبلۂ عبادت ٹھہرایا۔ تاکہ ہماری نیازمندیاں ایک نظام میں منسلک ہوجائیں اور مُسلمان ہر لحاظ سے وحدت کا جو اس کا فطری خاصہ ہے، مظہرِ اتم ہو۔ نہ اس لئے کہ جہتِ مغربی مشرق سے زیادہ مقدس ہے۔ صراطِ مستقیم سے مُراد یہی ہے کہ وہ چند نفوس ہوتے ہیں جنہیں مسئلہ کی صحیح حیثیت پر غور کرنے کی توفیق ارزانی ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ مغز و حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فروع میں اُلجھ کر ایمان ضائع نہیں کرتے۔

زمین میں خدا کے مُبلّغ

ف۲ اس آیت میں مسلمان کے منصب و درجہ کی توضیح ہے۔ كَذٰلِكَ سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کعبہ تمام کائنات کا روحانی مرکز ہے۔ اسی طرح مُسلمان کو خدا نے تمام انسانوں کا مرکزِ عمل بنایا ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ مُسلمانوں کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، جسے عمل و تبلیغ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہوں وہ دنیا کے لئے حیات و عمل کا بہترین نمونہ ہے۔ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کی تفسیر ہے۔ (باقی صفحہ ۵۰ پر)

حلِ لغات

قِبْلَةً۔ اصل معنی جانب و طرف کے ہیں جو جاذبِ التفات ہو۔ اصطلاحاً وہ بیت العبادۃ ہے جس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے۔

وَسَطًا۔ درمیان۔ بہترین۔ افراط تفریط سے پاک۔ عادل۔

هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

جن کو خدا نے ہدایت کی ہے اور خُدا ایسا نہیں ہے کہ تمہارا ایمان ضائع کرے۔ وہ تو آدمیوں پر شفیق اور مہربان ہے ○

۱۴۴۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

۱۴۴۔ ہم نے تیرے مُنہ کا پھر پھر جانا آسمان میں دیکھا۔ سو ہم ضرور تجھے اُس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس سے تو راضی ہے۔ پس پھیرلے اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف اور جہاں تم ہو اپنے مُنہ پھیرو۔ اور اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ یہ (یعنی کعبہ کی طرف مُنہ پھیرنا) حق ہے اُن کے رب کی طرف سے اور خدا اُن کے کاموں سے غافل نہیں ○

۱۴۵۔ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ

۱۴۵۔ اور اگر تُو اہلِ کتاب کے پاس ساری نشانیاں بھی لائے وہ تیرے قبلہ کے تابع نہ ہوں گے اور تو بھی اُن کے قبلے کا تابع نہ ہوگا اور اُن میں سے بھی بعض بعض کے قبلے کے

(بقیہ صفحہ ۴۹) مبلغین وعاملین کی جماعت سے اسی آیت کی تشریح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو فرمایا کہ انتم شھداء اللہ فی الارض یعنی تم زمین میں خدا کے مبلغ ہو۔

تحویلِ قبلہ کا فلسفہ

ف۲ تبدیلی قبلہ سے غرض یہ بھی تھی کہ اہلِ ایمان کا امتحان ہو جائے کہ کون رسولِ برحق کا بہرحال ساتھ دیتا ہے اور وہ کون ہے جو شبہات و وسواس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ سالک مُرشدِ کامل کی ہدایات کو حُسنِ ظن کی نظر سے دیکھے ورنہ اندیشہ محرومی ہے ؎

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

چنانچہ اہلِ ایمان وسلوک کی ایک جماعت نے جب تبدیلی قبلہ کی خبر پائی تو نماز ہی میں گھوم گئے۔ بتلانا یہ مقصود تھا کہ غیر مسلم دیکھیں کہ خدا کے یہ بندے کس درجہ جذبۂ اطاعت سے سرشار ہیں۔

دوسری آیت میں اس شبہ کا جواب ہے کہ وہ لوگ جو تعینِ قبلہ سے پہلے مر گئے ہیں اُن کا کیا حشر ہوگا؟ فرمایا۔ خدا ایمان صحیح کے ساتھ ہر عمل کو قبول کر لیتا ہے۔ اُن لوگوں تک چونکہ یہ حکم پہنچا ہی نہیں۔ اس لئے معذور ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھذا)

ملکۂ نبوّت

ف۱ ان آیات میں بتایا کہ تحویلِ قبلہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تم (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہی چاہتے تھے۔ ہم نے تمہاری رضامندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے قبلہ بدل دیا۔ بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں ایک ملکۂ نبوّت ہوتا ہے جو پہلے سے موجود رہتا ہے اور جس کی روشنی سے انبیاء علیہم السلام استفادہ کرتے ہیں۔ یہ سراجِ نبوت اُن کے دماغ میں ہر وقت روشن رہتا ہے۔

صُحفِ انبیاء اور قبلہ

ف۲ اس آیت میں "تحویلِ قبلہ" کو حق کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب اس کو جانتے ہیں لیکن انہیں یہ منظور نہیں کہ بیت المقدس کی تقدیس چھین کر بیت اللہ کو دے دی جائے۔ بائبل میں "شوکت کا گھر" بیت الحرام کا ٹھیٹھ ترجمہ ہے۔ دانیال کے مکاشفہ میں ہے کہ میں نے آسمان سے نیا یروشلم اترتا ہوا دیکھا۔ جس پر خدا کا نیا نام کندہ ہے کیا یہ تبدیلِ قبلہ کی پیش گوئی نہیں۔ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام اسی گھر کی زیارت کے شوق میں گیت گاتے ہیں۔

حلِّ لغات

شَطْرَ۔ جانب۔ طرف۔

قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

تابع نہیں ہیں اور اگر تُو ان کی خواہشوں کے تابع ہوگا بعد اس کے کہ تجھے علم حاصل ہو چکا ہے تو تُو ظالموں میں سے ہو جائے گا[1] ۝

١٤٦۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْھُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

١٤٦۔ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو (یعنی محمدؐ کو) ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور اُن میں سے ایک فرقہ دانستہ حق کو چھپاتا ہے[2] ۝

١٤٧۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ؑ

١٤٧۔ حق تیرے رب ہی کی طرف سے ہے تو تُو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ۝

١٤٨۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ ھُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ڛ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

١٤٨۔ ہر کسی کے لئے ایک جانب ہے جس کی طرف وہ مُنہ کرتا ہے سو تم نیکیوں کی طرف دَوڑو جہاں بھی تم ہوگے اللہ تم سب کو اکٹھا کر لائے گا۔ بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے[3] ۝

ف۱ ان آیات میں فرمایا کہ یہودی باوجود جاننے کے اعتراض ضرور کریں گے۔ وہ کسی بات پر مطمئن نہیں ہوں گے۔ ان کی ذہنیت مسخ ہو چکی ہے۔ اس لئے آپ کی جماعت بلا کسی خرخشہ کے حق کی تابع رہے اور اُن کے شُبہات اور اعتراضات کی جانب بالکل توجہ نہ کرے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ خدا کے ہاں ظالم نہ ٹھہرائے جائیں۔ آیت کا خطاب گو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہے لیکن مراد عام مسلمان ہیں۔ لیکن اُن کا منصب اُنہیں ہر نافرمانی سے روکتا ہے۔ وہ بحیثیت نبی ہونے کے خدا کی منشاء کے خلاف کوئی حرکت کر ہی نہیں سکتے۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ یعنی گروہِ انبیاء خدا کا وہ نیک گروہ ہے جو اس کی مخالفت نہیں کرتا، بلکہ اس کے اوامر کا ماننے والا ہے۔ اس طرزِ خطاب سے یہ بتانا مقصود نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اب بھی یہود کی خواہشات کو مان کر خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ ان کے جذبات کی پاسداری و وضوحِ حق کے بعد اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر تم بھی اس کا ارتکاب کرو تو باین جلالتِ قدر ہرگز معافی کے مستحق نہیں ہو۔ یعنی بحث امکانِ ظلم سے نہیں، بلکہ جرم کی اہمیت سے ہے کہ کس قدر زیادہ ہے۔

ف۲ يَعْرِفُوْنَهٗ کی ضمیر یا تو تحویلِ قبلہ کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ ظاہر سیاق سے واضح ہے اور یا حضورؐ کی طرف جو گو مذکور نہیں لیکن معنًا سمجھے جا سکتے ہیں۔ یعنی جس طرح یہ اپنے بچوں کو بغیر کسی دلیل منطق کے پہچان لیتے ہیں اور کبھی انہیں شبہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ خوب جانتے ہیں کہ تحویلِ قبلہ درست و صحیح ہے یعنی ان کی مذہبی کتابوں میں جب اس کا ذکر ہے تو پھر شک و شبہ کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اگر ضمیر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف راجع ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپؐ کی نبوت اس قدر جلی اور اظہر ہے کہ کم از کم ان لوگوں کے لئے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ جو صبح و مسا تین سال تک متواتر آپ کے انوار و تجلیات کو برملا دیکھتے ہیں وہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے متعلق قطعی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ میری اولاد ہے اور جس طرح اُسے نفسیاتی یقین ہوتا ہے جسے کوئی منطق اور کوئی فلسفہ شک و شبہ سے نہیں بدل سکتا۔ اسی طرح ان میں کے اہلِ حق و بصیرت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں اور وہ نفسیاتی طور پر حضورؐ کو پہچانتے ہیں۔ مگر باطل اور کتمانِ حق کی مرتکب جماعت جن کا شیوۂ حیات ہی لوگوں کو گمراہ کرنا ہے، انہیں روکتی ہے۔

ف۳ ان آیات میں بتایا ہے کہ ہر اُمت و گروہ کا ایک قبلۂ عبادت ہوتا ہے، اس لئے بحث و مناظرہ کی ضرورت نہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اور جس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو۔ بہرحال اپنے اعمال کے جواب دہ ہو۔

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

حلِ لُغات

اَھْوَاۗءَ۔ جمع ھَوَاۗءَ۔ یعنی خواہش ✦ يَعْرِفُوْنَ۔ مادہ عرفان بمعنی پہچاننا ✦ مُمْتَرِيْنَ۔ مصدر امتراء بمعنی شک و شبہ ✦ وِجْهَةٌ۔ طرف۔ جانب ✦ مُوَلِّيْ۔ منہ پھیرنے۔ وجہ۔ منہ۔ چہرہ۔

١٤٩۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

١٤٩۔ اور جہاں سے تُو نکلے مسجد حرام کی طرف مُنہ پھیر۔ یہی حق ہے تیرے ربّ کی طرف سے اور خُدا تمہارے کاموں سے غافل نہیں ○

١٥٠۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

١٥٠۔ جہاں تُو نکلے مسجد حرام کی طرف مُنہ پھیر اور جہاں تم ہو اپنے مُنہ اُس کی طرف پھیرو۔ تاکہ لوگوں کو تم پر حُجت باقی نہ رہے۔ مگر جو لوگ اُن میں ظالم ہیں (وہ تم سے ضرور جھگڑیں گے) سو تم اُن سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو۔ اور اس لئے کہ مَیں اپنا فضل تم پر پُورا کروں۔ شاید تم ہدایت پاؤ ○

١٥١۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

١٥١۔ جیسے کہ ہم نے ایک رسُول تمہارے ہی درمیان سے تم میں بھیجا۔ وہ ہماری آیتیں تم پر پڑھتا ہے اور تمہیں سنوارتا

(بقیہ صفحہ ٥١) اس میں اشارہ ہے کہ صرف استقبال سے تم نے کیوں سمجھ لیا کہ مُسلمان صحیح راستے پر نہیں رہے۔ تم یہ دیکھو کہ ان میں سبقت الی الخیرات کا جذبہ موجود ہے یا نہیں یعنی نمازوں کا مقصد و فائدہ اکثر قائم ہے اور مُسلمان حسب سابق خدا کی اطاعت میں سرگرم ہیں اور حصُولِ تقویٰ میں وہ پہلے کی طرح پُرجوش ہیں تو صرف اس لئے انہوں نے جہت کی تبدیلی کر لی ہے اور وہ بھی خدا کے حکم اور اجازت سے محروم ہو گئے ہیں۔ یعنی اصل شے جو صداقت کا معیار ہے، نمازوں کی کیفیت و ترتیب نہیں، بلکہ حُسنِ عمل ہے۔ تم دیکھو کہ ان میں جذبۂ اطاعت کس درجہ مضبُوط ہے کہ سترہ اٹھارہ مہینے کے عمل کو اللہ کے ایک اشارہ سے بدل دیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

آیات کے تکرار کا سبب

ف فَوَلِّ وَجْهَ کو تین دفعہ ذکر کیا ہے۔ اس لئے بھی کہ مقصُود تاکید ہے جو ان مواقع میں ضرور ہو جاتی ہے۔ جبکہ کوئی اہم اور موجبِ شبہات حکم نازل ہو اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ہر وجہ کے بعد معلول بھی ذکر کیا جائے یا یہ کہ پہلی صُورت میں اس حالت کا ذکر ہے جب آپ کعبہ کے سامنے ہوں۔ دُوسری صُورت وہ ہے جس میں آپ شہر کی دیگر مساجد میں نماز پڑھیں اور تیسری صُورت میں مُراد یہ ہے کہ جب تم مسافر ہو تو بھی تمہارا قبلہ کعبہ ہی رہے۔ یعنی بہر حال مسلمان کا ہر سجدہ اور اس کی ہر

عبادت نہایت درجہ منسلک اور ایک نظام کے ماتحت ہونی چاہئے۔ ان آیات میں یہ بتایا کہ تحویلِ قبلہ سے دو فائدے یہ بھی ہیں کہ یہُودیوں اور مشرکینِ مکہ کا اعتراض اُٹھ گیا۔ یہُودی پہلے کہا کرتے تھے کہ مسلمان بھی عجیب ہیں۔ نماز تو ہمارے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں اور ہمارے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں۔ مشرکوں کا اعتراض تھا کہ دیکھئے دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم مذہبِ ابراہیمی کے پابند ہیں اور مرکزِ عبادت بیت المقدس ہے۔ اب جبکہ بیت المقدس سے مُنہ موڑ کر کعبہ کو قبلہ مان لیا گیا تو دونوں گروہوں کو تشفی ہو گئی۔ پھر اتمامِ نعمت اور ہدایتِ ارزانی کا بھی سامان ہو گیا۔ یعنی ساری دنیا کے انسانیت کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دی اور عملاً حج میں اس طرح کے وظائف اور ارکان داخل کئے جنہیں دیکھ کر قلب میں رقت طاری ہو جائے اور اسلام کی حقیقی شان وحدت و انکسار آنکھوں میں پھر جائے۔ جن لوگوں نے حج کے کوائف پر نفسیاتی غور کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس میں کس قدر بصائر و معارف پنہاں ہیں اور کس طرح ہر نوع کے انسانوں کو چن چن کر اکٹھا کیا ہے اور سب کو ایک خدا کے سامنے جھکا دیا ہے۔ لبیک لبیک کی مخلصانہ آوازیں کتنی ایمان پرور اور رُوح میں نزہت پیدا کرنے والی ہیں۔

حلِ لُغات

حُجَّةٌ۔ اصل معنی دلیل کے ہیں۔ یعنی مُراد اعتراض ہے۔

اَلْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ؕ

ہے اور کتاب وحکمت اور وہ باتیں بتلاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے ف۱ ۝

۱۵۲- فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ع

۱۵۲- سو تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور میرے شکرگزار رہو اور ناشکری نہ کرو ۝

۱۵۳- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

۱۵۳- مومنو! صبر اور نماز سے قوّت حاصل کرو۔ بے شک خدا صابروں کے ساتھ ہے ف۲ ۝

۱۵۴- وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

۱۵۴- اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں اُن کو مُردہ نہ کہو بلکہ وُہ زندہ ہیں۔ مگر تم اُس سے واقف نہیں ف۳ ۝

۱۵۵- وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ۙ

۱۵۵- اور کسی قدر خوف اور بھوک اور جانوں اور مالوں اور میوؤں کے نقصان سے ہم تم کو آزمائیں گے اور بشارت دے اُن صابروں کو ۝

ف۱ كَمَآ اَرْسَلْنَا سے مقصد یہ ہے کہ کعبہ کی ادیانہ **وظیفۂ رسالت** حیثیت اسی طرح ہے جس طرح ایک رسولؐ آیات اللہ کی تلاوت کرے اور تعلیم و تزکیہ کے رموز سمجھائے۔ یا یہ بتانا مقصد ہے کہ تعیین اسی طرح کی ایک نعمت ہے جس طرح کہ بعثتِ رسولؐ۔ ضمناً یہ بتایا ہے کہ وظیفۂ رسولؐ کیا ہے۔ یا انبیاءؑ اور عام مصلحین میں کیا بیّن امتیاز ہے؟ وہ یہ کہ عام مصلحین صرف کہتے ہیں۔ صرف تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن انبیاءؑ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ قلوب کو جلا بھی دیتے ہیں، جیسے دماغوں کو معارف وحکم سے منوّر کرتے ہیں، ویسے دلوں کی تاریک دنیا کو بھی اُجالے بخشتے ہیں۔ ان کی نگاہیں علم و معرفت کی سطح پر ہی مرکوز ہو کر نہیں رہ جاتیں، بلکہ وجدان و طمانیت کی گہرائیوں تک نفوذ کر جاتی ہیں۔ وہ دنیا میں قول و عمل کا ایک بہترین امتزاج ہوتے ہیں یعنی جوامع الکلم کے ساتھ مکارم اخلاق کا اجتماع صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص ہوتا ہے۔

ف۲ ان آیات میں دعوتِ ذکر ہے اور فلسفۂ یادِ الٰہی کا یہ بتایا ہے کہ جس طرح کا ایمان کسی شخص کے دل میں ہوگا، اسی درجہ اللہ کی عنایات اُس پر زیادہ ہوں گی۔ حدیث میں آتا ہے۔ انا عند ظن عبدی بی کہ میں بالکل ویسا ہی لوگوں سے سلوک روا رکھتا ہوں، جیسا کہ وہ مجھ سے متوقع ہیں۔ اس کے بعد اس کا ذکر ہے کہ جب تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو صبر سے کام لو۔ گھبراؤ نہیں۔ یعنی مصیبتیں اس لئے نہیں آتیں کہ مردِ مومن کے مضبوط دل میں رخنہ انداز ہوں اور اسے جادۂ عافیت سے دُور ہٹا دیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ برداشت کرنے کا عادی ہو جائے اور خدا کے آستانہ پر دعا اور عبادت کے لئے جھک جائے۔ یعنی کسی حالت میں بھی مُسلمان مایُوس نہیں ہوتا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا اُمیدوار رہتا ہے۔

ف۳ **شہید زندہ ہیں** جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں اور خدا کے حضور اپنے خون کا ارمغانِ ثمین پیش کریں، وہ ہرگز نہیں مرتے۔ تاریخ کے صفحات میں، دل کی گہرائیوں میں، بہادروں کے تذکرے ہیں اور اللہ کے ہاں وہ زندہ ہوتے ہیں۔ یعنی میدانِ جنگ میں مرنا موت نہیں۔ بسترِ مرگ پر بُزدلانہ جان دینا موت ہے۔ کفار ان لوگوں کو جو جہاد میں شہید ہو جائیں، کہتے ہیں کہ وہ ناحق مر گئے۔ منافقین کا خیال تھا کہ وہ اگر میدانِ جنگ میں نہ جاتے تو موت کے مضبوط چنگل سے بچ جاتے۔ قرآن حکیم کہتا ہے۔ تم جسے موت سمجھتے ہو، اس پر ہزار زندگیاں قربان۔ اللہ کے ہاں جو اُن کے مرتبے ہیں وہ تمہارے نہیں۔ یہ زندگی جو شہدا کے لئے ہے، عام مادی زندگی سے مختلف ہے۔ یہ مدارج و مراتب کی زندگی ہے نہ معمولی محسوس زندگی۔ اس لئے فرمایا کہ تم اس زندگی کے لطف کو نہیں جان سکتے۔

حلِ لُغات

اَمْوَاتٌ۔ جمع میت۔ مُردہ۔ مرا ہوا + نَبْلُوَنَّ۔ مصدر بَلَآءٌ آزمائیں + خَوْفٌ۔ ڈر۔

۱۵۶۔ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

۱۵۶۔ کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا کا مال ہیں اور اُسی کی طرف جانے والے ہیں ۝

۱۵۷۔ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

۱۵۷۔ ایسے ہی لوگوں پر اُن کے رب کی طرف سے رحمت اور مہربانی ہے اور وُہی ہدایت پر ہیں[ف۱] ۝

۱۵۸۔ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝

۱۵۸۔ بیشک صفا اور مروہ (پہاڑ) خدا کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو کوئی خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، اُس کو ان دونوں کا طواف کرنا گناہ نہیں۔ اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو خدا (اُس کا) قدر دان اور دانا ہے[ف۲] ۝

۱۵۹۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝

۱۵۹۔ جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ بعد اس کے کہ ہم اُن لوگوں کیلئے کتاب میں بیان کر چکے ہیں تو اُس پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں[ف۳] ۝

بلند نصب العین

ف الٰہی کتب کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ انسان کو کشاکش ہائے حیات کے لئے پُوری طرح تیار کر دے۔ یعنی اس کے دل و دماغ کو اتنا بلند اور آمادۂ صبر کر دے کہ وہ سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی مرکزِ عقل و دانش سے نہ ہٹیں۔ قرآنِ حکیم نے اس مقصد کو جس خوبی سے پُورا کیا ہے، دنیا کی کوئی کتاب اس کی اس میں شریک و سہیم نہیں۔ قرآنِ حکیم کا نظریۂ حیات یہ ہے کہ دُنیا میں مصائب و حوادث کا وقوع فطری اور ناگزیر ہے۔ کبھی خوف و ہراس سے دل دہل جاتے ہیں اور کبھی فاقہ و افلاس سے چہروں پر پژمردگی طاری ہو جاتی ہے اور پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عزیز جانوں کا ضیاع ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ غرضکہ جب تک اس دُنیا میں ہیں، اِن مصائب سے خلاصی نہیں۔ البتہ وہ جو "صابر" ہیں، انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ اُن کے لئے یہ ابتلاء امتحان کا یہ خارستان بھی گل کدۂ عیش ہے۔ کیونکہ وہ اپنے ذہنی افق کو اس درجہ بلند ابتلا کر لیتے ہیں کہ وہاں مصائب کا کوئی خیال تکدر پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ہماری زندگی اور موت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اگر سکھی ہیں تو بہر حال اس کو اپنے فرائضِ عبودیت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس ایمان کے بعد کوئی بڑے سے بڑا دکھ بھی تکلیف دہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ الم کا تعلق ہونے والے واقعات سے نہیں، بلکہ احساسات سے ہے۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ اس قسم کے لوگ ہی راہِ راست پر ہیں اور یہی وہ ہیں جو اللہ کی رحمتوں کے سزاوار اور مستحق ہیں۔

اللہ کے شعائر ف۲ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑ ہوتی ہے۔ یہ ان معنوں میں اللہ کے شعائر ہیں کہ ان سے مناسک کا وہ حصّہ وابستہ ہے جس کی ادائیگی سے عجیب طرح کی للّٰہیت پیدا ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مقام خلوص و ایمان کے بے پناہ جذبات کے پیدا کرنے میں ممد و معاون ہیں۔ انہیں اللہ کے شعائر اس لئے کہا کہ ہم مناسک کی رُوحانیت کو فراموش نہ کریں اور صرف ظاہری رسوم کو صحیح نہ سمجھیں، بلکہ اس کی رُوحانیت اور اثر کو برقرار رکھیں۔ لَا جُنَاحَ اس لئے کہا کہ پہلے ان دو پہاڑیوں پر بُت رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے اس لئے کہ شائبہ شرک نہ ہو، طواف کرنے سے تامّل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کوئی مضائقہ نہیں مسلمان مشرک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس اندازِ بیان سے وجوبِ سعی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نفی تحرج کی ہے نہ عدمِ سعی کی۔ اس لئے جمہور فقہا کا مذہب ہے کہ سعی واجب ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور جناب عائشہ صدیقہؓ بھی اسی طرف گئی ہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

حلِ لغات۔ صَلَوٰتٌ جمع صَلٰوة بمعنی رحمت۔

۱۶۰۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

۱۶۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○

۱۶۲۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ○

۱۶۳۔ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ ع

۱۶۰۔ مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح پر آگئے اور ان باتوں کو کھول دیا تو ایسے ہی لوگوں کو میں مُعاف کرتا ہوں اور مَیں مُعاف کرنے والا مہربان ہوں ○ ف۱

۱۶۱۔ جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے، اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے ○ ف۲

۱۶۲۔ وہ ہمیشہ لعنت ہی میں رہیں گے۔ نہ اُن کا عذاب ہلکا ہوگا اور نہ انہیں مُہلت ملے گی ○ ف۲

۱۶۳۔ اور تمہارا خُدا ایک خُدا ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر وہی بخشنے والا مہربان ہے ○ ف۳

۱۹ ع ۱۱ ۲

(بقیہ صفحہ ۵۴) اور اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے ہوئی۔ جس میں لاجناح کی تشریح حضرت عائشہؓ نے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان انصار اسلام سے پہلے مناۃ کی پُوجا اور اعزاز میں سعی کرتے تھے۔ جب اسلام لائے تو انہوں نے سعی وطواف میں تامل کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کوئی مضائقہ نہیں تمہاری نیتیں نیک ہیں۔

ف۳ ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے "مروہ" کا ذکر بائیبل میں موجُود ہے لیکن یہودی اپنی عادتِ کتمان کے بموجب اس کو چھپاتے ہیں۔ اس لئے ان پر اللہ کی لعنت ہے اور تمام لوگوں کی۔ یعنی یہ کتمانِ حق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے دُور ہیں اور تمام ایماندار اشخاص بھی انہیں قابلِ رحم نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی آج بھی باوجود تمول وتعلیم کی فراوانی کے تمام دنیا کی نظروں میں ذلیل ہیں اور انہیں کوئی اخلاقی و رُوحانی درجہ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ مغرب میں "یہودی" ایک قسم کی گالی ہے جسے کوئی غیر یہودی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف خدا تعالیٰ کی جہاں اور صفاتِ حسنہ ہیں، وہاں اس کا توّاب و رحیم ہونا بھی ایک صفت ہے۔ یعنی وہ ہمارے گناہوں کی توبہ، گناہوں سے کامل نفرت کے بعد بخش دیتا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کو دعوتِ استغفار ہے کہ وہ اگر سچے دل سے اپنی بداعمالیوں کا اقرار کریں اور آئندہ کے لئے اصلاح کریں اور پھر اپنی تمام شرارتیں جو انہوں نے کتاب کی تحریف کے سلسلہ میں کی ہیں، ظاہر بھی کر دیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے گا اور اُن کے گناہ معاف کر دے گا۔ اس لئے کہ گناہ کرنے سے خدا کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ سعی کرنے سے اُس کی خُدائی میں کچھ اضافہ ہوتا ہے۔ یہ سب اعمال تو انسان کی اپنی اصلاح کے لئے ہیں۔ اس لئے بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے بعد بھی اگر ہم اصلاح کریں تو اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں۔

ف۲ وہ لوگ جو کفر وعصیان کی حالت میں مرتے ہیں اور حقائق و دلائل کے باوجُود انکار پر مصر رہتے ہیں، اُن کے لئے نجات کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ ہمیشہ اللہ کے غضب اور پاک سرشت فرشتوں کی ناراضگی میں اور تمام لوگوں کی نگاہِ نفرت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اللہ کی رحمتوں سے دُور، ملائکہ کی توجہاتِ رُوحانی سے محروم اور پاکباز گروہ کی عنایات سے الگ ذلّت و لعنت کے عمیق گڑھوں میں رہیں گے۔ نہ تو اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اُن کے فردِ اعمال پر نظرِ ثانی کی جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں حق کی طرف رجوع کرنے کا قصد بھی نہیں کیا۔ وہ سچائی کی طرف کبھی نہیں جھکے اور اسلام کی عالمگیر صداقتوں پر انہوں نے اپنے اوقات کا ایک لمحہ صرف نہیں کیا۔ لہٰذا انہیں سزا بھگتنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ سے مراد یہ نہیں کہ اللہ کی نظریں ان پر نہیں پڑیں گی۔ یا وہ اللہ کے احاطۂ علم ونظر سے دُور ہو جائیں گے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ شفقت ورحمت کی نظروں سے محروم رہیں گے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا جذبۂ رحم اُن کے لئے موجزن نہ ہوگا اور جس طرح دنیا میں وہ اللہ سے کھچے کھچے رہے ہیں، اللہ بھی آخرت میں ان سے بے نیازی سے رہے گا۔

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

۱۶۴- اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

۱۶۴- بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن رات کی تبدیلی میں اور کشتی میں جو دریا میں لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے چلتی ہے اور اُس میں جو اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا اور اُس نے زمین کو اُس کے مرے پیچھے زندہ کیا اور اُس میں ہر قسم کے حیوان پھیلائے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل جو آسمان و زمین کے درمیان قابو کیا ہوا [...] عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں ف ۝

۱۶۵- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

۱۶۵- اور لوگوں میں سے بعضے وہ ہیں جو خدا کے سوا شریک پکڑتے ہیں۔ وہ اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت خدا سے

(بقیہ صفحہ ۵۵)

فٓ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح اُس کا کوئی شریک وسہیم نہیں اسی طرح اس کا رحم وکرم بے پایاں ہے۔ وہ رحمٰن ہے۔ وہ رحیم ہے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ ایک نفس منفوس بھی جہنم میں جائے یا اس کے غضب وجلال کا مستحق ہو۔ کیونکہ یہ اس کی ذاتِ کرم آیات کے خلاف ہے۔ اس لئے اگر کوئی خواہ مخواہ اس کی مخالفت کرے۔ یا اس کی آغوشِ رحمت سے نکلنا چاہے تو وہ مجبور نہیں کرتا۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

قرآن کا اسلوبِ تفہیم

ف قرآن کا طرزِ استدلال اس قدر جاذب، فطری اور سادہ ہے کہ منطق ہزار جان سے بلائیں لیتی ہے۔ وہ مصنوعی اصطلاحات کے گورکھ دھندوں میں ہمیں نہیں پھنساتا۔ بلکہ روزمرہ کے اصُولی مشاہدات اس طور پر ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے کہ غور وفکر کی تمام قوتیں بیدار ہو جائیں اور معارف وحکم کے دریا بہنے لگیں۔ اس طرزِ استدلال کی مثال یہ ہے کہ وہ سمندر کی تعریف نہیں کرتا اس شخص کے سامنے جس نے سمندر نہیں دیکھا یعنی وہ یہ نہیں کہتا کہ سمندر ایک بہت بڑا ذخیرۂ آب ہے۔ بلکہ براہِ راست طالب کو ساحلِ سمندر پر لا کھڑا کرتا ہے۔ تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے سمندر کے تلاطم وتموج کو دیکھے۔ طریقِ تفہیم اس درجہ کامیاب وصحیح ہے کہ کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔ مثلاً ان آیات میں خدا تعالیٰ کو اپنی ذات کا اظہار اور ثبوت بتانا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ وہ صرف ایک ہے۔

یہ بتاتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کا ایک مقصد ہے اور نظامِ حشر وقیامت ایک حقیقتِ ثابتہ ہے تو وہ الگ موضوع قائم نہیں کرتا۔ دلائل کی مصنوعی تحلیل وتقریب میں نہیں اُلجھتا۔ بلکہ مشاہدات کو اس طرح نظروں کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ مضرابِ عقل میں خود بخود تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور ذہن انسانی ان تمام باتوں کو خود بخود جان جاتا ہے اور اس کے بعد بھی غور وفکر کی وسعتیں ختم نہیں ہوتیں۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ رات ودن کے اختلاف میں، جہاز وکشتی کے چلنے میں، ابر وباراں کے حیات بخش اثرات میں، زمین پر مختلف النوع حیوانات کے رہنے میں، ہواؤں کے اِدھر سے اُدھر چلنے میں اور ابر کی تسخیر میں عقل مندوں کے لئے دلائل ہیں۔ دیکھئے کس سادگی سے قرآنِ حکیم نے کلام وفلسفہ کے تمام مدارج طے کرا دیئے ہیں۔

اس حیثیت سے کہ یہ ساری چیزیں ایک افادہ ونظام کے ماتحت ہیں۔ ایک باشعور وبا ارادہ ذات کو چاہتی ہیں۔ یہ اثباتِ باری ہے اس حیثیت سے کہ ان میں ایک وحدت پس پردہ کارفرما ہے، توحید کی متقاضی ہیں اور پھر اس لئے کہ ان سب میں ایک نفع ہے مقصد ومنتہا کو چاہتی ہیں۔ اثباتِ حشر ونشر ہے۔

کیا کوئی کتاب اتنا بلیغ، واقعی اور جاذبِ غور وفکر، نہج استدلال اپنے طرزِ تفہیم وتبیین میں رکھتی ہے؟

حلِ لغات

اَلْفُلْكُ۔ کشتی + بَثَّ۔ پھیلایا۔ آباد کیا + دَآبَّةٍ۔ ہر جاندار + اَنْدَادًا۔ شرکاء۔ ساجھی۔ جمع نِدٌّ۔

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○

۱۶۶- اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○

۱۶۷- وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ع ○

چاہئے اور وُہ جو ایمان دار ہیں وُہ خدا کی محبّت میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں اور کاش یہ ظالم وہ گھڑی دیکھ لیں جس گھڑی عذاب دیکھیں گے (اور جو اُس وقت جانیں گے اب جان لیں) کہ سب قوت خدا کو ہی ہے، اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ ف

۱۶۶- جب وہ بیزار ہوں گے جن کی اطاعت کی گئی تھی، اُن سے جو تابع ہوئے تھے اور وُہ عذاب کو دیکھیں گے اور اُن کے سب طرح کے تعلقات کٹ جائیں گے ○

۱۶۷- اور یہ تابعین (پیرو) کہیں گے۔ اگر ہم دوبارہ دُنیا میں جائیں تو اُن سے بیزار ہوں گے، جیسے یہ یہاں ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اللہ اُن کے اعمال افسوس دلانے کو اُن پر ظاہر کرے گا اور وُہ آگ سے نکلنے نہ پائیں گے ○

ع ۲۰

مشرک کی بیچارگی

ف یہ محبُوب و مہربان خدا جو اپنی طرف سے کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ ہر گناہ کو بخش سکتا ہے، مگر شرک کو نہیں۔ اس میں اُس کی عظمت و کبریائی کی توہین ہے۔ اُس کا غضب جوش میں آجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ظالم قیامت کے دن سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے اور اس وقت یہ محسُوس کریں گے کہ آج قوت و اختیار کے تمام خزانے صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جنہیں دُنیا میں اپنی قسمتوں کا مالک و مختار سمجھتے تھے، آج انتہائی بے چارگی میں پائیں گے۔ تمام رشتے اور تمام تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مشیخت و ارادت کے علائق منقطع ہو جائیں گے۔ وہ جنہیں دنیا میں رہبر و رہنما سمجھتے تھے، ہٹ مار اور مجرم ثابت ہوں گے۔ وہ جن کی پرستش کرتے تھے، آج اُن سے ابتری اور بے زاری کا اظہار کریں گے۔ کوئی باپ بیٹے کی سفارش نہ کر سکے گا۔ کوئی شیخ اپنے مرید کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہوگا۔ مشرکین کی حالت اُس وقت عجیب بے چارگی کی ہوگی۔ اس کی تمام توقعاتِ باطلہ خاک میں مل جائیں گی۔ وہ چاہے گا کہ اُسے دوبارہ دُنیا میں جانے کا موقع ملے تاکہ وہ اعمال کی اصلاح کر سکے۔ لیکن یہ خدا کے مقرر کردہ قانون کی توہین ہے۔ وہ کسی کو دوبارہ موقع نہیں دیتا۔ وقت کے جو لمحات گزر جاتے ہیں، وہ پھر واپس نہیں آتے۔ شاخِ گل مُرجھا جانے کے بعد کاٹ لی جاتی ہے، دوبارہ ہری نہیں ہوتی۔ بچہ مرنے کے بعد دوبارہ بطنِ مادر میں نہیں بھیجا جاتا۔ زندگی کا تیز قدم آگے ہے۔ پیچھے ہٹنا قدرت کی تیز روی کے متناقض ہے۔ اس لئے ان کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا جائے گا اور ان کے یہ اعمالِ بد اُن کے لئے ہمہ حسرت بن جائیں گے۔

حلِ لغات

اَلْاَسْبَابُ۔ رشتے۔ جمع سَبَبٌ۔

كَرَّةً۔ دوبارہ۔ دوسری دفعہ۔

نَتَبَرَّاَ۔ اصل مادہ تَبَرُّءٌ یعنی اظہارِ بُرأت۔

١٦٨- يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○

١٦٩- إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

١٧٠- وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○

١٧١- وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَّ

١٦٨- لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور ستھرا ہے، اُسے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ کیونکہ وُہ تمہارا کھلا دشمن ہے ف۱ ○

١٦٩- وُہ تمہیں صرف بدی کرنے کا اور فحش کاموں کا اور خدا کی نسبت وُہ باتیں جو تمہیں معلوم نہیں بولنے کا حکم دیتا ہے ○

١٧٠- اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو خُدا نے نازل کیا ہے اُس کے تابع ہو جاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ جن باتوں پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اُنہیں پر چلیں گے۔ بھلا کیا اُس حالت میں بھی کہ اُن کے باپ دادے نہ کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں ف۲ ○

١٧١- کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ایک چیز ناسمجھ (مثلاً جانوروں) کو پکارتا ہے جو صرف چلّانا،

اکلِ حلال

ف۱ عرب میں ایسے قبائل بھی تھے ثقیف و خزاعہ کی طرح جو حلال چیزوں کو حرام قرار دے لیتے تھے اور ایسے بھی تھے جو حرام اور مکروہ چیزیں استعمال میں لاتے تھے۔ قرآنِ حکیم نے ان آیات میں اکلِ حلال کی طرف توجہ دلائی ہے۔

حلت و حرمت کا مسئلہ اس لئے قابلِ لحاظ ہے کہ خوراک کا مسئلہ براہِ راست ہمارے اخلاق سے تعلق رکھتا ہے! باحتِ مُطلقہ جہاں صحت کے لئے مضر ہے وہاں اخلاق کے لئے بھی مفید نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خاص خاص قسم کی غذائیں خاص خاص نوع کے اخلاق و عادات پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہیں۔ اِس لئے وہ مذہب جو اصلاحِ اخلاق کا مدعی ہے۔ ضرور ہے کہ خوراک کے مسئلے سے شدید تعرض کرے۔ ماکولات و مشروبات میں آزادی آزادی نہیں' بدپرہیزی ہے۔

حُرمت کے سلسلے میں چند چیزیں اسلام نے ملحوظ رکھی ہیں:۔

(ا) فطرتِ عام کا خیال یعنی وہ چیزیں جنہیں عام فطرتِ انسانی بطور ماکول و مشروب استعمال نہیں کرتی اور ذوقِ سلیم گوارا نہیں کرتا (ب) وہ چیزیں جو سخت مضر ہیں وہ بھی حرام ہیں (ج) وہ اشیاء جو مضر اخلاق و عادات پیدا کریں، ان کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا (د) وہ جن کے استعمال سے شرک پھیلنے کا اندیشہ ہو۔

اِن کے علاوہ ہر چیز جو پاکیزہ ہو۔ ذوقِ سلیم پر اس کا کھانا گراں نہ ہو' حلال ہے۔ طیّب کے معنی یہ ہیں کہ اسے جائز وسائل سے حاصل کیا گیا ہو۔ یعنی ایک چیز اگر حلال ہے لیکن اُسے چوری سے حاصل کیا گیا ہو تو اس کا کھانا درست نہیں۔

اسلام چونکہ دنیا کا پاکیزہ ترین مذہب ہے۔ اس لئے وہ زندگی کے ہر شعبے میں پاکیزگی چاہتا ہے۔ نیز ان آیات میں بتایا ہے کہ خواہ مخواہ لذائذ کو اپنے نفس پر حرام قرار دے لینا درست نہیں۔ ہر چیز جو اللہ نے پیدا کی ہے، اگر وہ حلال و طیّب ہے تو اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پرہیزگاری یا تورّع اس پر موقوف نہیں کہ خدا کی نعمتوں کو نہ استعمال کیا جائے۔ بلکہ اس میں ہے کہ باندازۂ نعمت اللہ کا شکریہ ادا کیا جائے اور شیطان کی اطاعت سے گریز کیا جائے۔ اس کی تمام راہوں سے احتراز کیا جائے۔ وہ جو لذائذ سے محروم ہے' وہ بھی گناہ گار ہو سکتا ہے اور وُہ جس کو سب نعمتیں حاصل ہیں' وہ بھی اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے۔ اس لئے اصل چیز ترکِ لذت نہیں' بلکہ اللہ کا ڈر ہے۔

ف۲ ان آیات میں مشرکینِ مکّہ کے ہر دو تقلد کو واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ وضوحِ حق کے باطل پر اڑے رہتے ہیں اور کسی طرح بھی آباؤ و علماء کے غلط مذہب سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ خواہ اُن کے مقتدا کتنے ہی بے سمجھ و گمراہ ہوں۔ حالانکہ معیارِ قبول و ہدایت ہے' نہ کورانہ اطاعت۔

حلِ لغات

خُطُوٰت۔ جمع خطوۃ۔ دو قدموں کے درمیان۔ فاصلہ نقشِ پا۔ قدم بہ قدم + السُّوٓءِ۔ برائی + اَلْفَحْشَآءِ۔ بہت بری بات + یَنْعِقُ۔ مادہ نعوق۔ مال ڈھور کے پیچھے چلانا۔

نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○

اور پکارنا ہی سُنتے ہیں۔ بہرے ہیں۔ گُونگے ہیں۔ اندھے ہیں۔ وہ نہ سمجھیں گے ○

۱۷۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○

۱۷۲۔ مومنو! پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں، کھاؤ اور اللہ کا شُکر کرو۔ اگر تم اُسی کے بندے ہو ف۱ ○

۱۷۳۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

۱۷۳۔ سوائے اس کے نہیں کہ مُردہ اور لہو اور سُوّر کا گوشت اور جو غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوُا، تم پر حرام ہے۔ لیکن جو شخص ایسی حالت میں کہ باغی اور نافرمان نہ ہو، ناچار ہو جائے۔ اُس پر اُن کا کھانا کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲ ○

۱۷۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

۱۷۴۔ وہ جو کتاب میں سے خُدا کا نازل کیا ہوُا

ف۱ اِن آیات میں بتایا گیا ہے کہ محرماتِ منصوصہ کے سوا اللہ کی تمام نعمتیں قابلِ استعمال ہیں۔ تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ اللہ کی عبادت کا مفہوم بجز ادائے شکر کے اور کچھ نہیں۔ ترکِ لذّات غیر اسلامی اصُول ہے۔ قرآنِ حکیم نے کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ البتہ حرام اور ناجائز اشیاء سے پرہیز ضروری ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان تمام قوموں سے زیادہ خدا کا شکر گذار رہو۔ زیادہ مطیع و فرماں بردار رہو۔ نہ یہ کہ خدا کی نعمتوں کا استعمال نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے جو زہد و تقویٰ کا آخری نمونہ ہیں، کبھی اس قسم کا پرہیز نہیں کیا۔ بہتر سے بہتر چیز میسّر آگئی تو وہ کھالی اور جب کچھ نہیں ملا، کئی کئی دن کے فاقے ہیں اور پرواہ نہیں۔

زندہ رہنے کی کوشش کرو

ف۲ محرمات کے سلسلے میں مفصل بتایا جا چکا ہے کہ اس میں ذوقِ سلیم، صحتِ انسانی اور اخلاق کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس لئے محرمات کی جو فہرست بتائی ہے، اس کے لئے دلائل کا ذکر غیر ضروری سمجھا ہے۔ کیونکہ ہر شخص جسے ذوقِ صحیح سے بہرۂ وافر ملا ہو، وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کی حُرمت بیّن و ظاہر ہے۔ سب سے پہلے مُردار کی حرمت کو لیجئے۔ کیا کوئی مہذب اور شائستہ قوم مُردار کھانے کے لئے آمادہ ہو سکتی ہے۔ یہ ازمنہ وحشیہ کی یادگار ہے۔ چنانچہ اب بھی وہ قومیں جو تہذیب و تمدّن کی برکات سے محروم ہیں، مردار کھاتی ہیں اور شرفاء اسی وجہ سے اُن سے نفرت کرتے ہیں۔ نیز مُردار خوری سے پست و ذلیل قسم کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں جن میں کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مردار خوار قومیں ادنیٰ درجہ کی عادات میں مبتلا رہتی ہیں۔ خون کھانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس میں بھی وحشت و بربریت مترشح ہے اور اس سے خونخواری کے جذبات بڑھتے ہیں۔ نیز خون صحتِ انسانی کے لئے سخت مضر ہے۔ بالخصوص معدے اور دانتوں کے لئے۔ عرب خون کو باقاعدہ منجمد کر کے کھاتے تھے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ سوّر کے کھانے میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے گوشت میں جراثیم کثرت سے ہوتے ہیں جنہیں رودۃ الخنزیر کہتے ہیں اور وہ مضر ہوتے ہیں۔ دُوسرے اس سے قلب کے گرداگرد ایک خاص قسم کی چربی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے قلب کی حرکت میں خلل آجاتا ہے۔ اسے "تشحم" کہتے ہیں۔ اطبائے امریکہ کا خیال ہے کہ فوری موت جو حرکتِ قلب بند ہونے سے واقع ہوتی ہے اکثر و بیشتر نتیجہ ہوتی ہے سوّر کھانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کی ایک سوسائٹی نے اس کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کر دیا ہے اور وہ اس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

حلِ لغات

حَرَّمَ۔ ممنوع قرار دیا۔
اُهِلَّ۔ مشہور کیا گیا۔ مادہ اِهْلَالٌ۔
بَاغٍ۔ حد سے نکل جانے والا۔
عَادٍ۔ زیادتی کرنے والا۔

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

حکم چھپاتے اور اُس پر حقیر قیمت لیتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔ خدا اُن سے قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ اُنہیں پاک کرے گا اور اُن کے لئے دُکھ کا عذاب ہے ۝

۱۷۵۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝

۱۷۵۔ اُنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا ہے۔ سو کس چیز نے اُن کو آگ پر صابر کیا؟ ۝

۱۷۶۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝

۱۷۶۔ یہ اس سبب سے ہے کہ خُدا نے سچّی کتاب نازل کی اور جنہوں نے اس کتاب میں اختلاف ڈالا۔ وہ حد درجہ کے ضِدّی ہیں[ف۱] ۝

ع ۲۱

۱۷۷۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

۱۷۷۔ نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے مُنہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن نیکی اُس کی ہے،

(بقیّہ صفحہ ۵۶)

اور ایک وجہ یہ ہے کہ خنزیر کھانے سے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے دیکھ لو خنزیر کھانے والی قومیں غیرت وحمیّت کے تمام جذبات سے محروم ہیں اور فواحش ان میں حدِ اعتدال سے بڑھ رہا ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جنہیں غیر اللہ کے ناموں پر تبرّک مشہور کیا جائے۔ یہ اس لئے کہ ایسی چیزیں گو فی نفسہٖ حلال ہوں لیکن شرک پھیلانے کا موجب بنتی ہیں۔

اس کے بعد مخصوص حالات میں جب کہ ہم مجبور ہو جائیں اور ہمارے سامنے موت وحیات کا سوال درپیش ہو، بقدرِ ضرورت ان کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ مسلمان کی جان بہرحال عزت و احترام کے قابل ہے لیکن یہ وہ وقت ہوگا جبکہ ایک طرف کامل اضطرار ہو۔ مثلاً سخت بھوک ہو اور سوائے ان محرمات کے کوئی چیز میسّر نہ ہو اور موت کا خدشہ بلکہ یقینی ہو۔ دُوسری طرف اس کا یقین ہو کہ ان کے استعمال سے میں بچ سکتا ہوں۔ ان کے علاوہ معمولی حالات میں جب کہ ان کا بدل مل سکے اور شفاءِ قطعی نہ ہو، استعمال ممنوع ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف۱ قوم کے لئے جب کتاب اللہ سے تمسّک قائم رہے۔ فرق و جماعات الگ الگ نہیں بنتیں اور جب کتاب اللہ میں تحریف و تاویل کے ذریعہ مختلف قسم کے فرقے بنائے جائیں تو پھر وحدتِ دینی اور اخوتِ مذہبی مفقود ہو جاتی ہے۔ یہودیوں نے جب تک توراۃ کو اللہ کی کتاب سمجھا، غالب رہے اور جب تعصّب نے انہیں مختلف قوموں میں بانٹ دیا۔ قومی حیثیت سے مٹ گئے۔ اس لئے اصل شے جو مدارِ قومیت ہے، جب وُہی نہیں تو پھر قومیت کہاں؟

ان آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے توراۃ کی جو کتابِ حق ہے، مخالفت کی۔ اس لئے اب ان میں اختلافات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ مٹائے نہیں جا سکتے۔

حلّ لُغات

بُطُوْنٌ ۔ جمع بطن ۔ پیٹ ۔
شِقَاقٌ ۔ پھُوٹ ۔
بِرٌّ ۔ نیکی ۔
وَجْهَه ۔ منہ جمع وُجُوْهٌ ۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

جو خدا پر اور آخری دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال باوجود محبوب ہونے کے قرابتیوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور منگتوں کو دے اور گردنیں چھڑانے میں خرچ کرے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور قول و اقرار کر کے اپنا عہد پورا کرنے والے اور جو سختیوں اور تکلیفوں اور لڑائی کے وقت صابر ہیں۔ وُہی لوگ سچے اور پرہیزگار ہیں ۝

نیکی کا مفہوم

عام لوگ رسوم ظاہری تک ہی تقوٰی کا مفہوم محدود رکھتے ہیں۔ اور دیگر حالات پر غور نہیں کرتے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب دین کی رُوح باقی نہ رہے اور قشر و ظاہر پر سختی سے عمل ہو۔ جب کبھی قوم کی یہ حالت ہو تو سمجھ لیجئے وہ حقائق دین سے قطعاً محروم اور برائے تمام مسائل پر محض رکھ رکھاؤ کے لئے عامل ہے۔ نزولِ قرآن مجید کے وقت یہودیوں اور عیسائیوں کی بالکل یہی کیفیت تھی۔ فسق و فجور میں ہمہ وقت سرشاری کے باوجود ایک دُوسرے کو کافر کہتے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل پر جھگڑتے۔ معمولی اختلافات ڈالتے یا اختلافِ عمل اُن کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا۔ لیکن عملی زندگی میں بڑی سے بڑی بدمعاشی ان کے لئے نہ صرف گوارا ہوتی بلکہ راحتِ جان۔ تحویلِ قبلہ کے موقع پر اِن لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھئے مسلمان بدل گئے۔ انبیاء کے مسلمہ قبلے سے رُوگرداں ہو گئے اور الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو گئے۔ قرآنِ حکیم نے اس اعتراض کے متعدد جواب دیئے اور آخری جواب وہ دیا جو اِن آیات میں مذکور ہے کہ مدارِ مذاہب ظاہر شعائر و رسوم نہیں۔ ان کا مغز اصل ہے۔ بیت المقدس یا کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھ لینا ہی کافی نہیں، بلکہ ان کے لئے ضروری ہے۔ لوازم کا بھی خیال رہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بیت المقدس کو قبلہ مان کر تم شریعت کی ہر ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہو؟ کیا اس کے بعد تمہارے لئے ہر بُرائی جائز و دُرست ہو جاتی ہے؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ جب تک مشرق و مغرب کی تعیین نہ ہو، نیکی کا مفہوم ہی غلط رہتا ہے؟ نہیں۔ کعبہ ہو یا بیت المقدس، ان کو قبلہ بنانے کا مقصد یہ نہیں جو تم سمجھتے ہو کہ ظواہر پر اکتفا کر دیا جائے اور بس، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے دل میں شریعت کا پُورا پُورا احترام ہو۔ ظاہر کے ساتھ باطن کی باریکیوں پر بھی تمہاری نظر ہو۔ جذبۂ عمل پُورے جوش کے ساتھ کارفرما ہو۔ جہاں دل کی گہرائیاں ایمان باللہ کی روشنی سے روشن ہوں، وہاں اس کے نتائج بھی عیاں ہونے چاہئیں۔ تم ادعائے پاک باطنی کے ساتھ بظاہر بھی پاک بننے کی کوشش کرو۔

دس احکام

اس توضیح کے بعد وہ دس چیزیں بتائیں جو اساس الدین ہیں۔ اور جو حقیقی معنوں میں صلاح و تقوٰی کا معیار ہیں اور جن سے صدق و صفا کو واقعی طور پر پرکھا جا سکتا ہے۔

(۱) ایمان باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ۔ اس سے پُوری پُوری محبت۔ یہ احساس اخلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بے نیازی قطعاً صحیح اخلاق پیدا کرنے میں ممد و معاون نہیں ہو سکتی (۲) ایمان بِالْاٰخِرَۃِ۔ یعنی مکافاتِ عمل کے نظام پر محکم ایمان۔ ظاہر ہے جب تک اعمال کے اثمار و نتائج کو قطعی نہ مانا جائے۔ نیکی کے لئے دل میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ بُرائی سے کوئی خوف پیدا ہو سکتا ہے (۳) ایمان بِالْمَلٰٓئِکَۃِ۔ یعنی فرشتوں کے وجود و وظائف پر ایمان ہو۔ یہ ایمان بالکتب کی تمہید ہے (۴) ایمان بالکتب۔ یعنی خدا کے نوشتوں پر ایمان۔ کہیں ہوں، کسی زبان میں ہوں۔ اللہ کا کوئی رسُول لے کر آیا ہو۔

(باقی صفحہ ۶۲ پر)

حلِ لُغات

اَلرِّقَاب۔ جمع رقبۃ۔ گردن۔ یعنی وہ جس کی گردن میں غلامی کا جُوا ہو۔

۱۷۸۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

۱۷۸۔ مومنو! مقتولوں کا قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ آزاد[ف] کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف ہو جائے تو چاہیئے کہ دستور کے پیچھے لگے اور اُس کی طرف نیکی سے ادا کیا جائے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی زیادتی کرے تو اُس کو دُکھ کا عذاب ہوگا ۝

۱۷۹۔ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

۱۷۹۔ اور اے عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ شاید تم پرہیزگار ہو جاؤ ۝

۱۸۰۔ كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

۱۸۰۔ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت

(بقیہ صفحہ ۶۱)

(۵) ایمان بالنبیین یعنی سلسلۂ انبیاء کی تمام کڑیوں کو ماننا۔ تمام فرستادوں کا بلا تخصیص احد سے احترام کرنا کہ تعصب پیدا نہ ہو اور سارے انسان متحد و متفق ہو کر رہ سکیں (۶) خدا کی راہ میں دینا یعنی بخل و امساک کی عادت نہ ہو۔ فیاضی و سیر چشمی پیدا کرے۔ اپنے اقربا کی حتّی الوسع مدد کرے۔ مسکینوں اور یتیموں کی ضروریات کو پورا کرے۔ مسافر اور دیگر سائلین کی حاجات کا مداوا بننے اور غلاموں کی آزادی میں ساعی ہو (۷) اقامت الصلوٰۃ یعنی پابندی اور شرائط و لوازم کے ساتھ نماز پڑھے، تاکہ اُس میں سچے معنوں میں رُوحانیت پیدا ہو (۸) اداءِ زکوٰۃ (۹) ایفائے عہد (۱۰) صبر و استقامت۔

ظاہر ہے کہ جس میں یہ دس صفات ہوں گی وُہ خدا کا محبوب ہوگا۔ نہ وہ جو صرف ظواہر و رسوم پر مغرور ہو۔ خطاب یہُود سے ہے کہ دیکھو یہ چیزیں مسلمانوں میں موجود ہیں یا نہیں۔ اگر موجود ہیں تو معلوم ہُوا تحویلِ قبلہ نے اُن کے اعمال اور اُن کی خدا پرستی میں کوئی مضرت پیدا نہیں کی۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

آزاد کے بدلے آزاد

ف اسلام سے پہلے قصاص و انتقام کا مفہوم بھی صاف نہیں تھا یعنی اگر قاتل امیر ہوتا تو چھوڑ دیتے اور اگر غریب ہوتا تو کچھ روپیہ لے کر مُعاف کر دیتے اور اگر غلام ہوتا تو پھر ان کی شریعت نوازی جوش میں آجاتی جس کے معنی یہ ہیں کہ تعزیرات کا باب صرف غربا کے لئے ہے اور روپیہ خدا کے قانون میں نرمی پیدا کر سکتا ہے۔ قریش مکہ بھی اس مذموم ذہنیت سے آلودہ تھے۔ اُن کے سردار و صنادید محض سرمایہ داری کے بل پر ہر تعزیر سے بچ جاتے۔ قرآنِ حکیم جو عدل و انصاف کا اعلان ہے بھلا کب اس ظلم اور جنبہ داری کو برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے فرمایا کہ قصاص کے مُعاملہ میں کوئی رعایت نہیں۔ آزاد کے بدلے آزاد مارا جائے اور عزت و سرمایہ کو کوئی درجہ نہ دیا جائے۔ اس لئے کہ خدا کے ہاں سب کا درجہ یکساں ہے! اس کے کسی ایک بندے کو حقوقِ زندگی سے محروم کر دینا بہرحال سزاوارِ تعزیر ہے۔

عفو بہتر ہے

قاتل کے ورثاء اگر مقتول کے ورثاء کو کچھ دے دلا کر راضی کر لیں یا مقتول کے ورثاء انتقام نہ لینا چاہیں اور معاف کر دیں تو فرمایا یہ بہتر ہے۔ مِنْ اَخِیْهِ کہہ کر گویا ترغیب دی ہے کہ عام حالات میں معاف کر دیا کرو۔ اخوت و ہمدردی کا یہی تقاضا ہے! اس سے معلوم ہُوا کہ اسلام عفو کو بہرحال مُقدّم سمجھتا ہے۔ بات بھی یہی درست ہے کہ تا حدِ مقدور حُسنِ سلوک بجائے خود ایک کڑی سزا ہے جس کا اثر نہایت گہرا ہوتا ہے مگر ہر حالت میں نہیں، بعض حالات میں۔ (باقی صفحہ ۶۳ پر)

حلِّ لغات

اَلْقِصَاصُ۔ بدلہ۔ مجازات: انتقام۔

اَلْحُرُّ۔ آزاد۔ اَلْعَبْدُ۔ غلام۔

إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝

آپکڑے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ اپنے والدین اور ناطے داروں کے لیے حسبِ دستور وصیت کر کے مرے۔ (یہ) حق ہے متقیوں پر ف ○

۱۸۱۔ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

۱۸۱۔ پھر جو کوئی سُننے کے بعد اس وصیت کو بدلے گا اُس کا گُناہ بدلنے والے پر ہوگا اور خُدا جانتا سُنتا ہے ○

۱۸۲۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ع

۱۸۲۔ پھر جو کوئی وصیت کرنے والے کی طرفداری یا گُناہ سے ڈرا اور اُس نے اُن کے درمیان صُلح کرادی، اُس پر کچھ گُناہ نہیں۔ بیشک خُدا بخشنے والا مہربان ہے ○

۱۸۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

۱۸۳۔ مومنو! تم پر روزہ فرض ہوا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۶۲)

قصاص ہی میں عافیت ہے

وہ طبیعتیں جو شریر اور فتنہ پرداز ہیں وہ کسی طرح معافی سے متاثر نہیں ہوتیں، بلکہ بعض دفعہ اس قسم کی نرمی کا اثر اُن کے طبائع پر اُلٹا پڑتا ہے۔ وہ اس حُسنِ سلوک کو جُبن و بزدلی سے تعبیر کرتی ہیں۔ ان کا علاج بجز انتقام و قصاص کے اور کوئی نہیں۔ تعزیرات کے باب میں اسلام کی خصُوصیّت دیگر مذاہب سے یہ ہے کہ اس میں عام نفسیات کا پُوری طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ جن مذاہب میں "دانت کے بدلے دانت" کی سزا مقرر ہے اور مُعافی کے لئے کوئی گنجائش نہیں، وہ بھی فطرتِ انسانی سے دُور ہیں اور وہ جو ہمیشہ ہمہ عفو ہے، اسے بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام میں یہ جامعیت ہے کہ وہ ہر شے کا لحاظ رکھتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ بعض دفعہ مُعاف کر دینا نتائج کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے اور بعض دفعہ سزا دینا جب فطرتِ انسانی قبول و تاثر کے لحاظ سے مختلف ہے تو پھر ایک سچے فطری مذہب کے لئے اس کی رعایت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ "دشمن سے بھی پیار کرو" نہایت اچھے لفظ ہیں۔ یقیناً ان سے بلند اخلاق کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن عملی دُنیا میں اس پر کہاں تک عمل ہو سکتا ہے۔ اس کا پتہ لگانا ہو تو یورپ کا موجودہ طرزِ سیاست دیکھو! اس میں جس اصول پر عمل کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ "دوستوں کو بھی دشمن سمجھو" کیا اس حقیقت کے بعد بھی مسیحی مبلغین اس تعلیم پر ناز کریں گے جس پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔ عیسائیت اور اسلام میں بڑا امتیاز یہ ہے کہ اخلاق و تعزیرات کے بارے میں عیسائیت نے صرف فرد کو ملحوظ رکھا ہے۔ جماعتی مصالح اُس کے پیشِ نظر نہیں۔ مگر اسلام نے فرد و جماعت ہر دو کی تکمیل کو مدِ نظر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات بہرحال قابلِ عمل ہیں۔ مثلاً یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک کامل اور بُردبار انسان شریر کا مقابلہ نہ کرے اور مار کھاتا رہے۔ لیکن شریر سے یہ توقع کیوں رکھی جائے کہ وہ بھی شرافت سے متاثر ہوگا۔ کیا یہ نری سادگی نہیں؟ اور پھر یہ اصول قوموں میں رائج کیسے ہو سکتا ہے؟ یورپ کے مستعمرانہ اعتراض ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ نہی پر عمل کرے۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنہیں عفو و صلح کی تعلیم دی گئی تھی وہی سب سے بڑھ کر ظالم و سفاک ثابت ہوئے۔ اُن کی تاریخ کا ہر ورق بربریت و وحشت کا بدترین نمونہ ہے۔ اور وہ جنہیں بقول عیسائیوں کے سوا جہاد اور قصاص کے کچھ سکھایا نہیں گیا وہ دُنیا میں سب سے زیادہ شائستہ، غیر متعصب اور صلح جُو رہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں؟ (حاشیہ صفحہ ھٰذا)

وصیت

ف اِن آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص مالِ کثیر رکھتا ہو (خیراً سے مُراد مالِ کثیر ہے) تو وہ والدین اور اقربا کے لئے علاوہ مقررہ حصّوں کے کچھ اور بھی بطورِ احسان و معونت کے وصیت کرے۔ بعض لوگوں نے اس حکم کو آیۂ وراثت کی وجہ سے منسوخ سمجھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ آیت کا اندازِ بیان اس کی مخالفت کرتا ہے۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ غیر منسُوخ آیت ہے اور یہ مال کی بہتات کی صُورت میں کوئی حرج نہیں کہ وصی والدین کے لئے کچھ زائد وصیت کر جائے۔ کیونکہ اس صُورت میں دُوسرے ورثا گھاٹے میں نہیں رہتے۔ بعض کے خیال میں یہاں والدین و اقربا سے وُہ مراد ہیں جو بسبب غیر مسلم ہونے کے وارث نہ ہو سکیں، مگر آیت میں اس قسم کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض ہُوا تھا۔ شاید تم پرہیزگار ہو جاؤ[1] ۝

۱۸۴- اَيَّامًا مَّعْدُودٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

۱۸۴- کئی روز ہیں شمار کئے ہوئے۔ پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا مُسافر[2]۔ وہ دُوسرے دنوں میں شمار کرے۔ اور جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ فدیہ دیں ایک فقیر کی خُوراک اور جو کوئی شوق سے نیکی کرتا ہے اُس کے لئے بہتر ہے اور جو تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے اچھا ہے' اگر تم سمجھ رکھتے ہو[3] ۝

۱۸۵- شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

۱۸۵- رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہُوا کہ وہ لوگوں کے لئے ہدایت اور راہِ ہدایت کی کھلی دلیلیں اور فرقان (یعنی فرق کرنے کی چیز۔ فیصلہ) ہے۔

فرضیتِ صیام

ف۱ صیام کے لفظی معنے رُکنے اور باز رہنے کے ہیں۔ اصطلاحِ قرآن میں مُراد ہے روزہ رکھنا یعنی ضبطِ نفس کی بہترین شکل۔ اسلام سے پہلے روزہ رکھنے کا رواج کم وبیش تمام قوموں میں موجود تھا اور سب اس کی تقدیس کے قائل تھے۔ روما والے بھی روزہ رکھتے تھے اور اہلِ کتاب بھی۔ ہنود کی کتابوں میں بھی برت کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن جس تکمیل کے ساتھ اسلام نے روزہ کا مفہوم پیش کیا ہے وہ پہلی قوموں میں نہیں ملتا۔ پہلے روزہ اور فاقہ میں کوئی فارق شے نہ تھی۔ اسلام نے بتایا کہ روزہ سے مقصُود فاقہ نہیں' تزکیۂ نفس ہے۔

فرضیتِ صیام کا واقعہ ہجرت سے تقریبًا دو سال بعد کا ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایک طرح کی رُوحانی ریاضت ہے اور جب تک نفوس میں اس اہم قربانی کے لئے ایک استعداد پیدا نہ ہو جاتی' اس کی تلقین بے موقع تھی۔

ان آیات میں اعلانِ فرضیت ہے اور یہ بتایا ہے کہ روزہ قدیم روایاتِ دستور کی ایک مکمل صُورت ہے۔ کوئی بالکل نئی چیز نہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے دل میں اس کی اہمیت پیدا ہو جائے۔

روزہ کا فلسفہ

ے بتایا ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی روزہ تم میں تقویٰ وصلاح کی حسن قوتوں کو پیدا کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ اسلامی علم الاخلاق میں تقویٰ اور روزہ کی حیثیت ایک ہے۔ تقویٰ کے معنی تمام ممکن محاسن کا حصول اور تمام بُرائیوں سے احتراز۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ روزہ اخلاق و رُوح کی آخری معراج ہے۔ دیکھئے تو کامل ایک ماہ تک ضبطِ خواہش کتنا مشکل کام ہے لیکن مُسلمان صرف اللہ کی رضاجوئی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

خالص رُوحانی واصلاحی تدبیر سے کھانے پینے کی بے اعتدالیوں اور بے ضابطگیوں پر ایک ناقدانہ نظر اور ان کا مکمل مداوا۔ روزہ دار اور غیر روزہ دار میں ایک محسوس اور بیّن فرق ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے " روزہ دار وہ ہے جو گالی گلوچ سے پرہیز کرے اور اگر اُسے کوئی مجبور کرے تو کہہ دے کہ مَیں صائم ہُوں " روزہ خالص اللہ کے لئے ہے۔ اس لئے اللہ فرماتا ہے۔ الصَّومُ لِی وَانَا اَجزِی بِهٖ یعنی روزہ دار بھوک پیاس کی تلخیوں کو صرف میرے لئے برداشت کرتا ہے اس لئے مَیں اُسے مخصوص اجر سے نوازوں گا۔ یعنی مسلمان گرمیوں کے موسم میں جن کے ہونٹ سُوکھ رہے ہوں' پیاس کی شدت بے چین کر رہی ہو باوجود اس طاقت و وسعت ہیں ہو کہ برفاب کے کُوزے منہ سے لگا لے۔ مگر خدا سے ڈرتا ہے اور پیاس ہی کو آبِ سرد سمجھ کر پی جاتا ہے اور کامل ایک ماہ تک اس ریاضت کو جاری رکھتا ہے۔ تاکہ خدا کے لئے بھوک اور پیاس کی سختیوں کو برداشت کیا جا سکے۔ روزہ امیر اور غریب کو ایک ماہ کے لئے ایک سطح پر لے آتا ہے۔ سب خدا کی راہ میں بھوک اور پیاس کو برداشت کرتے ہیں۔ سحری سے افطاری تک سب بھُوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ گویا روزہ مُساواتِ انسانی کا ایک عظیم مظاہرہ ہے اور خالص تربیت ہے جس سے مقصُود سال بھر کی تیاری ہے کہ روزہ دار غریبوں کی بھوک اور پیاس کا خیال رکھے۔

(باقی صفحہ ۶۵ پر)

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

۱۸۶- وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○

۱۸۷- اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى

پھر جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے۔ چاہئے کہ اس میں روزے رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو، اُسے دُوسرے دنوں میں شمار چاہئے۔ خدا تم پر آسانی چاہتا ہے اور مشکل نہیں ڈالنا چاہتا اور تاکہ تم شمار پُوری کرو۔ اور اس لئے کہ اُس نے تمہیں ہدایت کی ہے، خدا کی بڑائی کرو۔ تاکہ تم شُکر گزار بنو[ف۱] ○

۱۸۶- جب میرے بندے میری بابت تجھ سے سوال کریں تو کہہ کہ میں نزدیک ہُوں پُکارنے والا جب مجھے پُکارتا ہے تو مَیں اُس کی پُکار کا جواب دیتا ہوں۔ چاہئے کہ وہ مجھے مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں شاید وہ نیک راہ پر آجائیں[ف۲] ○

۱۸۷- روزہ کی رات میں اپنی عورتوں سے ہم بستر ہونا[ف۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٤)

بیمار کے لئے رُخصت

ف۲ جو شخص بیمار ہو اور روزہ رکھنا اُس کے لئے مُضر ہو یا وہ مُسافر ہو۔ اُس کے لئے یہ رعایت رکھی ہے کہ وہ صحت وحضر کے دنوں میں روزہ رکھ لے۔ اور وہ لوگ جو قطعاً روزے نہیں رکھ سکتے وہ ایک آدمی کو کھانا کھلا دیں۔ تا کہ فرض کا احساس باقی رہے اور وہ بہرحال اس نظامِ صوم میں منسلک رہیں۔ اس رعایت میں حاملہ و مرضعہ عورت بھی داخل ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

رمضان کے فضائل

ف۱ قرآن حکیم جو ساری دنیا کے لئے رحمت وہدایت ہے جس کے تمام مضامین دلائل وبراہین پر مبنی ہیں وہ ایامِ رمضان ہی میں نازل ہونا شروع ہُوا۔ اس لئے روزوں کی فضیلت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور اس میں باریک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ روزہ رکھنے سے قرآن حکیم کے حقائق ومعارف قلب پر زیادہ روشن ہوتے ہیں اور دل کلامِ الٰہی کے ذوق وشوق سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ حکیم کی تلاوت ان دنوں میں کثرت سے فرماتے اور اس لئے تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ سال میں ایک ماہ بالالتزام قرآن پاک سُنیں اور اپنی زندگی کو قرآنِ حکیم کے موافق بنائیں۔

ف۲ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دُعا کے لئے یقین دلایا ہے کہ وہ سُنی جاتی ہیں۔ سابق رمضان میں اس کو اس لئے ذکر فرمایا، تاکہ معلوم ہو کہ روزہ میں کثرت سے ذکر ودعا کا سلسلہ جاری رہے۔ فرمایا کہ میں قریب ہوں اجابت وقبولیت کے لحاظ سے۔ تم مجھ پر ایمان واعتماد رکھو۔ پھر دیکھو میں کس طور تمہاری التجاؤں کو شرفِ قبول بخشتا ہوں۔

روزہ کا مقصد

ف۳ ازدواجی تعلقات کو رات کے وقت برقرار رکھنا قرآنِ حکیم نے جائز ومُباح قرار دیا۔ اس لئے کہ روزہ کا مقصد رہبانیت یا فاقہ نہیں، بلکہ تحسینِ اخلاق ہے اور کیا بیوی سے پیار بہترین اور پاکیزہ تر حسنِ اخلاق نہیں؟ حدیث میں جو آتا ہے کہ دن کے وقت بھی حضورؐ ازواجِ مطہراتؓ سے محبانہ پیش آتے اور بوس وکنار میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ روزہ زاہدانہ یبوست نہیں۔ خشک ریاضت نہیں۔ بلکہ ہر خواہش میں اور ہر جذبہ میں تابحدّ لطافت اعتدال پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانا پینا ممنوع ہے۔ لیکن نہانا دھونا اور دیگر پاک تفریح کی چیزوں کی اجازت دیتا ہے۔ اسی طرح صنفی جذبات کی تکمیل تو ممنوع ہے لیکن البتہ لطافت کے ساتھ اُن کے اظہار میں کوئی حرج نہیں۔ رات کو بھی تکمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مطلب بہرحال یہ ہے کہ روزہ ایک قسم کی شگفتہ ریاضت ہے۔ اسلام فطرتِ انسانی کا بہترین نمونہ اور نباض ہے۔ اس میں اس کی تمام کمزوریاں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور کہیں بھی ناقابلِ برداشت تکلیف نہیں دی گئی۔ وظائفِ زوجیت بھی ایک خلقی وفطری ضرورت ہے۔ جس سے بے نیازی ناممکن ہے اور یا مضر ہے۔ اس لئے اس ناگزیر حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا کہ تم میں اور عورتوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے کس طرح تم ایک دُوسرے سے الگ رہ سکتے ہو؟

نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

۱۸۸۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ

تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو۔ اللہ کو تمہاری چوری معلوم ہو گئی ہے۔ سو اُس نے تم کو مُعاف کیا اور تم سے درگزر کی سو اب عورتوں سے مُباشرت کرو اور جو کچھ خدا نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اُس کو ڈھونڈو اور جب تک فجر کا سفید دھاگا کالے دھاگے سے صاف جُدا نظر نہ آوے کھاؤ پیؤ۔ پھر رات تک روزہ تمام کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کے لئے بیٹھے ہو، اُس وقت عورتوں سے مُباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اللہ آدمیوں کے لئے اپنی آیتیں یُوں بیان کرتا ہے۔ شاید وہ پرہیزگار ہو جائیں ○

۱۸۸۔ اور آپس میں ایک دُوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ اور نہ اس کو حکام تک پہنچاؤ کہ گُناہ کے ساتھ آدمیوں کے مال میں کچھ کاٹ کوٹ کے کھا جاؤ اور تم کو

عورت کا درجہ

ف هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کہہ کر فلسفۂ تدبیر منزل کے بہترین نکات بتائے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا یہ مخصوص اندازِ بیان ہے کہ وہ باتوں ہی باتوں میں معاشرت و اخلاق کی مشکل ترین گتھیاں سُلجھا دیتا ہے۔ لباس کی تین اغراض ہوتی ہیں:۔

(۱) بچاؤ (۲) اخفائے ستر (۳) تزئین و آرائش۔

اس لئے گویا مرد و عورت کی حیثیت صحیح معنوں میں شریکِ حیات کی ہے۔ دونوں ایک دُوسرے کے لئے لباس کی مانند زمانہ کے سرد و گرم کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔ دونوں ایک دُوسرے کے عیب پوش۔ باعثِ عزّت و آبرو ہیں اور دونوں کے وجُود سے سوسائٹی کی عزّت و آبرُو ہے۔ کس خوبصورتی سے قرآن حکیم نے دونوں کے منصب و فرائض کی تشریح فرمائی ہے۔ تاکہ ان میں کوئی ایک دُوسرے سے بے نیاز نہ رہ سکے۔

عام مسائل

روزہ میں سحری دیر سے کھانا اور افطار میں جلدی کرنا مسنُون ہے۔ کیونکہ مقصد اطاعت ہے، مشقت نہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں استعمال کرنا ممنُوع ہے۔ مسواک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رات کو تراویح پڑھنا بہت اجر کا باعث ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه۔ یعنی جو شخص رمضان میں قیامِ لیل کو اختیار کرے گا اور شرائطِ عبادت کو ملحوظ رکھے گا۔ اللہ اس کے تمام گناہ مُعاف کر دے گا۔

حلِّ لُغات

تَخْتَانُوْنَ ۔ مادہ خیانت بمعنے نقصان۔ یعنی تم اپنے جائز فطری حق سے محرُوم تھے۔

تَعۡلَمُوۡنَ ۝ع

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ ؕ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَ الۡحَجِّ ؕ وَ لَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُہُوۡرِہَا وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِہَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝

۱۹۰ وَ قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَ لَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ۝

معلوم ہے ۝ف۱

۱۸۹۔ تجھ سے نئے چاند ف۲ کی بابت سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ کہ یہ لوگوں کے اور حج کے لئے ٹھیرے ہوئے وقت ہیں۔ او یہ نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں میں اُن کی چھت پر سے آؤ۔ نیکی یہ ہے کہ آدمی ڈرے اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور خدا سے ڈرو کہ تم مُراد کو پہنچو ۝ف۳

۱۹۰۔ اور خدا کی راہ میں اُن سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور زیادتی نہ کرو۔ خُدا زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ۝ف۴

ف۱ ان آیات میں نیک چلن رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس لئے کہ روزہ مقصد ہی کردار و اخلاق میں پاکیزگی پیدا کرنا ہے۔ فرمایا کہ باطل اور مضر اخلاق وسائل سے روپیہ حاصل نہ کرو۔ یعنی خواہ مخواہ کی مقدمہ بازی اور ...الی جس سے مقصود روپیہ کا حصول ہو، ناجائز ہے۔

وکالت کی موجودہ صورت جس میں صرف قانون کی نزاکت اور لچک کا ...یال رکھا جاتا ہے، اس ضمن میں آجاتی ہے۔ موجودہ تہذیب کی متعدد ...لعنتوں میں سے ایک لعنت وکالت بھی ہے جو قوم کے اخلاق کو بدرجۂ ...ت تباہ کرنے والی ہے۔ اس کا مقصد اکثر جلب زر ہوتا ہے۔ چاہے ...کسی بیچے انسان کا خون ہو جائے۔ ان آیات میں تصریح موجود ہے کہ کسی ...جرم کے علم ہو جانے کے بعد اس کی حمایت ناجائز ہے۔

صرف یہ عذر کہ قانون میں گنجائش ہے، کافی نہیں۔ اس لئے کہ وکلا یقیناً جانتے ہیں کہ بعض اوقات قانون کے الفاظ ہمارا ساتھ نہیں دیتے ...یا کم از کم ان کا منشا یہ نہیں۔ اس لئے اسلام کے نظام عدالت میں ...پیشہ ور وکیلوں کا کہیں ذکر نہیں۔ کیونکہ اس سے براہِ راست جرائم ...پہنچتے ہیں۔ جب مجرم کو یہ معلوم ہو کہ ہر جُرم کے لئے چاہے وہ کتنا ہی سنگین ہو، ایک قابل وکیل مل سکتا ہے جو اس کا جُرم ثابت نہ ہونے ...دے گا تو اُس کے شوقِ جُرم میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس طرح دنیا میں جرائم کی افزائش ہوتی ہے جو عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

قمری مہینوں کا فلسفہ ف۲ معاذ بن جبلؓ اور ثعلبہ بن غنمہ رضؓ نے سوال کیا کہ حضورؐ! چاند کیوں بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ اس پر یہ جواب دیا گیا کہ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَ الۡحَجِّ۔ یعنی بجائے اس کے کہ لِم بیان کی جائے، حکمت و فلسفہ بیان کر دیا اور اس طریق سے یہ بتایا کہ سوال غلط ہے۔ یہ مذہب کے موضوع سے متعلق نہیں۔ البتہ یہ پُوچھ سکتے ہو کہ چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے شرعی طور پر کیا فوائد مرتب ہوتے ہیں؟

اسلام نے حج، صوم اور دیگر ضروریاتِ دین کے لئے قمری مہینوں کو پسند فرمایا ہے۔ حالانکہ شمسی مہینے زیادہ واضح اور متعین ہوتے ہیں۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں:۔ (۱) اس لئے کہ اسلام دینِ فطرت ہے جس میں اہلِ حضر سے لے کر اہلِ بادیہ تک سب لوگوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ شمسی مہینے شہر کے متمدن لوگوں کو تو معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن خانہ بدوش اور غیر شہری نہیں جان سکتے (۲) اس لئے بھی کہ اسلام کا مقصد صرف تعیین و تقرر ہی نہیں، بلکہ تشویق و ترغیب بھی ہے۔ مثلاً رمضان اگر شمسی تاریخوں میں ہوتا تو بلا کسی انتظار کے کھٹ سے آموجود ہوتا اور اس وجہ سے دلوں میں پہلے سے کوئی شوق و اضطراب نہ ہوتا۔ لیکن اب لوگ ماہِ صیام کا چاند دیکھنے کے لئے بے تاب ہو جاتے ہیں اور اس طرح طبیعتوں میں ماہِ صیام کے لئے زبردست شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے اور خود بخود تحریک بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (۳) پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے موسم بدلتے رہتے ہیں۔ شمسی مہینوں میں رمضان ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہوا کرتا۔ یا گرما میں یا سرما میں۔ اس طریق سے موقع ملتا ہے اور تنوع قائم رہتا ہے۔ ان اسباب و وجوہ کی بنا پر ضروری تھا کہ مہینوں کا حساب چاند سے متعلق ہو۔

ف۳ انصار جب اثنائے حج میں گھروں کو لوٹتے تو دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ پچھواڑے سے دیواریں پھاند کر آتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ محرم کے سر پر سوا آسمان کے اور کسی چیز کا سایہ نہ ہونا چاہئے۔ قرآن حکیم نے بتایا کہ یہ محض وہم ہے۔ دروازوں سے داخل ہونا بہتر ہے۔

(باقی صفحہ ۶۸ پر)

۱۹۱۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ○

۱۹۲۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

۱۹۳۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○

۱۹۱۔ جہاں کہیں پاؤ اُن کو قتل کرو اور وہاں سے اُن کو نکالو، جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) اور دین سے بچلانا (یعنی پھرنا یا پھرانا) قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور مسجد حرام کے پاس اُن سے نہ لڑو، جب تک کہ اُس میں وہ تم سے نہ لڑیں۔ پھر اگر وہ تم کو ماریں تو تم اُن کو مارو۔ یہی کافروں کا بدلہ ہے ○

۱۹۲۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے ○

۱۹۳۔ اُن سے یہاں تک لڑو کہ فساد باقی نہ رہے اور دین خُدا کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو بجز ظالموں کے کسی پر زیادتی نہیں چاہیئے ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷)

حج کا مقصد تو تقویٰ و اصلاح کے جذبات کو پیدا کرنا ہے۔ وہ ان اوہام و ظنون سے پیدا نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے یہ ایک ضربُ المثل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہر کام اس طریق سے کرنا چاہیئے جو درست و صحیح ہو اور جس کام سے کوئی فائدہ ہوتا ہو۔ بیکار کاوش سے کیا حاصل ؟ پہلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہو گا کہ چاند کے متعلق ایسے سوال کرنا جو شرعی لحاظ سے غیر صحیح اور غیر مفید ہیں، محض بے سُود ہے۔ تم یہ پُوچھو کہ قمری مہینوں میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟

جنگ کن سے ہے؟

فـــ۲ ہجرت سے پہلے مُسلمان کُفر کی طرف سے ہر زیادتی کو برداشت کرتے رہے اور اُن کا عمل فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ کی تصویر رہا۔ مگر جب اُن کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں اور مُسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ تم ان لوگوں سے مصروفِ جہاد ہو جاؤ جو تمہیں دِق کرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو مُسلمانوں سے تعرض نہیں کرتے اور ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں، اُن سے جنگ دُرست نہیں۔ وہ لوگ جو اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے، وہ ان آیات کو غور سے پڑھیں اور یہ دیکھیں کہ اسلام نے جہاد میں بھی آداب و اخلاق کی پابندی کو ضروری قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ دیکھنا دشمن پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ کیا آج مہذب سے مہذب قوم بھی جنگ میں "اخلاق" کو ملحوظ رکھتی ہے؟ جنگِ عظیم کی روئیداد تمہارے سامنے ہے۔ دیکھو کس طرح تہذیب و اخلاق کا گلا گھونٹا گیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

شرارت جنگ سے زیادہ خطرناک ہے

فـــ۱ فتنہ کے معنی ابتلا و آزمائش کے ہیں۔ کفّارِ مکہ نے مسلمانوں پر اتنی سختیاں روا رکھیں کہ وہ سخت امتحان میں پڑ گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا کریں۔ کیا وہ ان اوہام و ظنون کو قبول کر کے راحت کی زندگی بسر کریں یا خدا کی راہ میں جان دے دیں اور شہادت کے درجۂ عظمیٰ کو حاصل کریں۔

قرآن حکیم نے کفّارِ مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ پوزیشن ناقابلِ برداشت ہے۔ شرارت جب اس حد سے بڑھ جائے تو پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے اور جنگ اس صورت میں یقیناً اس مسلسل و پیہم شرارت و فتنہ انگیزی سے کہیں کم اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے جب انہوں نے تمہیں گھر سے نکال دیا اور تکلیف پر تکلیف پہنچا رہے ہیں تو تم بھی مردانہ وار میدان میں نکل آؤ اور انہیں کچل دو۔ جہاں پاؤ، قتل کرو۔ ان نا اہلوں کی یہی سزا ہے۔ البتہ حرم کے قرب و نواح میں جنگ نہ ہو۔ اور اگر وہ مجبور کریں تو پھر وہاں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ اس شرارت کا کلی استیصال نہ ہو جائے اور پُر امن فضا نہ پیدا نہ ہو جائے جس میں ایک خدا کی کھلے بندوں پرستش کی جائے اور اگر وہ باز آجائیں تو پھر تم بھی رُک جاؤ۔

۱۹۴- اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○

۱۹۴- حُرمت کا مہینہ حُرمت کے مہینے کے مقابلہ میں ہے اور ادب رکھنے میں قصاص (برابری) ہے۔ سو جو تم پر زیادتی کرے تم اُس پہ زیادتی کرو۔ جیسے اُس نے تم پر زیادتی کی اور خدا سے ڈرو اور جانو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

۱۹۵- وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

۱۹۵- اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو۔ بے شک اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہے ○

۱۹۶- وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

۱۹۶- اور اللہ کے لئے حج اور عُمرہ پُورا کرو۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو کچھ میسّر ہو، قربانی بھیج دو۔

جنگ اور رعایتِ اخلاق

ف۱ اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاح کی ہے۔ وہاں شعبۂ حرب کو بھی فراموش نہیں کیا۔ اسلام سے پہلے لوگ جنگ میں کسی قسم کی رعایت کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اِسلام نے بتایا کہ جنگ میں بھی اخلاق و تدین کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ جنگ اخلاق مندوں سے نہیں، بلکہ ایک اخلاق باختہ قوم سے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاقِ دین کے تحفظ کے لئے آخری قطرۂ خون بھی بہا دیا جائے۔ مکّہ والے ذی قعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں جنگ کو روک دیتے تھے اور ان چار مہینوں کو بہرحال احترام کے قابل سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم نے بھی ان کی اس حُرمت کو برقرار رکھا اور فرمایا کہ اگر وہ زیادتی کریں اور ان مہینوں کی حُرمت کا خیال نہ رکھیں تو پھر تم بھی مجبور نہیں ہو۔ بہرحال اتّقاء و خشیّتِ الٰہی کو ہر آن مدِنظر رکھو۔ اور جان رکھو کہ فتح و نصرت ہمیشہ اخلاق و دین داری کے ساتھ ہے۔ وہ لوگ جو اخلاق کو کھو کر غلبہ حاصل کرتے ہیں، درحقیقت اُن کی شکست ہے اور وہ بظاہر مغلوب رہتے ہیں اور کسی مرحلے پر بھی تہذیب و متانت کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ وہ غالب ہیں۔ اُن کی فتح ہے۔ اس لئے کہ اصل فتح رُوح کی فتح ہے نہ کہ مادّہ کی۔

بُزدلی ہلاکت ہے

ف۲ جہاد کے لئے جس طرح سرفروشی ضروری ہے۔ اسی طرح مالی اعانت بھی لابدی ہے۔ اِن آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ قومیں جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ کرتی ہیں، اُن کی ہلاکت قطعی ہے۔ اُن کا پنپنا اور دُنیا میں رہنا محال ہے۔ قوموں کی زندگی اُن کے جذبۂ ایثار و قربانی سے وابستہ ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو قومی احساس نہیں رکھتے۔ جن کے دل قوم کے مصائب پر نہیں پسیجتے۔ وہ غور کریں کہ اُن کے زندہ رہنے کی کیا صُورت ہے۔

بعض فریب خُوردہ لوگ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد میں شرکت نہ کی جائے اور جان بچائی جائے۔ اس لئے کہ ہلاکت میں پڑنے سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ سیاق جہاد میں اس کا ذکر کرنا اس پر دال ہے کہ جہاد میں شرکت نہ کرنا اور مال و دولت سے حد سے زیادہ پیار کرنا ہلاکت ہے۔ چنانچہ حضرت ابُو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اسلام کے ایک باہمت مجاہد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم (یعنی صحابہؓ) ہمیشہ بُزدلی اور تخلف عن الجہاد کو ہی ہلاکت سمجھتے رہے۔ وہ موت و ہلاکت جو خدُا کی راہ میں آئے۔ جس سے اسلام اور مُسلم کی عزت میں اضافہ ہوتا ہو، ہزار زندگی سے بہتر ہے اور وہ زندگی جو بُزدلی اور آسائش میں گزرے۔ موت سے بھی بدتر ہے۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ع ۲۴

اور اپنے سر نہ مُنڈاؤ۔ جب تک قربانی اپنی جگہ میں نہ پہنچے[1]۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو اُس کے سر میں کوئی دُکھ ہو تو چاہئے کہ وہ فدیہ دے۔ روزہ یا صدقہ یا ذبیحہ۔ پھر جب تم امن پاؤ تو جس نے حج کے ساتھ عُمرہ ملا کر فائدہ اُٹھایا ہے[2]۔ اُس کو چاہئے کہ جو کچھ میسّر ہو، قربانی دے پھر جس کو قربانی میسّر نہ ہو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اُس وقت رکھے جب تم اپنے گھروں کو لوٹو۔ یہ پُورے دس دن ہو گئے۔ یہ اُس کیلئے ہے جس کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس نہ ہوں خُدا سے ڈرتے رہو اور جانو کہ خُدا سخت عذاب دینے والا ہے

آدابِ حج

ف۱ حج فرض ہے اور عُمرہ محض تطوع، عمرہ دراصل آدابِ زیارت کا نام ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ حج و عُمرہ جب شروع کیا جائے تو پھر اس میں شروط و لوازم کا خیال رکھا جائے اور کوئی بات ایسی نہ اختیار کی جائے جس سے نقص لازم آئے اور اجر و ثواب میں کمی ہو۔

اگر رستے میں کسی سبب سے زائر یا حاجی رُک جائے اور آگے نہ جا سکے تو وہیں احرام کھول دے اور میسّر قربانی کر دے۔

احصار میں چونکہ لغۃً اختلاف ہے۔ اس لئے فقہا میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک احصار عام ہے۔ مرض اور دشمن دونوں اس میں داخل ہیں اور بعض کے نزدیک صرف دشمن۔ بہرحال جب لغوی معنوں میں وسعت موجود ہے تو پھر اس کو قائم رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد ایک عام حکم ہے کہ جب تک قربانی کا جانور حرم میں نہ پہنچ جائے، تم احرام باندھے رہو۔ البتہ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے یا اُس کے سر میں تکلیف ہو اور وہ سر مُنڈانا چاہے تو پھر وہ بطور فدیہ کے تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور یا ایک بکری ذبح کرے۔ جیسا کہ کعبؓ بن عمرہ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب اس کے سر میں جُوئیں پڑ گئیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے سر مُنڈانے کی ان شرائط کے ماتحت اجازت دے دی جو اُوپر مذکور ہیں۔

حج کی تین قسمیں

ف۲ حج کی تین قسمیں ہیں:- افراد، تمتّع اور قِران۔

افراد وہ حج ہے جس میں قِران و تمتّع نہ ہو۔

تمتّع کی صُورت یہ ہے کہ اشہرِ حج میں کوئی عمرہ کے آداب سے فارغ ہو جائے۔ پھر انہیں مہینوں میں حج کا احرام باندھے۔

قِران یہ ہے کہ نسکین کو اکٹھا ادا کرے۔

فقہاء کا اختلاف ہے اس امر میں کہ تینوں صورتوں میں افضل کون سی ہے۔ بعض کے نزدیک افراد افضل ہے۔ بعض کے نزدیک تمتّع اور بعض کے نزدیک قِران۔ اِن آیات میں تمتّع کا ذکر ہے اور یہ اس لئے کہ قریش تمتّع کو دُرست نہیں جانتے تھے۔ تمتّع میں چونکہ ترتیبِ حج پر اثر پڑتا ہے اس لئے ہدی ضروری قرار دی ہے۔ جو شخص معذور ہو یعنی وہ ہدی نہ لا سکے۔ وہ دس روزے رکھے۔ تین ایامِ حج میں اور سات لوٹ کر یا لوٹتے ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ کہہ دینے کے بعد کاملہ کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ کیا کوئی عشرہ ناقص بھی ہوتا ہے؟ جب اعداد میں تعیین یقینی و قطعی ہے تو پھر اس زیادت کا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ عشرہ کی صُورت میں ہو سکتا تھا کہ کوئی تخییر کا مفہوم لے لے یعنی یہ سمجھ لے کہ تین یا سات ہیں حسبِ ضرورت جو چاہے، اختیار کرے۔ حالانکہ مطلب یہ نہیں۔ (باقی صفحہ ۷۱ پر)

۱۹۷- اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ○

۱۹۸- لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ○

۱۹۷- حج کے چند مہینے ہیں معلوم۔ سو جس نے اُن میں اپنے اُوپر حج فرض کر لیا تو حج میں جماع اور گناہ اور جھگڑا نہیں چاہیئے اور جو نیکی تم کرو گے۔ اللہ کو معلوم ہوگی اور راہ کا خرچ لے کر آیا کرو۔ اچھا راہ کا خرچ گناہ سے بچنا ہے اور اے عقل مندو! مجھ سے ڈرتے رہو[ف۱] ○

۱۹۸- اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم (حج میں) خُدا کا فضل[ف۲] (روزی) تلاش کرو۔ پھر جب تم میدانِ عرفات سے واپس ہو تو مشعر الحرام کے پاس خُدا کو یاد کرو۔ اور اُس کا ذکر کرو۔ جیسے اُس نے تم کو ہدایت کی ہے۔ اور بے شک اس سے پہلے تم گمراہ تھے[ف۳] ○

(بقیہ صفحہ ۰۰) مبرد کا خیال ہے۔ یہ تاکید ہے جو عربی اصُول کے بالکل مطابق ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ کتبت بیدی حالانکہ ہمیشہ ہاتھ سے ہی لکھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مقصد یہ ہو کہ اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ روزے قربانی کی پوری نیابت کریں گے۔ ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ یا تو نفسِ تمتع ہے اور یا حکم۔ پہلی صُورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مقامی لوگوں کو تمتع کی اجازت نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ دُوسری صُورت میں مقصد یہ ہوگا کہ مقامی آدمی کے لئے تمتع کی صُورت میں قربانی ضروری نہیں۔ امام شافعیؒ اور اُن کے تلامذہ اسی طرف گئے ہیں۔ اس کے بعد تقویٰ کی طرف سب کو دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ عدمِ تقویٰ شعائر اللہ کی توہین ناقابلِ برداشت ہے اور موجب غضب الٰہی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ملحوظاتِ حج

ف۱ اِن آیات میں بتایا کہ حج تطہیرِ رُوحانیات کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے اس میں لغویات و ممنوعات سے بکلی احتراز لازم ہے۔ اس لئے اس میں نہ تو رفث درُست ہے۔ یعنی مقاربت و تعلقاتِ جنسی نہ فسوق دُرست ہے یعنی حدُودِ شرعی سے تجاوز۔ نہ جدل و بغض۔ بلکہ کوشش کرنا چاہئے کہ رُوحانی حالت نہایت بہتر رہے۔ زیادہ سے زیادہ رضائے الٰہی کو تلاش کیا جائے اور حاصل کیا جائے۔

بہترین زادِ راہ بعض لوگ بلا زادِ راہ کے حج کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ہم متوکّل ہیں اور اس کے بعد دُوسرے حجاج کے لئے تکلیف کا موجب ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ حرکت خلافِ تقویٰ ہے۔ جب تک زادِ راہ میسّر نہ ہو حج فرض نہیں۔ نہ توکّل اس طرح کا جو تعطّل کے مترادف ہے باعثِ فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ باعثِ اجر ہے اور یہی بہترین زادِ راہ ہے۔

ف۲ **ایامِ حج میں تجارت** اسلامی عباوات میں اور دیگر مذاہب کے نظامِ عبادت میں ایک بہت بڑا امتیاز یہ ہے کہ اسلامی عبادات صرف ذکرِ خدا تک محدود نہیں، بلکہ وہ وسیع تر مفہوم اپنے اندر پنہاں رکھتی ہے۔ اسلامی عبادت ذکرِ الٰہی کے علاوہ ضرُوریاتِ تمدن پر حاوی ہے۔ اس لئے حج میں جو خالصتہً ذکر و ریاضت کی ایک اعلیٰ صُورت ہے، تجارت کی اجازت دی اور فرمایا۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اسے "فضل" کے لفظ سے تعبیر کر کے ترغیب دی کہ مسلمان اس عظیم الشان اجتماع سے مادی فائدہ بھی اُٹھائیں اور یہ اجتماع ہر لحاظ سے مسلمانوں کے لئے باعثِ برکت و سعادت ہو۔

(باقی صفحہ ۷۲ پر)

حل لغات

اَشْهُرٌ۔ جمع شھر۔ مہینہ ✦ رَفَثَ۔ ہر وہ حرکت جو عورتوں سے متعلق ہو ✦ فُسُوْق۔ حدُود اصلیہ سے تجاوز ✦ جِدَال۔ بے سُود جھگڑا۔ لڑائی۔ جنگ ✦ زَاد۔ راستے کا خرچ ✦ اَفَضْتُمْ۔ مصدر اِفَاضَۃٌ۔ لوٹنا۔ پھرنا۔

۱۹۹- ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

۲۰۰- فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ○

۲۰۱- وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

۲۰۲- اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ؕ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○

۱۹۹- پھر تم طواف کو چلو۔ جہاں سے سب لوگ چلتے ہیں اور خُدا سے گناہ بخشواؤ۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

۲۰۰- پھر جب اپنے حج کے احکام پُورے کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔ جیسے اپنے باپ دادوں کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ پھر لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں دُنیا میں حصّہ دے۔ اور اُس کیلئے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں ہے ○

۲۰۱- اور کوئی اُن میں ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں دُنیا میں بھی خُوبی دے اور آخرت میں بھی خُوبی دے۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا ○

۲۰۲- ایسوں ہی کے لئے اُن کی کمائی کا حِصّہ ہے۔ اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱) ف۳ عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب مناسکِ حج سے فارغ ہوتے تو ایک مجلسِ مفاخرہ قائم کرتے جس میں اشعار پڑھتے اور اپنے اپنے آباؤ اجداد کے مناقب و فضائل بیان کرتے جس سے حج کا مقصد بالکل فوت ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فخر و غرور کے یہ نعرے جائز نہیں۔ حج کا مقصد تو اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اس لئے اسی کا ذکر اور اسی کی تمحید و تقدیس میں تمہاری زبانیں مصروف رہنی چاہئیں اور خُدائے بزرگ و برتر یقیناً تمہارے آباؤ اجداد سے زیادہ حمد و ثنا کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس لئے تم کیوں غیر اللہ کی مدح و ستائش میں اپنی زبانوں کو آلودہ کرتے ہو، کیونکہ تمہارے دلوں میں خدا کی محبت نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

دو گروہ

ف۱ اس کے بعد دو جماعتوں کا ذکر فرمایا۔ ایک تو وہ ہیں جن کی دُعائیں اور مطالبے صرف دُنیا طلبی تک محدُود رہتے ہیں۔ جو سوا دنیا کی آسائش و کشائش کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ جو حرص و آز کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کے طائر خواہشات کی پرواز بالکل سطحِ ارض تک ہے۔ جو مادہ پرست ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ فرمایا۔ ہو سکتا ہے۔ ان کی دنیا میں سُن لی جائے اور یہاں سیم و زر کے انبار اُن کے سپُرد کر دئے جائیں لیکن یہ جان لیں کہ آخرت یعنی دوسری زندگی میں اُن کے لئے کوئی حصّہ نہیں۔ چونکہ اس دُنیا میں ان کی خواہشیں بلند نہیں ہوتیں اور آخرت کے لئے عملاً انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ اس لئے وہ اس سے زیادہ کے مستحق نہیں۔ دُوسرے وُہ ہیں جو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ جو روح و مادہ کے درمیان توازن قائم رکھتے ہیں۔ جن کی خواہشیں دُنیا تک ہی محدُود نہیں، بلکہ آخری زندگی بھی اُن کے مدِ نظر رہتی ہے۔ وہ جہاں دولت و سرمایہ کے ڈھیر جمع کرتے ہیں، وہاں زادِ آخرت کا بھی حصّۂ وافر حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ کامیاب ہیں۔ اُن کے ایک ہاتھ میں دنیا کی نعمتیں ہوتی ہیں اور دُوسرے ہاتھ میں دین کی سعادتیں۔

ان آیات میں بتلایا کہ مسلمان اور غیر مسلم میں فرق کیا ہے۔ غیر مسلم کا نصب العین پست اور ذلیل ہوتا ہے اور مسلمان کی نظریں بلند ہوتی ہیں۔ غیر مسلم کی ساری کاوشیں اور کوششیں مادی خواہشات کے لئے ہوتی ہیں اور مسلم دنیا کے لئے بھی کوشاں ہوتا ہے اور آخرت کے لئے بھی۔ گویا نصب العین اور نتائج کے لحاظ سے مسلمان کافر سے اچھا رہتا ہے۔ مسلم کے معروف معنی غلط ہیں۔ وہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے معنی دنیا کی نعمتوں سے محرومی ہے، وہ اپنے خیال کی تصحیح کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی افلاس کو پسند نہیں فرمایا۔

حلِّ لُغات

مَنَاسِکَ۔ جمع مَنْسَکْ۔ احکام حج۔ خَلَاقٌ۔ حِصّہ۔
نَصِیْبٌ۔ بہرہ۔ بخرہ۔

۲۰۳-وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

۲۰۳-اور چند گنتی کے دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ پھر جو کوئی جلدی[۱] کر کے دو دن میں چلا گیا، اُس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو کوئی پیچھے رہ گیا، اُس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ اُس کے لئے جو ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جانو کہ تم اُسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے ○

۲۰۴-وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○

۲۰۴-اور بعض آدمی ایسا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں اُس کی بات تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ ٹھیراتا ہے۔ حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے[۲] ○

۲۰۵-وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○

۲۰۵-اور جب پیٹھ پھیرتا ہے زمین پر دوڑتا پھرتا ہے۔ تاکہ اُس میں فساد کرے اور کھیتوں اور نسلوں کو ہلاک کرے اور خدا فساد نہیں چاہتا ○

[۱] مکہ والے تعجیل کی صورت کو بُرا جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو رعایت بخشی کہ اگر وہ جلد فارغ ہو سکے، اس سے تو کوئی مضائقہ نہیں اور اس طرح اگر تیسرے دن پر انحصار کرے تو بھی حرج نہیں۔ دونوں صورتیں جائز و مُباح ہیں۔

مکہ والے چھوٹی چھوٹی چیزوں پر اصرار کرتے تھے اور بڑی بڑی چیزوں کو فراموش کر دیتے تھے۔ وہ تاجیل و تعجیل کو تو بڑی اہمیت دیتے تھے، لیکن توحید اُن کے نزدیک بے وقعت چیز تھی۔ اہتمام بالصغائر اور تساہل عن الکبائر۔ یہ وہ مرض ہے جو مُردہ اور بے حس قوموں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ مقاصد و اصول کو پس پشت ڈال دینے میں کوئی باک نہیں سمجھتے اور غیر اہم جزئیات کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور اسی کو دین و مذہب کا نام دینے لگتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان جزئیات کو بالخصوص بیان فرمایا اور بتایا کہ ان کا درجہ بہرحال جزئیات سے زیادہ نہیں۔ اصل شئے تقویٰ و صلاح ہے۔ جو تم میں نہیں اور جس کے حصول کے لئے تمہیں کوشاں رہنا چاہئے۔

خوش گفتار مُنافق

[۲] بعض لوگ زبان کے اتنے میٹھے اور رسیلے ہوتے ہیں کہ ان کے خبثِ باطن کا کسی طرح علم نہیں ہو سکتا۔ یہ بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا ظاہر بڑا فریب دہ ہوتا ہے۔ مگر دل میں دُنیا جہان کی خرابیاں پنہاں ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم جو علیم بذات اللہ اور خدا کی کتاب ہے، وہ تمام بُرائیاں واشگاف کر کے رکھ دیتا ہے۔ جو دل کی پنہائیوں میں پوشیدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو دنیا داری کے لحاظ سے نہایت اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن حق کے قبول کرنے کے لئے اُن میں ذرہ بھر بھی استعداد نہیں۔ اُن کی قلبی خباثتوں پر گواہ ہے۔ اُن کا وطیرہ خدا کی پُرامن زمین میں فساد پھیلانا ہے اور جب انہیں اللہ سے ڈرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اسی وقت دنیوی عزت و جاہ اُن کو قبولِ حق میں آڑے آتی ہے۔ یعنی اس لئے کہ انہیں سچائی کے لئے کچھ ایثار کرنا پڑے گا۔ اس سے محروم رہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ قیامت کے دن یہ جھوٹی عزتیں اور مصنوعی وقار کام نہ آسکیں گے اور یہ مع اپنی تمام عزتوں کے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

حلِ لُغات

اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ سخت جھگڑالو۔

حَرْثَ۔ کھیتی۔

٢٠٦- وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

٢٠٦- اور جب اُسے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو تکبر اُس کو گناہ کی طرف کھینچتا ہے سو اُسے جہنم کافی ہے اور بے شبہ وہ بُرا ٹھکانا ہے ○

٢٠٧- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○

٢٠٧- اور کوئی شخص ہے کہ اپنی جان بیچ کر خدا کی خوشی تلاش کرتا ہے اور خُدا بندوں پر شفیق ہے [ف۱] ○

٢٠٨- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

٢٠٨- مومنو! دینِ اسلام میں پُورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کُھلا دشمن ہے [ف۲] ○

٢٠٩- فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

٢٠٩- پھر اگر تم صاف حکم پانے کے بعد بھی ڈگمگا گئے تو جانو اللہ بڑا زبردست ہے حکمت والا ○

٢١٠- هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ

٢١٠- کیا لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ بادلوں کے

جاں فروش مومن

ف۱ ان آیات میں بتایا کہ کچھ لوگ مخلص بھی ہیں اور اس درجہ مخلص ہیں کہ وہ اپنی جانیں خدا کی راہ میں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ جہاں منافقین عزتِ نفس کے لئے ایمان کی گرانمایہ پونجی کو ضائع کر دیتے ہیں۔ وہاں یہ لوگ جان تک خدا کی مرضی کے بھینٹ چڑھا دینے میں تامل نہیں کرتے۔ اس لئے یہ خدا کی آغوشِ رحمت میں رہیں گے انہیں محبوبیت کے مرتبہ سے نوازا جائے گا اور خدائے رؤف کی تمام رحمتیں اُن کے شاملِ حال رہیں گی۔

پُورا پُورا اسلام

ف۲ اسلام ایک نظامِ عمل و عقائد ہے۔ جب تک کسی نظام کو پوری طرح نہ مانا جائے متوقع فوائد کا مرتب ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو چند باتوں کو تو مان لیتے ہیں۔ لیکن اکثر کا عملاً انکار کر دیتے ہیں۔ وہ اسلام کو بحیثیت ایک نظام کے نہیں مانتے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں آخر کار یہی مرض پیدا ہو گیا تھا۔ جس پر قرآنِ حکیم نے ڈانٹا۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کہ تم کتاب کے بعض مفید مطلب حصّوں پر تو عمل پیرا ہو۔ مگر اہم اور ایثار طلب حصّے تمہارے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔ یہ کیا تماشہ ہے؟ مسلمانوں سے بھی قرآنِ حکیم کا مطالبہ یہی ہے کہ اگر اسلام ہمہ صداقت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ تمہارے لئے مشعلِ راہ نہ ہو۔ مانو تو پُورا پُورا مانو۔ ورنہ شیطان کی راہیں کشادہ ہیں اور جان لو کہ اسلام کو چھوڑ کر مسلمان کے لئے اس آسمان کے نیچے کہیں فلاح و بہبود کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ شیطان انسان کا کُھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کی پیروی خدا سے مخالفت کرنا ہے مسلمان کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ یا تو اِسلام کی راہ اور یا شیطان کی۔ درمیان میں کوئی تیسری راہ نہیں۔ وہ شخص جو زندگی کے کسی شعبہ میں مسلمان نہیں، وہ شیطان کی پیروی کر رہا ہے اور خدا کی اطاعت شیطان کی پیروی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ پس ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو کاملاً اسلام کے گہرے رنگ میں ڈبو دیں اور ہمارے اعمال ہر طرح اسلامی ہوں۔

حلِ لغات

يَشْرِيْ۔ مصدر شراء بمعنے بیچنا۔
زَلَلْتُمْ۔ مصدر زلّۃ۔ پھسلنا۔ پاؤں کا رپٹ جانا۔

فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

۲۱۱- سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

۲۱۲- زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

سایہ میں اُن کے پاس آئے اور فرشتے بھی اور بات کا فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سب کام رجوع کریں گے ○

۲۱۱- بنی اسرائیل سے پُوچھو کہ کس قدر ہم نے اُن کو کھلے نشان دیئے تھے۔ اور جس نے خدا کی نعمت کو پا کے بدل ڈالا تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○

۲۱۲- دُنیا کی زندگی پر کافر فریفتہ کئے گئے ہیں اور ایمان والوں پر ہنستے ہیں۔ حالانکہ قیامت کے دن پرہیزگار اُن کے اُوپر ہوں گے اور خُدا جس کو چاہے بے حساب رزق دے ○

خُدا کی آمد

ف۱ وہ لوگ جو منکر ہیں' اُن کو ہر چند دلائل و براہین سے قائل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ بغض و عناد پر ہی قانع رہے اور بالکل متاثر نہ ہوئے اور اس پر مزید یہ کہ طالب عذاب رہے۔ یعنی جب اُنہیں عاقبت کی سختی سے ڈرایا جاتا تو وہ کہتے۔ ہم نہیں ماننے کے۔ ہم پر کیوں عذاب نہیں آجاتا۔ آخر اس میں تامل کیا ہے؟ چنانچہ قرآنِ حکیم نے اُن کے اس مقولے کو نقل فرمایا کہ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا۔ یعنی ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے۔ ہم بالکل اس کے لئے آمادہ ہیں — اس آیت میں بھی اُن کی اس ذہنیت کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اُن کی سرکشیاں حد سے گزر گئی ہیں اور عذابِ الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے منتظر نہیں۔ اللہ کی آمد بادلوں میں فرشتوں کے ساتھ یہ مجاز ہے۔ مقصد عذابِ الٰہی کی آمد ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس طرح کے اندازِ بیان کو دُوسری جگہوں میں استعمال کیا ہے۔ جیسے فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ یا فَاَتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا۔ ورنہ وہ ہر طرح کی جسمانیت سے پاک اور برتر ہے۔

شاہانِ فقر

ف۲ ابتدائے اسلام میں مسلمان بیچارے غریب اور مفلس تھے۔ رؤسائے قریش انہیں دیکھ دیکھ کر ہنستے اور کہتے۔ کیا وہ لوگ ہیں جو دُنیا کو بدل دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں غربت و افلاس ایک جُرم تھا ناقابلِ عفو۔ قرآنِ حکیم نے بتایا کہ اُن کے پاس گو دولتِ دُنیا کی فراوانی نہیں مگر اُن کے دل ایمان کی دولتِ گرانمایہ سے مالا مال ہیں۔ گو وہ بیش قیمت ملبُوسات سے محرُوم ہیں، مگر رضائے الٰہی کا پُر فخر تاج انہیں کے سروں پر زیب دیتا ہے۔ گو اس وقت احتیاج و قلتِ مال اُن کے لئے تکلیف دہ ہے۔ مگر جنات و نعیم اور کوثر و تسنیم کی نعمتیں انہیں شاہانِ فقر کے حصہ میں آئیں گی اور تم جو سرداریوں کے مالک اور خزانوں کے سمیٹنے والے ہو، خدا کی بادشاہت میں مفلس و قلاش ٹھہرائے جاؤ گے۔ تمہارے ہاتھ میں ایک حبہ نہیں ہوگا۔ تمہارا کبر و غرور تمہیں بے حد ذلیل و رُسوا کرے گا۔ تم دیکھو گے کہ وہ جو مطاعن و استہزاء کی آماجگاہ ہیں آج سلام و تحیات کے تحفے وصول کر رہے ہیں اور تم ہر طرف سے لعن و طعن سُن رہے ہو۔

معیارِ عرُوج و صداقت

تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ دولت کی کثرت معیارِ عرُوج و صداقت ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے! اللہ کی بخششوں کا کوئی خاص معیار نہیں۔ وہ جسے چاہے دولت کے انبار بخش دے اور جس سے چاہے' چشم زدن میں چھین لے۔ بڑے بڑے قابل و شریف اور معزز بھوکوں مرتے ہیں اور جو کمینے اور ذلیل ہیں' اُن کی تجوریاں بھری رہتی ہیں۔

(باقی صفحہ ۷۱ پر)

۲۱۳- كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

۲۱۳- (پہلے) آدمیوں کا ایک ہی دین تھا پھر خدا نے نبیوں کو خوشی اور ڈر سنانے والا بنا کے بھیجا۔ اور سچی کتاب اُن کے ساتھ نازل کی۔ تاکہ لوگوں کے درمیان اُن کی اختلافی باتوں میں فیصلہ کرے کتاب میں صاف احکام پہنچنے کے بعد اُنہیں لوگوں نے جن کو وہ دی گئی تھی، جھگڑا ڈالا اور یہ آپس کی ضد سے ہوا۔ سو خدا نے ایمانداروں کو اُس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے ہدایت کی ہے اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ بتائے ۝

۲۱۴- اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا

۲۱۴- کیا تم (مسلمان) خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تک تم پر اُن کے حالات نہیں آئے

(بقیہ صفحہ ۷۵) اسی طرح کفار و فساق کے خزانے معمور ہیں اور مومن و مسلم کوڑی کوڑی کا محتاج ہے۔ یہ اُس کی بے نیازیاں ہیں کہ وہ بلا حساب و معیار کے دیتا ہے۔ جس کو چاہے دے۔ جتنا چاہے دے۔ اُس کا ہاتھ روکنے والا کون؟ البتہ اس چیز کو سلبًا یا ایجابًا معیارِ حق و باطل نہ سمجھنا چاہیئے۔ ایک اللہ کا پیارا بندہ سلیمانؑ ایسی حکومت بھی حاصل کر سکتا ہے اور مسیحؑ ایسا فقیر پیٹ پر پتھر بھی باندھ سکتا ہے۔ اور کونین کی بادشاہتیں بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ جن کے پاس ثروت ہے۔ مگر ایمان کی دولت سے محروم ہیں، مغرور نہ ہوں اور وہ مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اور وہ جو ایمان کے گنجِ گراں مایہ سے بہرہ ور ہیں، وہ قلت و فقر کی شکایت نہ کریں اور کفر کے غنا کو دیکھ کر جلیں نہیں۔ اس لئے کہ نہ دینے میں اُسے دیر لگتی ہے اور نہ چھیننے میں۔

ف۲ ان آیات میں پہلی بات تو یہ بتلائی کہ ابتداءً تمام لوگ ایک ہی خیال و فکر کے تھے۔ آہستہ آہستہ ضروریات بڑھیں اور اختلاف ہوتا گیا اور جب اختلاف حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ تاکہ وہ اختلافات میں انسانی جماعت کی صحیح رہنمائی فرمائیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ انبیاءؑ کو کتابیں اور صحیفے دیئے گئے۔ اس لئے کہ ان کے بغیر اختلاف کا مٹنا ناممکن تھا اور تیسری بات یہ کہ مومنین کی جماعت میں اختلاف نہیں ہوتا۔ وہ مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں اپنے خیالات و افکار کو پرکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے اُن میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ ان آیات سے مندرجۂ ذیل اُصول معلوم ہوئے:۔

(۱) انبیاءؑ شدید اختلاف رُونما ہونے کے وقت آتے رہے۔

(۲) انہیں فیصلہ کُن کتابیں دی جاتی رہیں جس سے اختلافات مٹ جائیں۔

(۳) اُن کے آنے کے بعد ایک متحد الخیال والفکر جماعت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

یہ خیال رہے کہ مسیحؑ کے متعلق جو عیسائیوں نے غلو اختیار کیا۔ وہ اُن کی غیر حاضری میں پیدا ہوا۔ وہ جو کتاب لائے، اس میں کسی طرح شرک کی تعلیم نہ تھی اور اُن کے سچے حواری جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہے، وہ متحد و متفق تھے۔

حلِّ لُغات

اُمَّةً۔ ہر وہ جماعت جو کسی ایک بات میں اشتراک رکھتی ہے۔

بَعَثَ۔ بھیجا۔

مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○

جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں کہ انہیں سختیوں اور تکلیفوں نے پکڑا تھا اور وُہ ہلائے گئے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا رسولؐ اور اُس کے ایماندار ساتھی کہتے تھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی۔ سنو اللہ کی مدد نزدیک ہے○

۲۱۵۔ يَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

۲۱۵۔ لوگ تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ ہم کیا چیز خرچ کریں۲؎۔ تو کہہ جو مال خرچ کرو، وہ والدین اور ناتے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مُسافروں کے لئے ہے اور جو نیکی تم کرو گے، وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے○

۲۱۶۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا

۲۱۶۔ لڑائی (جہاں) تم پر فرض ہُوا ہے اور وُہ تمہیں بُرا معلوم ہوتا ہے اور شاید تم کسی چیز کو

راہِ عشق کی دُشواریاں

۱؎ غزوۂ احزاب میں جب مسلمانوں کے خلاف عرب کی تمام قومیں جمع ہو کر چڑھ آئیں اور اسلام کفر کے عین درمیان گھر گیا تو اُس وقت بعض کمزور دل مسلمان گھبرا گئے۔ منافقین کو موقع ملا اور انھوں نے ان کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ٹھانی اور کہا کہ دیکھو اگر محمدؐ سچے ہوتے تو آج اس طرح کیونکر کفار کے نرغے میں پھنس جاتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جس سے دل مضبُوط ہو گئے اور نورِ یقین سے جگمگا اٹھے اور منافقین کا پھیلایا ہوا ہمہ تگ زمیں جال تار تار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اتنی سی آزمائش میں گھبرا گئے ہو۔ ہم تک پہنچنے کے لئے کس قدر مصائب جھیلنا پڑتے ہیں؟ تم سے پہلی قوموں نے کیا کیا دُکھ اُٹھائے؟ کیا کیا سختیاں برداشت کیں؟ جانتے ہو اُن پر مصائب و حوادث کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔ انہیں دار پر کھینچا گیا۔ انہیں زندہ جلایا گیا۔ انہیں تنگدستی و افلاس کے ہولناک دوروں سے گزرنا پڑا۔ مگر پھر بھی ایمان کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ مصیبتیں اس قدر آئیں کہ اُن کے پاؤں اکھڑ گئے ابتلا اور آزمائش کی سخت گھڑیوں میں اُن کے پاؤں نہیں جمتے تھے۔ رسُول جو پیکرِ صبر و عزیمت ہوتے ہیں، بول اُٹھے کہ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ خدایا! کب مدد پہنچے گی؟ جب جا کر اللہ نے اُن کی تسلی اور نصرت و اعانت سے انہیں نوازا اور تم ہو کہ یونہی گھبرا گئے ہو۔

یہ قاعدہ ہے کہ مقصد یا نصب العین جس قدر بلند اور عظیم ہوگا، اُس کا حصُول اسی قدر کٹھن ہوگا۔ اللہ کی رضا، اُس کی خوشی جس پر ہماری تمہاری مسرّتیں قربان ہیں، کتنا بلند مقصد ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اس کا حصُول بھی مشکل ہو۔ ان آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ راہ کی دشواریوں سے سالک گھبرا نہ جائے۔ رستے میں قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش کے کانٹے بچھے ہیں، سب سے اُلجھنا ہوگا۔ چپّہ چپّہ اور گوشے گوشے میں حرص و آز کے جال بچھے ہیں جن سے ایک دم دامن بچا کے نکل جانا ہوگا اور یہ کہنا ہوگا ؎

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

۲؎ یہ ضروری نہیں کہ يَسْــَٔـلُوْنَكَ سے پہلے کوئی سوال بھی ہو۔ بات یہ ہے کہ قرآن حکیم ضروریاتِ انسانی کے موافق نازل ہُوا۔ اس لئے وہ چیزیں جن کی ہم کو ضرورت ہوتی ہے، وہ اسے يَسْــَٔـلُوْنَكَ کے رنگ میں ذکر کر دیتا ہے۔ یہ انداز بیان ہے۔ اس لئے ایسے ہر موقع پر شانِ نزول کی تلاش چنداں مفید نہیں۔ (باقی صفحہ ۷۸ پر)

حلِ لُغات

اَلْبَاْسَاۗءُ۔ تکلیف۔ اَلضَّرَّاۗءُ۔ نقصان۔ خَيْرٌ۔ بھلائی مال۔ ابْنِ السَّبِيْلِ۔ مُسافر۔

شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۟

برا سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور شاید تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

۲۱۷۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ

۲۱۷۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ تو کہہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے اہل کا وہاں سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور دین سے بچلانا (پھرنا یا پھرانا) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور وہ تو تم سے لڑنے کو لگے رہتے ہیں۔ تاکہ اگر ان سے ہو سکے وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷)

یہ بھی قرآن حکیم کا مخصوص طرز بیان ہے کہ وہ سوالات جو پیدا ہوتے ہیں، اُن کا رُخ زیادہ اہم اور زیادہ شائستہ اعتنا باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔

ان آیات میں سوال بظاہر یہ ہے کہ کیا خرچ کریں۔ جواب یہ ہے کہ ان ان مقامات پر خرچ کرو۔ مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ کچھ بھی خرچ کرو، بہرحال اس کا مصرف صحیح ہونا چاہئے۔ بعض اوقات گراں قدر صدقات بھی صحیح مصرف نہ ہونے کی وجہ سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ مصرف یہ ہیں۔ سب سے پہلے والدین، اس کے بعد اقربا، اس کے بعد یتمی اور مساکین اور اس کے بعد مسافر۔ مگر آج ان آیات پر کن کا عمل ہے۔ ہمارے یتیم خانے کہاں ہیں۔ مقروض اور مسکین مسلمانوں کے لئے کہاں ٹھکانا ہے؟ مسافر خانے کس قوم نے تعمیر کئے ہیں؟ ان سوالات کے جواب مسلمان قرآن حکیم کی روشنی میں سوچیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

فرضیتِ جہاد

ف۱ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ منجملہ تمام آزمائشوں کے سب سے بڑی آزمائش جہاد ہے۔ مال و دولت کی قربانی آسان ہے۔ مگر سربکف ہو کر میدانِ جہاد میں نکل آنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض طبیعتیں اسے زیادہ کڑی آزمائش تصور کریں۔ لیکن اس کے فوائد کے مقابلہ میں یہ کوئی چیز نہیں۔ قوموں کی زندگی اُن کے جذبۂ جہاد سے وابستہ ہے۔ وہ جو جنگ سے جی چراتے ہیں، اُن کا قدرت سخت ترین امتحان لیتی ہے۔ وہ جن کے ہاتھ اپنی حفاظت میں نہیں رہتے، وہ کچل دیئے جاتے ہیں۔ بزدلوں اور کمزوروں کو جو اپنے سامنے حق کا خون ہوتا دیکھیں، اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

ف۲ مکہ والے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال چکے۔ انہیں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچا چکے۔ اب اُلٹے مسلمانوں پر معترض ہیں کہ وہ کیوں شہر حرام میں ہم سے نبرد آزما ہیں۔

اعتراض کا جواب یہ دیا کہ اشہر حرم کی حُرمت و عزت مسلّم، لیکن تمہاری شرارتیں کیا اس جہاد سے زیادہ خطرناک نہیں؟ مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہر رواداری کے لئے تیار ہے۔ مگر حق کی توہین وہ ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

حلِ لُغات

صَدٌّ ۔ روکنا۔

مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

اپنے دین سے مُڑو پھر گیا۔ اور کفر ہی میں مر گیا، تو ایسوں ہی کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں اور وُہی دوزخی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے ○

٢١٨- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

٢١٨- جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی۔ اور خدا کی راہ میں جہاد[1] کیا۔ وُہی اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

٢١٩- يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

٢١٩- جُوئے اور شراب[2] کی بابت تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن اُن کا گناہ اُن کے فائدوں سے

مُرتد کے عمل ضائع جاتے ہیں

ف کفر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو اپنا ہمنوا بنا لے۔ کفارِ مکہ اور یہودیوں نے ارتداد کے لئے ذلیل سے ذلیل وسائل اختیار کئے۔ مگر ایمان کے پکے اور عقائد کے مضبوط مُسلمان ہمیشہ ایمان کو بچا لے گئے اور وہ خائب و خاسر رہے جو مُسلمانوں کے ارتداد کا خواب دیکھا کرتے تھے۔

ان آیات میں بتایا کہ مرتد جو دینِ حنیف کا انکار کرے صراطِ مستقیم سے دُور ہٹ جائے اور جادۂ صدق و صفا کو چھوڑ کر نفاق و کفر کی پگڈنڈیوں پر ہو لے، وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی کوشش رائیگاں جائے گی اور اس کے اعمال اُسے ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ ارتداد اسلام کا بحیثیتِ مجموعی انکار کرتا ہے۔ اس کی سزا عقبیٰ میں سخت ترین ہو گی۔ دُنیا میں قتل ہے۔ چُنانچہ بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں مرتد ہو گئے اور بچھڑے کو پوجنے لگے تو فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ کی سزا اُن کے لئے تجویز کی گئی۔ عرینین جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مرتد ہو کر بھاگ گئے تو حضورؐ نے بھی انہیں قتل کی سزا دی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اس آیت میں بھی حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا کا لفظ اُن کے قتل کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ اس لئے کہ اسلام

عقل و دانش کا دین ہے۔ وہ پُکار پُکار کر کہتا ہے کہ سوچ سمجھ کر اسلام کو قبول کرو۔ اور جب تک سَو فی صدی یقین نہ آ جائے، ایمان نہ لاؤ۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اسلام کو ترک کرتا ہے تو وہ توہینِ مذہب کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کی سزا قطعی قتل ہونا چاہئے۔

ف[1] مجاہدین و مہاجرین ہی اللہ تعالیٰ کی بیش قیمت نعمتوں کے سزاوار و مستحق ہیں۔ اس لئے کہ یہی پاک نفوس وہ ہیں جنہوں نے لذاتِ نفس سے کنارہ کشی کی اور حق کے لئے ہر طرح کی مصیبت کو گوارا کیا۔ اسلام مسلمانوں کے لئے دو راہیں تجویز کرتا ہے۔ یا تو وہ باطل سے معرکہ آرا ہوں اور یا اُس زمین کو چھوڑ دیں جو اُن کے لئے فتنہ کا باعث ہو۔ گویا مُسلمان ضمیر کا آزاد پیدا کیا گیا۔ وہ غلامی اور بزدلی کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے آرام و آسائش کو ترک کر سکتا ہے۔ مگر حق سے کنارہ کشی و علیحدگی اس کے لئے سخت مشکل ہے۔ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ کے معنی یہ ہیں کہ جہاد سب سے بڑی عبادت ہے اور مجاہد سب سے بڑا مرتاض۔ اس لئے خدا کی رحمتیں اس کے لئے نسبتاً زیادہ وسیع ہوں گی۔ اس لئے چاہئے کہ مسلمان بھی مجاہدین کو چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے متہم نہ کریں۔

(باقی صفحہ ٨٠ پر)

حلِ لُغات

يَرْتَدِدْ۔ اِرْتِدَاد۔ پھر جانا ✦ اَلْخَمْرُ۔ ہر وہ چیز جو دماغ و عقل کو بے قابو کر دے ✦ مَيْسِر۔ جُوا۔ قمار بازی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ

زیادہ ہے۔ تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں تو کہہ جس قدر حاجت سے زیادہ ہو۔ یُوں اللہ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے شاید تم فکر کرو۔

۲۲۰- فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

۲۲۰- دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یتیموں کی بابت تجھ سے پُوچھتے ہیں۔ تو کہہ اُن کا سنوارنا بہتر ہے اور اگر تم اُن کا خرچ اپنے میں ملا رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تم پر مشکل ڈال دیتا۔ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

۲۲۱- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ

۲۲۱- اور مشرکہ عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ اور البتہ مسلمان باندی مشرکہ (بی بی) سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں اچھی معلوم ہو۔ اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو

(بقیہ صفحہ ۷۹) اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی بڑی منزلت ہے۔ وہ شخص جو اپنا سر دے کر خدا کے حضور میں پہنچ جائے۔ اس سے اور کس چیز کی اُمید رکھتے ہو؟ کیا اس سے کوئی اور بڑی قربانی ہو سکتی ہے؟

شراب اور جُوا

ف۳ عرب اسلام سے پہلے جوئے اور شراب کے سختی سے عادی تھے اور وہ شخص جو شراب نہ پیئے اور جوا نہ کھیلے۔ اُسے کہتے تھے "یہ برم" ہے یعنی کمینہ ہے اور سوسائٹی کے لئے باعث توہین ہے۔

حضرت عمرؓ جو انوارِ نبوت کے اکتساب میں یدطولیٰ رکھتے تھے اس کو بہت بُرا جانتے تھے۔ انہوں نے دُعا کی۔ اے اللہ! شراب کے متعلق فیصلہ کن حکم نازل فرما۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ شراب اور جوئے میں گو عارضی فائدے بہت ہیں، لیکن مستقل نقصان کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے یہ دونوں چیزیں بُری ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس سے بھی زیادہ واضح حکم نازل ہو تو سورۃ نساء کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ مگر اس میں بھی تھوڑی سی رعایت تھی۔ اس لئے پھر مطالبہ کیا گیا تو آخری اور فیصلہ کن آیت نازل ہوئی کہ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ؕ کہ رُکتے بھی ہو یا نہیں۔ اس پر انتہینا انتہینا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ساغر و مینا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور صدیوں کے رسیا ایک دم پارسا بن گئے۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف۱ جوئے اور شراب کی حرمت کے بعد جذبہ سخاوت کو کہاں صرف کیا جائے۔ ان آیات میں اس کا جواب دیا ہے کہ جو ضروریات سے زائد ہو اُسے شراب و قمار کی بجائے نیک کاموں میں صرف کرو۔

ف۲ یتامیٰ کے متعلق اسلام نے سختی سے اُن کے اولیا اور سرپرستوں کو ڈانٹا کہ ان کا مال کھانے سے باز آؤ۔ چنانچہ فرمایا۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو دیانت دار تھے اور یتامیٰ سے سچی ہمدردی رکھتے تھے، ڈرے اور اُن کے لئے یتامیٰ کی تربیت سخت مشکل مسئلہ بن گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر مقصد اصلاح ہو تو پھر خلط ملط میں جو ناگزیر حالات تک ہو مضائقہ نہیں اس لئے کہ وہ بھی تو آخر تمہارے بھائی ہیں اور اچھے سلوک کے مستحق ہیں۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ ادنیٰ سی بے انصافی بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ خوب جانتا ہے، کون اصلاح کے ارادہ سے یتامیٰ پروری کر رہا ہے اور کون وہ ہے جس کی نیت اُن کو لوٹنے کی ہے۔ اسلام نے یتامیٰ کی تربیت پر بہت زور دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ قوم کے بچے ہوتے ہیں اور کوئی قوم اس وقت تک خوددار قوم نہیں کہلا سکتی جب تک وہ اپنے یتیم بچوں کی پرورش نہ کرے۔

حلِ لُغات

اَمَةٌ۔ لونڈی۔ باندی۔ بندی۔

حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

ع

٢٢٢- وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

جب تک ایمان نہ لائیں اور البتہ مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں اچھا معلوم ہو۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تم کو مغفرت اور جنت کی طرف اپنے اذن سے بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے۔ شاید وہ نصیحت مانیں ۝

٢٢٢- اور تجھ کو حیض کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ وہ گندگی ہے۔ سو حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہولیں، اُن کے قریب نہ جاؤ۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس اُدھر سے جاؤ جدھر سے خدا نے تم کو حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو ۝

مشرکین سے رشتہ ناطہ ممنوع ہے

مشرک اور مشرکہ کی اصطلاح قرآن حکیم میں غیر کتابی یا غیر الہامی قوموں پر ہے۔ عیسائی بھی مشرک ہیں اور یہودی بھی۔ لیکن قرآن حکیم نے رشتہ مناکحت کو جائز تصور فرمایا ہے (اس صورت میں کہ مرد مسلم ہو) اس کی ایک معقول وجہ ہے۔ عام طور پر ازدواجی تعلقات میں وحدتِ خیال اور وحدتِ مذاق کو دوسری تمام ترجیحات سے ضروری قرار دیا جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ اس کے بغیر یہ رشتہ نہیں رہتا۔ شادی کا مقصد ہی جب کامل سکون ہے اور بیوی کی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ وابستہ ہو کر مرد تمام پریشانیوں کو بھول جائے جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا۔ لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا۔ تو ضروری ہے کہ جانبین زیادہ حد تک خیالات اور رجحانات میں ہم آہنگ ہوں۔

اہل کتاب اصولاً توحید کے قائل ہیں۔ کم از کم اُن کی کتابوں میں ذکر ہے۔ سلسلۂ نبوت کو جانتے ہیں۔ حشر و نشر پر ان کا اعتقاد ہے۔ انبیاء سے متعارف ہیں۔ اس لئے وحدتِ خیال کے بہت سے مواقع موجود ہیں۔ اس لئے اسلام نے اجازت دے دی کہ اُن سے رشتے کے تعلقات ہو سکتے ہیں۔ مگر مشرک مرد اور مشرک عورت کے طبیعت اور خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے رشتہ ناطہ ممنوع ہے اور اس حد تک ممنوع ہے کہ مال و دولت یا حسن کی فراوانی بھی وجہ جواز نہیں بن سکتی۔

قرآن حکیم نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے مشرک عورتیں تمہیں زیادہ جاذب اور خوبصورت معلوم ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشرک مرد تمہیں زیادہ کامیاب اور فارغ البال نظر آئیں۔ مگر اس لئے کہ روح کی خوبصورتی سے محروم ہیں اور دولتِ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ کسی طرح بھی مومن مرد اور مومن عورت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے رشتے جن میں عقائد و خیالات کی چنداں پرواہ نہیں کی جاتی، تربیتِ اولاد کے حق میں سخت مضر ثابت ہوتے ہیں۔ بچے عام طور پر والدہ اور والد کے خیالات کے تابع ہوتے ہیں اور اگر وہ دیکھیں کہ دونوں ماں اور باپ مذہب کے اعتبار سے مختلف ہیں تو وہ کسی خاص خیال کو دل میں جگہ نہیں دیتے۔ اور دہریت و الحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رشتہ مناکحت بجائے خود ایک دعوت ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو کامل مسلمان نہیں ہیں، عیسائی عورتوں سے حتی الوسع بچیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں بھی عیسائیت کے سیلاب میں بہا کر لے جائیں۔ اعاذنا اللہ۔

(باقی صفحہ ۸۲ پر)

حل لغات

عَبْدٌ۔ غلام۔ خدا کا بندہ۔

مَحِيْضٌ بمعنی حیض۔

٢٢٣- نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○

٢٢٣- تمہاری عورتیں تمہارا کھیت ہیں سو تم اپنے کھیت میں جیسے (جب) چاہو جاؤ اور اپنی جانوں کیلئے پہلے تدبیر کرو اور خدا سے ڈرو اور جان لو کہ تمہیں اُس سے ملاقات کرنا ہے اور خوشخبری سُنا ایمانداروں کو ○

٢٢٤- وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○

٢٢٤- اور خدا کو اپنی قسموں کا حیلہ نہ بناؤ کہ نہ سلوک کرو اور نہ اللہ سے ڈرو اور نہ لوگوں میں اصلاح کراؤ اور خدا سُنتا اور جانتا ہے ○

٢٢٥- لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ○

٢٢٥- تمہاری بیہودہ قسموں پر خدا تمہیں نہیں پکڑے گا لیکن جو کچھ تمہارے دل کماتے ہیں اُن پر تمہیں پکڑے گا اور خدا بخشنے والا بُردبار ہے ○

(بقیہ صفحہ ٨١) ف٢ قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جس میں ہماری تمام ضروریاتِ زندگی کو برملا بیان کر دیا گیا ہے اور تمام آدابِ حیات کو واضح طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے تاکہ مسلمان کسی بات میں جاہل نہ رہیں۔ حُسنِ معاشرت اخلاق کا ایک اہم حصہ ہے اور وظائف جنسی کی تشریح و توضیح ان حالات میں اور بھی ضروری ہو جاتی ہے، جبکہ قوم میں شہوانی جذبات زیادہ ہوں۔ قرآن حکیم کے زمانہ میں ایسے لوگ تھے جو اس مُعاملے میں جائز و ناجائز کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ ابُوالدحداح کے سوال سے مترشح ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ حیض کے دنوں میں مُباشرت ممنوع ہے۔ اخلاقاً بھی اور طبعاً بھی۔ "اذیٰ" کا لفظ وسیع ہے اور ان دونوں معنوں کو شامل ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

تربیتِ اولاد

ف اس سے پیشتر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ عورت کی عزت و حُرمت کے یہ منافی ہے کہ تم اس سے ہر حالت میں جنسی جذبات کی توقع رکھو۔ ان آیات میں بتایا کہ عورت کی حیثیت و درجہ کیا ہے۔ اسلام سے پہلے عورتوں سے نہایت بُرا سلوک کیا جاتا تھا۔ اسلام نے آکر بتایا کہ عورتیں عزت و احترام کی مستحق ہیں اور کھیتی کی مانند ہیں۔ جس طرح ایک کسان اور زمیندار اپنی کھیتی کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے اپنی قیمتی متاع سمجھتا ہے اسی طرح مسلمان کو عورت کی عزت کرنا چاہیئے۔ جس طرح کھیتی سے ہمارے لئے مختلف النوع چیزیں مہیا ہوتی ہیں۔ اسی طرح عورتیں ہمارے لئے ہماری اولاد پیدا کرتی ہیں اور جس طرح ایک کاشت کی غرض یہ ہوتی ہے کہ پیداوار قیمتی ہو، اسی طرح مرد کو کوشش کرنا چاہئے کہ وہ نیک اور تندرست نسل پیدا کرے جو اس کے لئے اور اُمتِ مسلمہ کے لئے باعثِ برکت ثابت ہو۔ یعنی اُن کی تربیت میں شدید سے شدید محنت برداشت کرے۔ بالکل کسان کی طرح کہ وہ سخت جاڑوں میں بھی صبح صبح کھیت میں پہنچ جاتا ہے۔ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ تم اس رشتہ کی اہمیت کو سمجھو۔ صرف وظائف جنسی کا کسی نہ کسی طرح ادا کر دینا کوئی قابلِ اجر بات نہیں۔ البتہ نیک و مستعد اولاد پیدا کرنا ضرور لائقِ بشارت و تبریک ہے۔

ف٢ ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خدا کی قسم سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ یعنی اگر کسی اچھے کام کے نہ کرنے پر قسم کھا لو تو اُسے توڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی بات کے متعلق قسم کھالے اور اس کے بعد اُسے محسوس ہو کہ اُس نے غلطی کی ہے تو قسم توڑ دے اور کفارہ دے دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی مسلمان کو نیکی کرنے سے نہیں روکتے۔

ف٣ قسم کھانے کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق قصد و ارادہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ عادۃً یونہی اس نوع کے کلمات منہ سے نکل جاتے ہیں۔ قسم اور عند اللہ یہ حلف نہیں سمجھا جائے گا۔

۲۲۶۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

۲۲۶۔ اُن لوگوں کو جو اپنی عورتوں[ف۱] سے نہ ہمبستر ہونے پر قسم کھا بیٹھتے ہیں چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ پھر اگر وہ مل گئے تو خدا بخشنے والا مہربان ہے ۝

۲۲۷۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

۲۲۷۔ اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا تو اللہ سنتا اور جانتا ہے ۝

۲۲۸۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ع

۲۲۸۔ اور مطلقہ عورتیں[ف۲] اپنے آپ کو تین حیض تک نکاح دیگر سے روکیں اور اُن کو اُس کا چھپانا جو خدا نے اُن کے رحموں میں پیدا کیا ہے حلال نہیں ہے اگر وہ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہیں اور اس عرصہ میں اگر وہ صلح کرنا چاہیں تو اُن کے خاوندوں کا حق ہے کہ انہیں پھیر لیں اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسے مردوں کا اُن پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کا عورتوں کے اوپر (درجہ ہے) اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ۝

۲۸ ع ۷ ۱۲

ایلاء کا حکم ف۱ ایلاء کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ لغتہً قسم کھانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شرعاً متفق علیہ مفہوم جس پر جمہور کا اتفاق ہے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی عورت کی مقاربت سے چار مہینے سے زائد مدت کے لئے پرہیز کا عہد کرے اور قسم کھائے کہ وہ اس عرصے میں عورت کے نزدیک نہیں جائے گا اور اگر چار مہینے یا اس سے کم مدت کے لئے قسم کھائے تو اس کا حکم یمین محض کا حکم ہوگا۔ ایلاء کا نہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور دیگر فقہائے عظام کا یہی مذہب ہے۔

جب یہ صورتِ حالات پیدا ہو جائے تو پھر یا تو چار مہینے صبر کر کے رجوع کرے تو اس صورت میں کوئی کفارہ نہ ہوگا اور یا اگر مدت سے پہلے رجوع کرے تو کفارہ یمین دے اور اگر کلی طور پر انقطاع کا قصد ہو تو طلاق دے دے۔ رجوع کے متعلق فرمایا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی نباہ کرنا بہرحال بہتر ہے قسم کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے اور طلاق کے متعلق فرمایا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ جانتے اور سنتے ہیں کہ تم دونوں میں سے کون ظالم اور کون مظلوم ہے۔ لہٰذا طلاق کے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔ ذرا سی غفلت میں دونوں زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔

مطلقہ اور اُس کی عدت ف۲ اسلام نے جہاں عورت کی عزت و حرمت کا جائزہ اعتراف کیا ہے وہاں اُس نے اس کی نفسیات کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور جو بات کہی ہے وہ عین فطرتِ نسوانی کے لئے مفید ہے۔ مثلاً طلاق اصولاً دونوں طرف سے ہو سکتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے اس درجہ شکایت ہو سکتی ہے کہ وہ علیحدہ ہو جانے پر مجبور ہوں۔ مگر عورت از خود اس کی مجاز نہیں اور یہ اس لئے کہ عورت فطرتاً عقل سے جذبات کی زیادہ تابع ہوتی ہے۔ اُسے اگر طلاق و تخلی کے اختیارات دے دیئے جائیں تو وہ اپنی زندگی نہایت تکلیف میں بسر کرے اور تلخ کرے۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلامی نظامِ طلاق کا مطالعہ نہیں کیا، معترض ہیں کہ دیکھئے اسلام نے کس طرح عورت کے حقِ ازدواج کو چھین لیا ہے اور ہر وقت اسے طلاق کے ڈر سے سہما رکھا ہے۔ حالانکہ طلاق کی حیثیت ابغض المباحات کی ہے۔ یعنی ناپسندیدہ مگر ناگزیر علیحدگی کی۔ کیا اس قسم و نوع کے حالات پیدا نہیں ہوتے کہ میاں بیوی الگ ہو جائیں۔ اس سے دونوں کی عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی جانب سے عافیت میں ہو جاتے ہیں اور دونوں آزاد ہو جاتے ہیں۔ کیا شادی کر لینے کے بعد مرد بہرحال نباہ کرنے پر مجبور ہے، جبکہ اس کا دل نہیں چاہتا۔

بات یہ ہے کہ ہم معاملات کو واقعات اور انسانی فطرت کی روشنی میں نہیں دیکھتے، بلکہ ان کو محض منطق و قیاس کی رُو سے دیکھتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۸۴ پر)

۲۲۹۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

۲۳۰۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ

۲۲۹۔ طلاق دو بار ہے پھر خوبی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی سے رخصت کرنا اور تمہیں حلال نہیں کہ اپنے دیئے ہوئے میں کچھ اُن سے واپس لو۔ مگر جب وہ دونوں ڈریں کہ خدا کے قاعدے قائم نہ رکھ سکیں گے پس اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں خدا کے قاعدے قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت بدلہ دے کے چھوٹ جائے۔ یہ خدا کے مقرر کئے ہوئے قواعد ہیں سو تم اُن سے باہر نہ ہو اور جو کوئی خدا کے مقرر کئے ہوئے قاعدوں سے باہر ہوا۔ سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

۲۳۰۔ پھر اگر دُوسری طلاق کے بعد بھی وہ اُس کو طلاق دے چکا تو

(بقیہ صفحہ ۸۳) یعنی ہم صرف معاملہ کے اس پہلو کو بھول جاتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

قرآن حکیم نے مطلقات کو تین قروء کی جو رعایت دی ہے اس لئے ہے کہ شاید دونوں میں صلح ہو جائے اور دونوں پھر بدستور میاں بیوی رہیں۔ مطلقات سے مُراد وہ عورتیں ہیں جو مدخولہ ہوں اور حاملہ نہ ہوں۔ غیر مدخولہ کا حکم الگ ہے۔ اس کے متعلق فرمایا۔ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ حاملہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ قروء کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مُراد مدتِ طُہر ہے اور بعض کے نزدیک مدتِ حیض۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ قروء ذوات الاضداد میں سے ہے۔ اس کا اطلاق حیض و طُہر دونوں پر ہوتا ہے۔ قروء کے اصل معنی مدت و اجل کے ہیں۔ جیسے هبت الرياح لقروئها۔ چونکہ طُہر و حیض دونوں ایک قسم کی مدت ہیں، اس لئے دونوں پر لغوًا اطلاق درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و احادیث میں یہ لفظ دونوں معانی میں برابر استعمال ہوا ہے حیض کے لئے جیسے فرمایا۔ دعی الصلٰوۃ ايام اقرائك بالطلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان۔ طُہر کے لئے جیسے قرآن میں فرمایا۔ فطلقوهن لعدتهن اور ظاہر ہے کہ عدت طلاق طُہر ہے۔ مگر مقصد چونکہ مُہلت دینا ہے، اس لئے اوسع اور تین مُراد لیا اور یہ منشائے شریعت کے زیادہ مطابق ہوگا۔ لہٰذا حیض زیادہ قرینِ قیاس ہے اور یوں دونوں معانی کے لئے گنجائش ہے۔ عورت کو یہ ہدایت کی کہ وہ جو کچھ اُس کے رحم میں ہے، چُھپائے نہیں۔ اس لئے کہ فیصلہ اس صُورت میں صرف عورت کی بات پر ہوگا۔ یہ بھی فرمایا کہ اثنائے عدت میں مَردوں کو اختیارِ رجوع ہے۔ اگر وہ اصلاح چاہیں۔ اس کے بعد یہ بتایا کہ عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مَردوں کے۔ بجز اس کے کہ مَردوں کے ذمہ نفقہ و قیام کی ذمہ داریاں ڈال دی گئی ہیں۔ اس لئے معمولی باتیں طلاق و تخلی کا باعث نہ بنیں اور حتی الوسع صلح کر لی جائے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف ان آیات میں طلاق کی تحدید فرما دی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ بار بار طلاق دیتے اور رجُوع کر لیتے جس کی وجہ سے عورتیں بیچاری مردوں کے مظالم کی تختۂ مشق بنی رہتیں۔ اسلام نے عورتوں پر یہ احسان کیا کہ طلاق کی تحدید کر دی۔ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ کے معنی یہ ہیں کہ حُسنِ معاشرت اور اخلاقِ عالیہ بہرحال قائم رہیں۔ عورت کو طلاق دینے کے معنی صرف یہ ہونا چاہئیں کہ وہ باعزت طور پر رشتۂ مناکحت کو توڑ دے اور بس۔ عورت کو بدنام کرنا یا اس کی توہین کرنا درست نہیں۔ بلکہ اگر ایسے مواقع پر عورت کو کچھ دے دے۔ بطور الوداعی تحفے اور یادگار کے طور پر تو یہ زیادہ موزوں ہے۔ وہ عورت جو مدتوں تمہاری رفیقِ حیات رہی ہے، کیا اس وقت تمہارے حُسنِ اخلاق کی مستحق نہیں۔ احسان کی ایک صُورت یہ ہے کہ جو کچھ اُسے دیا گیا ہے، طلاق کے وقت واپس نہ لیا جائے۔

حلِ لُغات

تَسْرِيْحٌ ۔ چھوڑ دینا۔
اِفْتَدَتْ ۔ فدیہ یا معاوضہ دیا

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

۲۳۱۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

اس کے بعد وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اس کے سوا کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے پھر اگر وہ (بھی) اُس کو طلاق دے ڈالے تو اُن دونوں کا پھر مل جانا گناہ نہیں ہے اگر وہ خیال کریں کہ خدا کے قواعد ٹھیک رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کے قواعد ہیں جنہیں وہ جاننے والوں کیلئے بیان کرتا ہے○ ف۱

۲۳۱۔ اور جب عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچیں تو انہیں خوبی کے ساتھ روک لو یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دو اور اُن کو ایذا دینے کے لئے نہ روکو۔ کہ اُن پر زیادتی کرو اور جس نے یہ کیا اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور خدا کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ اور خدا کا فضل جو تم پر ہے، یاد کرو اور اُس چیز کو (بھی یاد کرو) جو اُس نے تم پر

حقِ خلع

البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر عورت کی طرف سے مطالبہ تخلی ہو تو وہ دے دلا کر مرد کو راضی کرے اور طلاق حاصل کرلے۔ اس کا نام اسلامی اصطلاح میں خلع ہے۔ یہ عورت کا حق ہے جو اسلام نے بخشا ہے۔ مگر افسوس کہ آج عورتیں اس حق سے محروم ہیں۔

ف ان آیات میں بتایا ہے کہ جب عدت میں رجوع کی گنجائش ہو تو اس وقت دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو حقوقِ زوجیت ادا کیا جائے اور پھر انہیں باقاعدہ شرافت کے ساتھ الگ کر دیا جائے۔ انہیں محض دکھ دینے کے لئے بار بار رجوع کرنا۔ جیسے جاہلیت کے زمانہ میں عرب لیتے تھے، ناجائز ہے۔ کیونکہ نکاح ایک مقدس عہد ہے جس کی رعایت حتی الوسع ضروری ہے اور جب آدمی مجبور ہی ہو جائے تو پھر الگ ہو جائے مگر تکلیف نہ دے۔ اس لئے یہ اخلاق و تقویٰ کے خلاف ہے۔

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ سے مراد اس زمانۂ آخری کے قریب قریب پہنچنا ہے کیونکہ وقت گزر جانے کے بعد تو اسلام نے رجوع کا حق ہی نہیں رکھا۔ تاوقتیکہ وہ مطلقہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کرلے اور وہ اپنی مرضی سے اسے دوبارہ طلاق نہ دے دے۔ جیسے فرمایا۔ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ اس صورت میں دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔

اسلام نے یہ سختی اس لئے روا رکھی کہ جانبین کو طلاق کی خرابیوں کا پورا پورا احساس ہو اور وہ جان لیں کہ ایک دوسرے سے باقاعدہ الگ ہو جانے کے بعد مل بیٹھنے کا پھر کوئی موقع نہیں۔ تاکہ اُن کے جذبۂ غیرت و حمیت کو ٹھیس لگے اور وہ اس مشئوم اقدام سے باز آجائیں اور تاکہ دونوں کو معلوم ہو جائے کہ کس طرح ایک دوسرے سے باقاعدہ الگ رہ کر زندگی کے دن پورے کئے جاسکتے ہیں۔ یوں جہاں تک نظام طلاق کا تعلق ہے، اسلام نے اُسے نہایت مشکل مسئلہ بنا دیا ہے۔ مرد و عورت کو اصلاحِ حالات کا پورا پورا موقع دیا ہے۔ مثلاً یہ فرمانا کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی عارضی نفرت نہ ہو جو مرد کو طلاق پر آمادہ کرے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کہہ کر گویا مہلت دی ہے کہ اس عرصے میں رجوع کرلے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ الطلاق ابغض المباحات کہ طلاق بدترین جواز ہے۔ بجائے خود یہ ترغیب مصالحت ہے۔ ان حالات کے بعد بھی اگر کوئی مجبور ہو جائے تو پھر ظاہر ہے کہ ان کو ایک مدت تک الگ ہو جانا چاہئے اور انتظار کرنا چاہئے۔ اگر عورت بیوہ ہو جائے یا دوسرا خاوند طلاق دیدے اور عورت پھر نکاح پر راضی ہو تو پھر رشتۂ ازدواجی میں منسلک ہو جائیں۔ ورنہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں۔

مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

کتاب اور حکمت نازل کی ہے جس سے وہ تم کو سمجھاتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جانو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے ف۱ ۝

۲۳۲- وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۲۳۲- اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدّت کو پہنچیں تو اُن کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ف۲ نہ روکو جبکہ وہ حسبِ دستور آپس میں راضی ہو جائیں۔ یہ نصیحت اُس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے خدا اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس میں تمہارے لئے پاکیزگی اور سُتھرائی زیادہ ہے اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۝

۲۳۳- وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

۲۳۳- اور بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو

آیات اللہ سے استہزا

ف۱ ان آیات میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو استخفاف و استہزاء کی صورت میں نہ بدل دینا چاہئے۔ جاہلیت میں عرب طلاق دے دیتے اور بعد میں کہتے کہ میں تو محض مذاق کر رہا تھا۔ یہ ممنوع ہے۔ آج کل بھی تحلیل کے لئے جو حیلے تراشے جاتے ہیں، وہ نہایت مضحکہ خیز ہیں اور ان سے شریعتِ غرا کی توہین ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلالہ سے منع کیا ہے اور محلل کو ملعون قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ اللہ کی حدود کی توہین نہیں کی جا سکتی۔ بعض لوگ درخت سے، مُرغے سے اور اس قسم کی دُوسری چیزوں سے نکاح کر دیتے ہیں، اور بعد میں کہتے ہیں کہ اب تحلیل کا مقصد پُورا ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ شریعتِ اسلامیہ سے محض مذاق ہے۔ اسلام جو ہمہ حکمت و موعظت ہے اور جس کی کوئی بات فلسفہ و لم سے خالی نہیں۔ ہرگز اس نوع کی باتوں کا متحمل نہیں۔ یہ بالکل وہی مرض ہے جو یہودیوں میں پایا جاتا تھا۔ اس سے نصوص کا احترام اُٹھ جاتا ہے اور بدعملی والحاد پھیلتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

ف۲ عضل کے معنی روکنے اور مشکل میں ڈالنے کے ہیں۔ دُجاجۃ معضلۃ اُس مرغی کو کہتے ہیں جو بمشکل انڈے دے۔ معضلت الناقۃ اُس وقت بولتے ہیں جب اُونٹنی کے لئے بچہ جننا مشکل ہو جائے۔ داء عضال اس بیماری کا نام ہے جو بمشکل دُور ہو۔

مقصد یہ ہے کہ عدّت ختم ہونے کے بعد عورت کو دُوسرے نکاح کا حق حاصل ہے اور تمہارے لئے جائز و درست نہیں کہ تم ان کے نکاح میں روڑا اٹکاؤ اور ان کو مشکلات میں نہ ڈالو۔

آیت کا روئے سخن یا تو پہلے خاوندوں سے ہے اور یا اولیاء سے۔ عام طور پر جاہل خاوند طلاق دینے کے بعد کوشش کرتے ہیں کہ ان کی سابقہ بیوی کسی دُوسرے سے نکاح نہ کر سکے اس لئے کہ یہ بظاہر اُن کی عزت کے خلاف ہے۔ وہ ان کے خلاف لوگوں کو اکساتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے۔ اولیاء اور عورت کے دُوسرے بزرگ بھی بعض دفعہ انہیں دُوسرے نکاح سے روکتے ہیں۔ یہ بھی مصالح کے خلاف ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ حالات و مستقبل کا علم تمہیں نہیں، اللہ کو ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اس لئے جو حق اللہ نے انہیں دے رکھا ہے، تمہیں اس سے محروم رکھنا کسی طرح زیبا و جائز نہیں۔

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

پُورے دو برس دُودھ پلائیں۔ جو کوئی دُودھ کی مُدت پُوری کرنی چاہے اور بچّے کے باپ پر ان عورتوں کا کھانا کپڑا ہوگا دستور کے موافق۔ کسی کو اُس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ ماں کو اُس کے بچّے کے سبب سے ضرر پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اُس کے بچّے کے سبب سے اور وارث پر بھی یہی ذمّہ ہے۔ پھر اگر وہ دونوں آپس کی رضامندی اور مشورہ سے دُودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں ہے اور اگر تم (اے مردو) یہ چاہو کہ اپنی اولاد کو دُودھ پلاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ تم دستور کے مُطابق مقررہ اُجرت حوالہ کر دو اور خُدا سے ڈرو اور جانو کہ جو کچھ تم کرتے ہو خُدا اُسے دیکھتا ہے ○

مُدّتِ رضاعت

ف اسلام ایسا کامل نظام مذہب ہے کہ اس میں جزئیات تک
راموش نہیں کیا گیا۔ لیکن اس حد تک کہ شگفتگی باقی رہے۔
بظاہر رضاعت کا مسئلہ اتنا اہم نہیں کہ قرآن حکیم ایسی اصولی
ب اس کی تفاصیل پر روشنی ڈالے۔ مگر جب بغور دیکھا جائے
علوم ہوگا کہ یقیناً اس کی ضرورت تھی۔

دُودھ انسان کی پہلی خوراک ہے جس سے بچّے کے ہونٹ
ا ہوتے ہیں اور یہ پہلی غذا ہے جو تولید لحم و دم میں بیشتر حصّہ
ی ہے۔ اگر اسے زیادہ عرصہ تک جاری رکھا جائے تو بعض اعضاً
رو نما سے بالکل رُک جائیں گے اور بچّہ باوجود بڑھنے کے اور
ہونے کے کمزور و ناتواں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات بھی
سال سے زیادہ بچّوں کو دُودھ نہیں پلاتے۔

امکان یہ تھا کہ ماں بتقاضائے محبّت رضاعت کو زیادہ وسیع
ے، اس لیئے قرآنِ حکیم نے جو بجائے خود شفائے کامل ہے،
سال کی تحدید کر دی۔

دُودھ کون پلائیں؟

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ کہہ کر قرآنِ حکیم نے اخلاق کے بہت
ے مسئلے کو حل فرما دیا ہے۔ عام طور پر لوگوں کی نگاہیں اخلاق کے
اس پہلو تک نہیں پہنچیں۔ حالانکہ تربیتِ اطفال کے لیئے یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ "ماں کی گود بچّے کی تعلیم گاہ ہے" مشہور فقرہ ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ بے شک ماں درسگاہِ اطفال میں پہلی معلّمہ ہے۔ مگر اس کا طریقِ تعلیم دُودھ ہے۔ وہ اپنے دُودھ کے ذریعے سے بچّے کی رگ رگ میں عادات و اخلاق غیر محسوس طریق پر داخل کر دیتی ہے۔ اس لیئے ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ مائیں اور نیک عورتیں بچّوں کو اپنا دُودھ پلائیں اور ادنیٰ درجہ کے اخلاق کی عورتوں کے سپرد نہ کریں۔

ایک اَور فائدہ اس طرح اگر مائیں اپنے بچّوں کو اپنی چھاتی سے دُودھ پلائیں تو ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ بچّوں کے دل میں ابتدا ہی سے محبّت و شفقتِ مادری کے گہرے نقوش کندہ ہو جائیں گے جو آئندہ زندگی میں انہیں سعادت مند اور نیک "اولاد" ظاہر کرنے میں زیادہ ممد و معاون ہوں گے۔ بخلاف اس کے وہ بچّے جو پیدا ہوتے ہی نرسوں کے سپرد ہو جائیں۔ بڑے ہو کر کسی سکول میں محصور کر دیئے جائیں اور جب ہوش آئے تو یورپ کے کالجوں میں پڑھ رہے ہوں۔

(باقی صفحہ ۸۸ پر)

حلِ لغات

الرَّضَاعَة۔ دُودھ پلانا + اَلْمَوْلُوْدُ لَهٗ۔ باپ + تَشَاوُر۔ باہم مشورہ کرنا + تَسْتَرْضِعُوْٓا مصدر اِسْتِرْضَاع۔ دودھ پلوانا۔

٢٣٤- وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

٢٣٥- وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا

٢٣٤- اور جو لوگ تم میں سے عورتیں چھوڑ کر مر جاتے ہیں تو وہ عورتیں چار مہینے دس دن تک اپنے آپ کو روکیں ؎۱- پھر جب وہ اپنی عدّت کو پہنچیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے جو وہ اپنے حق میں حسب دستور کرتی ہیں- اور خدا تمہارے کاموں سے خبردار ہے ○

٢٣٥- اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ کنایۃً (اشارہ سے) عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں چُھپا رکھو- خدا جانتا ہے کہ البتّہ تم اُن کا ذکر کرو گے- مگر تم اُن سے خُفیہ وعدہ نہ کر رکھو- ہاں حسبِ دستور کوئی بات کہہ دو (کوئی حرج نہیں) اور نکاح کا ارادہ نہ کرو جب تک شرع کا حکم اپنی مُدت کو نہ پہنچے- اور جان لو کہ

(بقیہ صفحہ ۸۷) کیا اُن سے سعادت مندی اور نیاز مندی کے جذبات کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟ موجودہ تہذیب کے لاتعداد امراض میں سے ایک مرض احساس "انفرادیت" بھی ہے جس کے بتلانے سے مہر و محبت کا قدرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے- قرآن حکیم اسی لئے فرماتا ہے کہ مائیں بچوں کو حتی الوسع اپنی آغوشِ شفقت سے الگ نہ کریں اور ابتداء سے ان کو "اجتماعیت" کا عملی درس دیں- تربیت اور اخلاق کا یہ کتنا اہم نکتہ ہے جو قرآنِ حکیم نے یونہی بیان فرما دیا ہے-

؎۲ ان آیات میں مندرجہ ذیل مسائل بتلائے ہیں:-

(۱) باپ بچوں کی ماں کا کفیل ہے- رزق و کسوت اس کے ذمّہ ہے-

(۲) رزق و کسوت عرف عام کے تحت ہونا چاہئے اور اس میں وسعت و طاقت کا پُورا پُورا خیال رہے-

(۳) بچّہ کی وجہ سے ماں خاوند کو کوئی ناجائز تکلیف نہ دے اور نہ باپ بیوی کو-

(۴) بچّے کے دُودھ چھڑانے میں دونوں کی رضا جوئی ضروری ہے-

(۵) بچّے دایہ کے سپرد کئے جا سکتے ہیں- بشرطیکہ اس کا حق اُسے دیدیا جائے-

(۶) ان سب معاملات میں اتفاق ضروری ہے-

ان مسائل کو سیاق طلاق میں اس لئے بیان فرمایا کہ درحقیقت طلاق ہی کی صورت میں بچّہ کے متعلق مشکلات پیش آتی ہیں-

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

بیوہ کی عدّت

قرآن حکیم کی اصطلاح میں زوج کا اطلاق بیوی اور خاوند پر یکساں ہوتا ہے- اس لئے کہ دونوں ایک دُوسرے کے لئے سرمایۂ راحت و سکون ہیں اور دونوں کا وجُود ایک دُوسرے کے لئے ضروری و ناگزیر ہے- موجودہ تہذیب عورت کو "نصف بہتر" سے زیادہ حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں- مگر قرآن حکیم عورت کو "کُل بہتر" کہتا ہے اور اس لئے اس کے لئے زوج کے لفظ کو استعمال کرتا ہے- تاکہ معلوم ہو کہ خاوند بیوی سے الگ و مستقل کوئی وجُود ہی نہیں رکھتا کہ اس کا کوئی دوسرا نام ہے-

ان آیات میں ازواج کا ذکر ہے- اس سے مُراد بیوہ عورتیں ہیں ان کی عدّت کا ذکر ہے- چار مہینے دس دن تک انتظار کریں- اس کے بعد انہیں اختیار ہے-

اس مدّت میں جنین کا پتہ چل سکتا ہے- تین ماہ کے بعد عام طور جنین مذکر میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور جنین مؤنث بھی چار ماہ تک متحرک ہو جاتا ہے- دس دن اس لئے بڑھا دیئے ہیں- تاکہ اگر جنین نحیف کمزور ہو تو بھی ظاہر ہو جائے- (باقی صفحہ ۸۹ پر)

حلِ لُغات

عَرَّضْتُمْ- مصدر تعریض- پیش کرنا-

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

جو تمہارے دل میں ہے، اللہ کو معلوم ہے۔ سو اُس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا بُردبار ہے ○

۲۳۶- لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

۲۳۶- اگر تم نے عورتوں کو اُن کے ساتھ ہم بستر ہونے سے پہلے طلاق دے دی یا اُن کا مَہر مقرر نہیں کیا اور طلاق دے دی تو تم پر کچھ گناہ نہیں (مَہر لازم نہیں) اور چاہئے کہ غنی اور تنگدست آدمی اپنی اپنی حیثیت کے موافق اُن کو خرچ دیں جیسے خرچ کا دستور ہو۔ یہ نیکوکاروں پر حق ہے ○

۲۳۷- وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ

۲۳۷- اور اگر ہم بستر ہونے سے پہلے اُن کو طلاق دو اور اُن کا مَہر تم مقرر کر چکے ہو تو جو تم نے مقرر کیا ہے اُس کا نصف دینا چاہئے۔ مگر جبکہ وہ عورتیں یا وہ شخص جس کے ہاتھ نکاح کی گرہ ہی معاف کر دے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸)

جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ حاملہ کی عدّت الگ ہے۔ یعنی اگر ایک عورت بیوہ اور حاملہ ہو تو اُس کی عِدّت بیوہ کی عدّت نہیں ہوگی، چار مہینے اور دس دن۔ بلکہ وضعِ حمل کی عدّت ہوگی۔ چنانچہ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے سبیعہ اسلمیّہ کو وضعِ حمل کے بعد نکاح کی اجازت دے دی بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اسے بعد الاجلین کو عدّت ٹھہرانا چاہئے۔ تاکہ عموم وخصوص میں جمع ہو جائے۔ یعنی اگر وضعِ حمل کی مُدّت زیادہ ہے تو وہ عدّت ٹھہرے گی اور اگر عدّت کی مدت زیادہ ہے تو وہ۔

سلسلۂ جنبانی

بیوہ سے نکاح کے لئے یہ ہدایات دیں کہ تعریض یعنی اشاروں، کنایوں میں اظہارِ مطلب کرنا گناہ نہیں۔ البتہ ان کی رائے پر جبر کرکے الگ اُن سے کوئی وعدہ لے لینا مذموم ہے اور یہ کہ اثنائے عدّت میں نکاح کے لئے کوئی پختہ عہد کرنا بھی درست نہیں۔ جب عدّت گزر جائے تو پھر اختیار ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایسے معاملات میں جلدی اور انجام کار عجلت اچھی نہیں ہوتی۔ بیوہ کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اچھی طرح سوچ سمجھ لے۔ اس کی رائے آزادانہ ہونی چاہئے۔

دباؤ کسی صُورت بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے نکاح کے مُعاملے میں عورت کی آزادیِ رائے کی کس قدر حفاظت کی ہے اور نسوانی حُرمت وعزّت کا کس قدر خیال رکھا ہے۔ وہ لوگ جو معاملات میں ان باریکیوں کا خیال نہیں رکھتے۔ بالعموم تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور پشیمان ہوتے ہیں۔

نکاحِ بیوگان ایک ایسا قانون ہے جس کی صحت اب مخالف حلقوں میں بھی تسلیم کی جا رہی ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لئے اس نے آج سے چودہ سَو سال پہلے اجازت مرحمت فرما دی اور بات بھی معقول ہے۔ جب نکاح ایک دفعہ درُست ہے اور سوسائٹی اسے معیُوب قرار نہیں دیتی تو پھر یہ دُوسری دفعہ کیوں درُست نہیں؟

نکاح بیوگان کی مخالفت قانونِ فطرت کے خلاف ہے جس سے بہت سی بُرائیاں پیدا ہونے کا امکان ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمسایہ قومیں اس کو بشدّت محسُوس کرنے لگی ہیں اور عملاً اسلام کی اس سچائی کی معترف ہو رہی ہیں۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

اور تم مرد اگر معاف کر دو تو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں احسان کرنا نہ بھلا دو۔ بیشک جو تم کرتے ہو خدا دیکھتا ہے ○

۲۳۸۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○

۲۳۸۔ نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے خبردار رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے ہوا کرو ○

۲۳۹۔ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○

۲۳۹۔ پھر اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ یا سوار ہی نماز پڑھ لو۔ پھر جب امن میں آجاؤ تو خدا کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تم کو وہ باتیں سکھلائیں جو تم نہ جانتے تھے ○

۲۴۰۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

۲۴۰۔ اور جو لوگ تم میں مر جاویں اور عورتیں چھوڑ جاویں۔ وہ ایک سال تک اُن کے خرچ دینے کی وصیت کر جائیں۔

نماز اور معاملاتِ خانگی

ف ان آیات میں جو بات قابلِ غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ نکاح و طلاق کے عین درمیان نماز کا ذکر ہے۔ اس سیاق کا فلسفہ کیا ہے؟ نکاح و طلاق کے مسائل جو یکسر خانگی معاملات ہیں، نماز سے کیا تعلق و ربط رکھتے ہیں جو خالص رُوحانی عبادت ہے اور کیوں نماز کو عین ان مسائل کے درمیان بیان کیا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قرآن حکیم مضامین کے بیان کرنے میں کسی اکتسابی اسلوب بیان کا محتاج نہیں۔ اس کا انداز بیان اپنا ہے اور فطری ہے۔ جس طرح انسان سوچتے وقت کسی خاص منطقی طریق کا پابند نہیں ہوتا اور خیالات تنوع کے ساتھ دماغ میں آتے ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کے مضامین اپنے اندر ایک عجیب تنوع لئے ہوئے ہیں۔ جن میں گو مصنوعی ترتیب نہیں ہوتی۔ مگر قدرتی ربط اس نوع کا ہوتا ہے کہ پڑھنے میں دلچسپی قائم رہتی ہے۔

دُوسری خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بتانا یہ مقصود ہے کہ نماز و معاملات میں ایک گہرا ربط ہے۔ وہ لوگ جو نماز تو پڑھتے ہیں۔ مگر معاملاتِ خانگی میں اچھے ثابت نہیں ہوتے، وہ نماز کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ نماز ایک خاص نوع کی رُوحانی ریاضت ہی کا نام نہیں، بلکہ اس کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے۔ اور اس حد تک ہے کہ وہ لوگ جو حقوق الناس کا خیال نہیں رکھتے صحیح معنوں میں عباد الرحمٰن نہیں۔ نماز کے معنی ایک ذہنی عملی انفرادی اور اجتماعی انقلاب کے ہیں جو نمازی میں پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی نماز پڑھنے سے نمازی کا ہر حصہ زندگی متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ بدلتا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کا یہی مفہوم ہے۔

صَلٰوة وُسْطٰى سے مراد بہتر، زیادہ مراتب و درجات کی حامل نماز کے ہیں۔ اس لئے کہ لفظ وُسطٰ جس کے معنی درمیان کے ہوتے ہیں، اس سے تفضیل کا صیغہ مشتق نہیں ہوتا۔ پھر اس کے مصدوق میں اختلاف ہے۔ زیادہ قرینِ صحت یہ ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔

نماز کی تاکید اس قدر زیادہ ہے کہ حالتِ جنگ میں بھی اسے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سواری کی صورت میں ممکن ہو تو سواری پر پڑھ لے۔ ورنہ کھڑے کھڑے ادا کرے۔ بہر حال معاف نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہی تو وہ چیز ہے جس سے فرائض کا احساس ہر تازہ رہتا ہے اور جس سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔

(باقی صفحہ ۹۱ پر)

حلِ لُغات

قٰنِتِيْنَ۔ خشوع و خضوع۔ مادہ قنوت۔

مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

نہ یہ کہ نکال دی جائیں۔ پھر اگر وہ آپ نکل جائیں تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں۔ جو وہ اپنے حق میں دستور کے مطابق (تجویز) کریں۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ○

۲۴۱- وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○

۲۴۱- اور طلاق یافتہ[ف۱] عورتوں کو حسب دستور خرچ دینا چاہئے۔ یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے ○

۲۴۲- كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ ع

۲۴۲- خدا یوں اپنی آیتیں تمہارے لئے بیان کرتا ہے۔ شاید تم سمجھو ○

۲۴۳- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

۲۴۳- کیا تُو نے (یا رسول اللہؐ) وہ لوگ نہیں دیکھے جو ہزاروں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ سو خُدا نے اُن سے کہا کہ مر جاؤ۔ پھر اُن کو جلا دیا۔ بے شک خُدا آدمیوں

(بقیہ صفحہ ۹۰)

ف۱ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ اگر بیوہ عورتوں کے متعلق اُن کے خاوند وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک مکان سے نہ نکالا جائے تو اس پر عمل کیا جائے۔ اگر وہ خُود اس عرصہ میں نکلنا چاہیں تو مضائقہ نہیں۔

سلف میں اس آیت کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ منسوخ ہے یا محکم۔ اکثریت کی رائے ہے کہ منسوخ ہے۔ آیت وصیت کی وجہ سے اور آیت عدت کی وجہ سے۔

مگر ان آیات میں تطبیق بھی ممکن ہے۔ آیت وصیت و عدت میں احکام ہیں اور اس آیت میں فوق الاحکام حُسنِ سلوک۔ یعنی اگر کوئی شخص حقوق سے زیادہ کچھ دینا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف۱ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ کے معنی ہیں کہ طلاق محض اختلاف رائے کا نتیجہ ہے۔ کسی بغض و عناد کا نتیجہ نہیں یعنی اگر طلاق دو تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ تم بعض وجوہ کی بنا پر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ نہ یہ کہ مطلقہ حسن سلوک کی مستحق نہیں رہی۔ قرآن حکیم کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان بہرحال اخلاق عالیہ کا مظاہرہ کرے اور کسی حالت میں بھی حسن سلوک کی فضیلت کو فراموش نہ کرے۔

حلِّ لُغات

اُلُوْفٌ۔ ہزاروں۔ جمع اَلْفٌ۔
حَذَرَ۔ خوف۔ ڈر۔

عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ○

فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے ف ○

۲۴۴۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

۲۴۴۔ اور تم خدا کی راہ میں لڑائی کرو اور جانو کہ اللہ سُنتا اور جانتا ہے ○

۲۴۵۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○

۲۴۵۔ ایسا کون شخص ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کو کئی گنا دُگنا کردے اور خدا ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اُسی کی طرف جاؤ گے ○

۲۴۶۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّھُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۭ قَالَ ھَلْ

۲۴۶۔ کیا تُو نے موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کی اس جماعت کو نہیں دیکھا۔ جنہوں نے اپنے نبیؑ سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ قائم کر کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں۔ نبیؑ نے کہا کہ تم

ف اس سے پیشتر کی آیات میں قوم بنی اسرائیل کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ کس طرح وہ جہاد سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور کس طرح موت کے چنگل میں گرفتار ہوگئے اور پھر کیونکر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی بخشی۔ مقصد یہ ہے کہ جہاد کی اہمیت بتلائی جائے اور یہ بتلایا جائے کہ موت بہرحال آنے والی چیز ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ موت خدا کی راہ میں آئے۔

اس کے بعد دعوتِ جہاد ہے اور اس کا ذکر ہے۔ کہ خدا کو قرض دو۔ تاکہ قیامت کے دن اسے کئی گنا زیادہ کرکے تمہیں اجر کی صُورت میں بدل دے۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اسے ہمارے مال و دولت کی ضرورت نہیں۔ اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ البتہ ہمیں توشۂ آخرت کی سخت حاجت ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں اعمال کی دولت کو جمع کراؤ۔ وہ اُسے بڑھاتا رہے گا اور تمہیں کئی گنا نفع کے ساتھ واپس کرے گا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالاجداح انصاری نے پوچھا۔ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ تو کہا۔ ہاتھ بڑھائیے۔ اس کے بعد باغ کو اللہ کی راہ میں دینے کا اعلان فرما دیا۔ جس میں تقریباً چھ سو درخت کھجور کے تھے۔

آیت کو ان الفاظ پر ختم فرمایا کہ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ مقصد یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے آدمی مفلس و قلاش نہیں ہو جاتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہ جان لو کہ تمہیں اس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ تم احکم الحاکمین کی جناب میں خالی ہاتھ جاؤ

حلِّ لُغات

اَلْمَلَاُ۔ شرفاء کی جماعت۔

عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم پر جنگ فرض ہو جائے تو تم جنگ نہ کرو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم خدا کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم اپنے گھروں اور بیٹوں سے جُدا کئے گئے ہیں۔ پھر جب اُن پر قتال فرض ہُوا تو سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے وہ سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے ○

۲۴۷- وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

۲۴۷- اور اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے کیونکر اُس کو ہم پر حکومت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ بادشاہت کے ہم اُس سے زیادہ حق دار ہیں اور وہ مال میں بھی بڑا مقدور والا نہیں ہے۔ کہا کہ خدا

بنی اسرائیل کی بُزدِلی

ف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب عنانِ نبوت حضرت شموئیلؑ کے ہاتھ میں آئی تو بنی اسرائیل نے کہا۔ ہمیں جہاد کرنے میں کوئی تامل نہیں۔ آپ ایک امیر مقرر فرما دیجئے۔ اس پر کہا گیا کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم بالضرور جہاد پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ ایسا تو نہیں کہ فرضیتِ جہاد کے بعد تمہاری ہمتیں جواب دے جائیں۔ انہوں نے کہا ایسا کیونکر ممکن ہے؟ جبکہ ہم مظلوم ہیں اور مہاجر ہیں۔ مگر جب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم آگیا کہ اب لڑو تو بجز چند بہادروں کے سب پھر گئے۔

اس سارے قصہ سے جو بہت طوالت کے ساتھ دُہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر طرح جہاد کے لئے آمادہ و تیار کر دیا جائے اور پہلے سے راہ کی مشکلات بتا دی جائیں۔ تاکہ بعد میں بھی بنی اسرائیل کی طرح عذر و معذرت نہ کریں۔ ملک سے مراد امیر جماعت ہے جو نبی کی غیر حاضری میں سالارِ عسکر ہو۔ یہ غلط ہے کہ اس وقت چونکہ حضرت شموئیل بوڑھے تھے۔ اس لئے ایک امیر کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ نبی جب تک دنیا میں رہتا ہے۔ اس کی قوتیں جوان رہتی ہیں اور وہ ایک لمحہ کے لئے بے کار نہیں ہوتا۔ یہ بھی غلط ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوت و امارت دو الگ الگ شعبے تھے۔ اس لئے نبی وہ جامع کمال شخصیت ہوتی ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مستقل وجود کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

حلِ لُغات

بَعَثَ۔ بھیجا۔ مقرر کیا۔
اَنّٰی۔ کیونکر۔ کیسے۔
سَعَةً۔ فراوانی۔ کشائش۔

اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

نے اُس کو تم سے چُن لیا اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ وُسعت دی ہے اور خُدا اپنا ملک جس کو چاہے دے۔ اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے ○

۲۴۸۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

۲۴۸۔ اور ان کے نبی نے اُن سے کہا کہ اس کی بادشاہت کا نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آجائے گا۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہے اور مُوسٰیؑ اور ہارُونؑ کی اولاد کے ترکہ سے کچھ بقیہ ہے۔ فرشتے اُس صندوق کو اُٹھا لائیں گے۔ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے۔ اگر تم ایمان دار ہو ○

۲۴۹۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

۲۴۹۔ پھر جب فوج لے کے طالُوت الگ ہُوا تو بولا۔ خُدا تمہیں ایک نہر سے آزمائے گا۔ سو جو اُس

معیارِ امارت

ف جناب طالوتؑ کو حضرت شموئیلؑ نے امیر مُقرر کر دیا اور بنی اسرائیل سے کہا۔ تمہارا مطالبہ پُورا ہوا۔ اب جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ طالوتؑ کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اعتراض یہ تھا کہ طالوتؑ کے پاس مال و دولت کے ڈھیر نہیں اور وہ سرمایہ دار نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اللہ کی اجازت سے کیا ہے اور وہ قوت و علم میں تم سب پر فائق ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ معیار امارت نسل و نسب کا امتیاز نہیں اور نہ دولت و سرمایہ کی فراوانی۔ بلکہ علم و قوت ہے۔ جو زیادہ عالم، زیادہ بہادر اور جسور ہے۔ وہی امارت کا اہل ہے۔

تابُوتِ بنی اسرائیل ف۲ اس کے بعد حضرت شموئیلؑ نے فرمایا۔ طالُوتؑ کی اہلیتِ امارت کو ثابت کرنے کے لئے کیا یہ کافی نہیں کہ وہ تابُوت جو تم سے عمالقہ بزور چھین کر لے گئے ہیں، وہ واپس لے آئے۔

اس تابوت میں انبیاء سابقہ کے وصایا و ہدایات تھیں اور وہ بنی اسرائیل کے لئے طمانیت و سکون کا رُوحانی سامان تھا۔ حضرت شموئیل نے فرمایا۔ یہ تابُوت واپس آجائے گا، اگر تم نے جناب طالوتؑ کا ساتھ دیا تو۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ کے معنی یا تو یہ ہیں کہ فرشتے اس تابُوت کو بطور اعجاز و تائید کھینچ کرلے آئیں گے اور یا جیسا کہ بائیبل میں لکھا ہے۔ اس تابُوت پر فرشتوں کی تصویریں کندہ تھیں اور یہ دکھایا گیا تھا کہ فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یعنی صندوق جس کی یہ علامتیں ہیں۔ واپس آجائے گا۔

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

سے پئے گا، وہ میرا نہیں ہے اور جو اُس کو چکھے گا، وہ بے شک میرا ہے۔ مگر جو اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھرلے تو اتنے میں مضائقہ نہیں۔ سو تھوڑوں کے سوا سب نے اُس کا پانی پیا۔ پھر جب طالُوت اور اُس کے ایماندار ساتھی اُس نہر سے پار اُترے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالُوت اور اس کی فوج سے مقابلہ کی قوت نہیں ہے۔ جنہیں خدا کی ملاقات کا خیال تھا، یُوں بولے۔ ایسا بہت ہُوا ہے کہ چھوٹی جماعت خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور خدا صابروں کے ساتھ ہے ف۱ ○

۲۵۰۔ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

۲۵۰۔ اور جب وہ جالُوت اور اُس کی فوج کے مقابلہ میں آئے تو بولے کہ اے ہمارے ربّ ہمیں پُورا صبر دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کی قوم پر ہمیں مدد دے ف۲ ○

قلّت کی فتح کثرت پر

ف۱ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل بالآخر قائل ہوگئے اور بجبر و اکراہ طالُوت کی امارت قبول کر لی۔ وہ اُن کو لے کر نکلا۔ راستے میں اُردن و فلسطین کے درمیان ایک دریا پڑتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو دریا سے سیر ہو کر پانی پینا تمہارے لئے ممنوع ہے۔ البتہ اگر چلّو سے مُنہ تر کر لو تو مضائقہ نہیں۔ مقصد اُن کا امتحان لینا تھا کہ ان میں مجاہدانہ جفاکشی کی عادت بھی ہے یا نہیں۔ اس امتحان میں چند آدمیوں کے سوا سب ناکام رہے۔ آگے [illegible] کر جالُوت کا لشکرِ جرار تھا۔ یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور کہہ اُٹھے کہ ہم میں تو جنگ کی ہمت نہیں۔ سوا ان قلیل نفوس کے جن کے دلوں میں صحیح ایمان جاگزین تھا اور وہ سوا اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ وہ ثابت قدم رہے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے۔ فتح کثرتِ تعداد یا ساز و سامان کی چمک دمک سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہے۔ بہت سی قلیل التعداد جماعتیں اپنے ایمان و استقلال کی وجہ سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

اللہ سے طلبِ اعانت

ف۲ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ صرف مادی ساز و سامان پر بھروسہ درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اعانتِ خاص کا بھی متوقع رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ حالات کی تبدیلی اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو ابرہہ کے لشکرِ جرار کو چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے غارت کر دے اور غیب سے کچھ سامان پیدا کر دے جس کا کوئی مداوا نہ ہو سکے۔

مومن و کافر کی ذہنیت میں یہی عظیم فرق ہے۔ کافر ظاہری آلاتِ حیات کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی دُوسری چیز کی خواہش نہیں رکھتا۔ مگر تمام ممکن تیاریوں کے بعد طالبِ نصرت رہتا ہے۔

(باقی صفحہ ۹۶ پر)

حلِ لغات

غُرْفَةً ۔ چُلّو بھرنا۔
جُنُوْدِ ۔ لشکر جمع جُند۔
فِئَةٌ ۔ گروہ۔

۲۵۱- فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ○

۲۵۲- تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○

۲۵۱- پھر اُنہوں نے کفار کو خدا کے حکم سے شکست دی اور داؤدؑ نے جالُوت کو قتل کیا اور خدا نے داؤدؑ کو سلطنت اور حکمت بخشی اور جو چاہا اُس کو سکھایا اور اگر اللہ لوگوں کو ایک سے ایک دفع نہ کرائے تو دُنیا تباہ ہو جائے۔ لیکن اللہ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے[ف۱] ○

۲۵۲- یہ خدا کی آیتیں ہیں جو ہم سچائی سے پڑھ کر تجھے سُناتے ہیں اور بے شک تُو رسُولوں میں سے ہے[ف۲] ○

(بقیہ صفحہ ۹۵)

وہ ہر دم افراغ صبر اور ثابت قدمی کی دعائیں کرتا رہتا ہے اور جب ان مختلف ذہنیت رکھنے والوں میں تصادم ہوگا۔ فتح انہیں لوگوں کی ہوگی جن کا نصب العین بلند ہے اور جن کی ہمتوں کے ساتھ تائیدِ ایزدی بھی کارفرما ہے۔ اس لئے جب بھی طالُوت کے لشکر کی جالُوت کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی تو فتح و نصرت انہیں کے حصّہ میں آئی جو خدا کے فرمانبردار تھے اور اس طرح لشکرِ طالوت کے سامنے جالُوت مقتول ہُوا جو بہت شان و شوکت کا سالارِ عسکر تھا۔

اس قصّے میں جتنے نام آتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ بائیبل اُن سے متفق ہو۔ اس لئے کہ قرآن حکیم بجائے خوُد اقوامِ سابقہ کی تاریخ ہے جس پر اس زمانے کے اہلِ کتاب نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

(حاشیہ صفحہ ھذا)

جہاد کیوں ضرُوری ہے؟

ف۱ قرآن حکیم نے جہاد پر بڑا زور دیا ہے اور یہ اس لئے کہ اگر ظالم کے خلاف جنگ نہ کی جائے، سرکش کی زیادتیوں کو نہ روکا جائے مظلوم کی حمایت نہ کی جائے اور ہر متمرد و فرعون کو موقع دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے، اپنے طوکیت پرستانہ اغراض پورے کرے تو پھر عدل و انصاف کا قیام ناممکن ہو جائے گا۔ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اللہ کی وسیع و عریض زمین پر کوئی عافیت کی جگہ نہیں رہے گی۔

ف۲ ان آیات میں بتایا کہ حضوُر علیہ الصلوٰۃ والسلام جو خوُد اُمّی ہیں اور اُمّی ماحول میں پلے ہیں۔ جب ایسے ایسے معرکۃ الآرا مسائل حل فرما دیتے ہیں اور اخلاق، سیاست، مذہب کے باریک نکات سلجھاتے ہیں تو لامحالہ یہ غیب خداوندی پر اطلاع ہے۔ اللہ تعالیٰ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آیات و براہین کی تلقین فرماتے ہیں اور آپؐ کا علم قطعی کسی انسانی استفادہ کا نتیجہ نہیں۔

کیا یہ ممکن ہے۔ کوئی انسان صحرائے عرب کے قلب میں بیٹھا ہُوا معرفت و حکمت کے چشمے بہائے: کیا ہو سکتا ہے کہ بجز اللہ کی تائید کے کوئی شخص اس ترتیب، اس نظم کے ساتھ تعلیمات کو پیش کرے؟ کیا بجز رسولؐ اور خدا کے فرستادہ کے ممکن ہے کہ وہ اقوامِ گزشتہ کے حالات بہ تفصیل بیان کرے اور ان کے اغلاط پر انہیں برملا متنبہ کرے۔

حلِّ لُغات

هَزَمُوا۔ شکست دی۔

۲۵۳۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۧ

۲۵۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا

۲۵۳۔ اِن رسُولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت ف۱ دی ہے۔ کوئی اُن میں سے ہے جس سے خدا نے کلام کیا اور کسی کے اُن میں درجے بلند کئے اور عیسٰی بن مریم کو ہم نے کھلے نشان دئے اور رُوح القدس سے اُن کی مدد کی اور اگر خدا چاہتا تو اُن کے بعد کے لوگ صاف حکم پانے کے بعد ہرگز نہ آپس میں لڑتے۔ لیکن انہوں باہم اختلاف ڈالا۔ سو کوئی اُن میں سے ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا۔ اور خدا چاہتا تو وہ نہ لڑتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے ف۲ ○

۲۵۴۔ مومنو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو اُس دن کے آنے سے پہلے جس میں

انبیاؑ کے درجے

ف۱ نفسِ نبوّت میں تو اللہ تعالٰی کے تمام رسولؑ برابر کے شریک سہیم ہیں۔ مگر حالات و استعداد کے ماتحت سب ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام وصفِ خلت میں ممتاز ہیں۔ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا حضرت موسٰی علیہ السّلام شرف مکالمہ سے سرفراز کیا گیا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور حضرت مسیح علیہ السّلام کو رُوح القدس کی تخصیص سے نوازا گیا اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مگر ان کے مراتب بھی اعلٰی و بلند ہیں۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ مقصد یہ ہے کہ سب خدا کے فرستادہ ہیں۔ سب اُس کے پیارے ہیں۔ سب کو درجۂ محبُوبیّت پر فائز کیا گیا ہے۔ اس لئے اُن کے نام نزاع اور جنگ جائز نہیں۔ یہی مقصد ہے اس حدیث کا جس میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا لا تفضلوا بین الانبیاء یعنی انبیاؑ کے درمیان جنگِ مفاصلہ بپا نہ کرو۔ رُوح القدس سے یا تو جبریل علیہ السّلام مراد ہیں۔ حضرت حسّان ؓ کا شعر ہے ؎

وجبریل رسول اللہ فینا و روح القدس لیس له کفاء

جبریلؑ اللہ تعالٰی کے رسول اور رُوح القدس ہماری تائید کے لئے ہم میں موجود ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ اور یا رُوح سے مراد انجیل ہے کیونکہ اس میں زیادہ تر روحانی اصلاح سے تعرض کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کو بھی "روح اللہ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ اقدس کے معنی مقدس کے ہوں گے یعنی ایسی کتاب جو تزکیہ و تقدیس کے لئے نازل کی گئی ہو۔ مطلب بہرحال یہ ہے کہ تمام انبیا کا احترام کرو۔ سب میں فضائل و مزایا کا معتدبہ حصّہ ہے۔

تمام انبیا میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا درجہ کیا ہے؟ بس یہ سمجھ لو، ان تمام خوبیوں کا جو فرداً فرداً تمام رسل میں پائی جاتی ہیں اگر کسی ایک انسان میں جمع کردی جائیں تو وہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس لئے کہ آپؐ سے پہلے جتنے پیغمبرؑ آئے وہ محدُود وقت اور متعین گروہوں کے لئے مبعوث ہوکر آئے تھے۔ مگر آپؐ کی نبوّت زمان و قوم کی حدُود سے باہر ہے۔ آپؐ ہر قوم اور ہر زمانے کے لئے پیغمبرؐ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے فضائل غیر محدود اور لاتحصٰی ہیں۔

ف۲ ان آیات میں بتایا کہ باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی فضیلت و درجات کے بعض لوگ منکر رہے۔ یہ اس لئے کہ کلّیتہً کفر کا اٹھ جانا اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو دنیا میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ مگر وہ کسی شخص کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا۔ ہر شخص اپنے عقیدہ میں آزاد ہے۔ اس لئے کفر و مخالفت کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔

بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

٢٥٥- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

بیع اور دوستی اور شفاعت نہیں ہے اور وہ جو منکر ہیں، وہی ظالم ہیں وا ۝

٢٥٥- اللہ ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے اور سب کا قائم رکھنے والا ہے۔ نہ اُسے اونگھ آتی ہے نہ نیند وٙ۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اُس کا ہے۔ ایسا کون ہے کہ بغیر اُس کی اجازت کے اُس کے پاس شفاعت کرے۔ جو کچھ اُن کے آگے اور پیچھے ہے، وہ جانتا ہے اور یہ لوگ اُس کے علم میں سے کچھ نہیں گھیر سکتے۔ مگر جتنا کہ وہ چاہے۔ اس کی کرسی میں زمین آسمان کی سمائی ہے اور اُن دونوں کی نگہبانی اُس کو تھکاتی نہیں اور وہ بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے ۝

وا انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب قرآن حکیم کی متعدد آیات میں مذکور ہے جس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان دنیا میں دولت وسرمایہ کے لحاظ سے مستغنی ہو۔ اس کی حیثیت دینے والے کی نہ ہو۔ الید العلیا خیر من ید السفلیٰ۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ بھی اس کے پاس ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو سکے۔

وہ لوگ جو قومی طور پر فیاض نہیں ہوتے اور قومی ضروریات کو محسوس نہیں کرتے قطعی طور پر زندہ رہنے کی اہلیّت اور استعداد نہیں رکھتے۔

قیامت کے دن پُورا پُورا محاسبہ ہو گا۔ نہ تو سرمایہ کام آسکے گا اور نہ کوئی دوستی ہی۔ اور وہ لوگ جنھوں نے یہاں بخل و کفر سے کام لیا ہے، وہاں بھی کسی بخشش اور رحمت کے متوقع نہ رہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے شرک و انکار کی وجہ سے اپنے آپ کو بالکل محروم کر رکھا ہے۔

"شفاعت" کی قرآن حکیم نے عام طور پر نفی کی ہے اور مستقلاً سارے قرآن مجید میں ایک جگہ بھی "شفاعت" کے مسئلہ کی تائید نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی جس سفارش اور شفاعت کے قائل تھے، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہودیت اور عیسائیت کے اقرار کر لینے کے بعد ہر معصیت اور ہر گناہ جائز ہے۔ قرآن مجید اس طرح کی شفاعت کی کلیتہً نفی کرتا ہے۔ البتہ اللہ کے نیک بندوں کو اذن دیا جا سکتا ہے اور وہ ایک دُوسرے کی سفارش کر سکیں گے — اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پابندِ صوم وصلوٰۃ مسلمانوں کی سفارش کریں گے جن سے بتقاضائے بشریت گناہ نہ[illegible] ہو گئے ہوں۔

بیدار خُدا وٙ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید وصفات کو[illegible] نہایت خوبصورتی اور نزاکت سے بیان فرمایا ہے جس سے ایک طرف تو ربِّ ذوالجلال کی عظمت وعزت دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور دُوسری طرف تمام شبہات جو اس کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے دلوں میں تھے، دُور ہو جاتے ہیں۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک وسہیم نہیں اپنی وحدت وقدرت میں بے نظیر ہے۔ ایک ہے۔ اس کا کوئی اقنوم نہیں، جسے اس کا حصّہ وعنصر ٹھہرایا جائے۔ اَلْحَیُّ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور کائنات میں جو زندگی نظر آرہی ہے، وہ اس کا عطیہ وفیضان ہے۔ اسی کی وجہ سے قائم ہے۔ اَلْقَیُّوْمُ کا مقصد یہ ہے کہ وہ صرف خالق ہی نہیں صرف زندگی عطا کرنے والا ہی نہیں، بلکہ تربیت وتقویم بھی اس کا حصّہ ہے۔ وہ پیدا کرتا ہے۔ زندگی بخشتا ہے اور اس کے بعد اس کی تربیت اور اصلاح کا بھی خیال رکھتا ہے۔

(باقی صفحہ ۹۹ پر)

حلِ لُغات:- كُرْسِیُّ۔ اصل معنی تکرّس کے جمع ہونے کے ہیں۔ کتاب کو چونکہ ورق ورق جمع کر کے بنایا جاتا ہے۔ اس لئے کرّاسہ کہتے ہیں۔ ثانوی معنی اس کے علم کے ہیں۔

۲۵۶- لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

۲۵۶- دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی ظاہر ہو چکی ہیں۔ سو جس نے طاغوت (یعنی بتوں یا شیاطین) کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اُس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ سُنتا جانتا ہے [۱] ○

۲۵۷- اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ع

۲۵۷- خدا ایمان داروں کا دوست ہے، وہ اُن کو تاریکیوں سے روشنی میں لاتا ہے [۲] اور جو کافر ہیں، اُن کے دوست شیاطین ہیں، وہ اُن کو روشنی سے تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ وُہی دوزخی ہیں۔ وُہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ○

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ایک شبہ کا ازالہ ہے۔ جاہلوں کی طرف سے سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ خدا جس کی سلطنت اتنی وسیع ہے، وہ کیا سوتا بھی ہے؟ فرمایا کہ وہ تو جھپکی بھی نہیں لیتا۔ یعنی وہ ہمہ آن بیدار رہتا ہے۔ اس کا علم ہر وقت اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اس کے وسیع اختیارات پر دال ہے۔ آسمان کی بلندیاں اور زمین کی پستیاں سب اس کے احاطۂ اختیار و ملک میں ہیں۔ اس لئے ایسے خدا کے سامنے جھوٹی سفارش کی کسے جرأت ہو سکتی ہے جو آگے پیچھے کی ہر چیز کو جانتا ہو۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ کے معنی علامہ ابن جریر الطبری نے علم کی وسعت کے لئے ہیں۔ یعنی اللہ کا علم ہمہ گیر ہے۔ اس سے کوئی چیز خارج نہیں۔ چنانچہ کراسی علماء کی جماعت کو کہتے ہیں اور کراسیہ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں علم کی باتیں لکھی جائیں۔ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تردید ہے۔ توراۃ میں لکھا ہے کہ خُدا نے سبت کے دن آرام کیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خُدا بھی انسانوں کی طرح کثرت کام سے تھک جاتا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے۔ یہ مادی صفات خدا کے وقار کے لئے باعثِ توہین ہیں۔ وہ بلند و بالا ہے۔ اس نوع کی صفات کا انتساب اس کی جانب گناہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

اسلام میں جبر نہیں

[۱] ان آیات میں بتایا ہے کہ اسلام حقائق و براہین کی حیثیت سے اس درجہ واضح و بین ہے کہ ہر سلیم الفطرت انسان اسے قبول کرے گا اور اس کی صداقت پر ایمان لائے گا۔ اس لئے جبر و اکراہ کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ وہ لوگ جو اسلام پر تلوار کے زور سے پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں۔ اس آیت پر غور کریں کہ قرآن حکیم کس فصاحت سے اعلان کرتا ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں کسی جبر کی احتیاج نہیں۔

اسلام بجائے خود اتنا روشن، اتنا سچا اور اتنا مدلل مذہب ہے، کہ بجز طاغوت پرست لوگوں کے کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسلام اللہ تک پہنچانے کا وہ مضبوط وسیلہ ہے جو تشکیک و ارتیاب کے حملوں سے ٹوٹتا نہیں۔ مگر اسے قبول وہی کرتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھے اور طاغوت سے انکار کرے۔

مُسلمان روشنی میں کافر تاریکی میں

[۲] اللہ تعالیٰ کی نصرتیں، اعانتیں اور تائیدیں صرف مسلمانوں کے شاملِ حال رہتی ہیں۔ کفر اس سے محروم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفر و شرک کی تاریکی سے نکالتا ہے اور ایمان و بصیرت کی روشنی میں داخل کرتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو خدا کے دوست نہیں ہیں۔ جنہیں طاغوت سے محبت ہے، وہ ہر وقت تاریکی اور ظلمت میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔

۲۵۸- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ

۲۵۸- کیا تُو نے اس کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اُس کے ربّ کے بارہ میں جھگڑا کیا (یعنی نمرود کی طرف) اس لئے کہ خُدا نے اُسے سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا ربّ وُہ ہے جو جِلاتا اور مارتا ہے تو اُس نے کہا میں جِلاتا ہُوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا تو مشرق سے سُورج لاتا ہے۔ تُو اُسے مغرب سے لے آ۔ اس پر وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ○

۲۵۹- اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ

۲۵۹- یا مانند اُس شخص کی جو گزرا ایک گاؤں پر اور وُہ گاؤں اپنی چھتوں پر گرا ہُوا تھا تو اُس نے کہا کہ اس شہر کو اُس کے مرے پیچھے اللہ کیونکر جلائے گا۔ سو خُدا نے اُس کو سَو برس تک مار رکھا۔ پھر اُسے اُٹھایا اور پُوچھا

حُجّتِ ابراہیمیؑ

ف قاعدہ ہے کہ چھوٹے دل کے لوگ بڑی عزّت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ نمرود کو بابل و نینوا کی حکومت جب دی گئی تو آپے سے باہر ہو گیا اور لگا خدائی کا دعوٰی کرنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جو خدا کی طرف سے اس تمرّد و غرور کے لئے تازیانۂ عبرت ہو کر آئے تھے توحید کا وعظ کہا اور لوگوں کو اس خدا کی چوکھٹ پر جھکنے کی دعوت دی جس نے نمرودوں اور فرعونوں کو پیدا کیا ہے اور چشمِ زدن میں اُن کو کس طرح مار کر آبِ قلزم میں غرق کر سکتا ہے۔

اس وقت کے نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بُلایا اور پُوچھا میرے سوا اور کس کی بادشاہت کا تم اعلان کرتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ موت و زندگی کے مختار کی بادشاہت کا اعلان۔ مقصد یہ تھا کہ اگر تو مجھے سزائے موت دے تو میں ڈرنے والا نہیں۔ میں تو اپنی زندگی کو اپنے ربّ کے ہاتھ میں سمجھتا ہوں۔ اس پر اس نے چمک کر کہا۔ میں بھی تو احیاء و اماتت کا اختیار رکھتا ہوں۔ جس کو چاہُوں صلیب پر کھینچ دوں اور جس کی چاہُوں جان بخشی کر دوں۔ حضرت ابراہیمؑ تاڑ گئے کہ موت کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ پہلو بدل کر فرمایا کہ میرا ربّ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو بھی اگر خدا ہے تو اس نظام کو تبدیل کر کے دکھا۔ اس عقل و فرزانگی اور اس اخلاق پر نمرود بھونچکا سا رہ گیا اور ایمان کی بصیرت کفر کی چالاکیوں پر غالب آ گئی۔

بات یہ ہے کہ نمرود کو ہرگز توقع نہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اس طرح میری کج حجتیوں کا جواب کامیابی سے دیں گے۔ وہ انہیں اتنا دانا اور زیرک نہ سمجھتا تھا۔

غور کرو۔ ایک با جبرُوت بادشاہ کی عدالت میں توحید کا اعلان اس خوبصُورتی سے کیا بجز انبیاءؑ کے کسی دُوسرے شخص سے ممکن ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا طریقِ بحث یہ نہیں کہ وہ پیش کردہ دلیل پر معارضہ کریں اور اس سے کہیں۔ دیکھئے صاحب آپ موضوعِ بحث کے خلاف جا رہے ہیں۔ بلکہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک دلیل اس کے لئے فہم کا موجب نہیں ہوئی تو فوراً دوسری دلیل پیش کر دی۔ یہ طریقِ بحث خالصًا پیغمبرانہ ہے یعنی مقصد مخالف کی تسلّی کرنا ہے، نہ کہ چُپ کرانا۔

حلّ لغات

بُهِتَ۔ متحیّر ہُوا۔ خلافِ توقع نادم ہُوا؟

مَرَّ۔ گزرا۔ مصدر مَرُوْرٌ۔

خَاوِیَةٌ۔ گرا ہُوا۔

عُرُوْشٌ۔ جمع عَرْشٌ بمعنی چھت۔

لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

کہ تُو کتنی دیر تک رہا۔ اُس نے کہا۔ ایک دن یا دن سے بھی کچھ کم۔ فرمایا نہیں بلکہ تُو تو سَو برس تک مُردہ رہا۔ اب تو اپنا کھانا پینا دیکھ کہ وہ بالکل نہیں سڑا اور تُو اپنے گدھے کو بھی دیکھ اور یہ اس لئے کہ ہم تجھے آدمیوں کے لئے ایک نشان بنانا چاہتے ہیں اور تُو ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم اُن کو کس طرح اُبھار کر جوڑ دیتے ہیں۔ پھر اُن پر گوشت پہنلتے ہیں۔ پھر جب اُس پر یہ بھید ظاہر ہو گیا تو اُس نے کہا۔ مَیں جانتا ہوں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔ ○

۲۶۰۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً

۲۶۰۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے ربّ تُو کیونکر مُردے کو جِلاتا ہے۔ فرمایا۔ کیا تُو ایمان نہیں لایا؟ اُس نے کہا۔ ایمان تو لایا ہوں لیکن اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ فرمایا

...ٔ اَوْ کَالَّذِیْ کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت خدا کی دین ہے، جسے ...ہے دے اور جس طریق سے چاہے دے۔ نمرود کو تم نے دیکھا۔ ...یونکر دلائل ہی سے گھبرا گیا۔ اب اس شخص کا قصہ سُنو۔ جس نے ...ب تک موت و زندگی کو تجربۃً نہ دیکھ لیا۔ یقین نہیں کیا۔

یہ کون شخص ہے جس پر موت و زندگی وارد ہوئی؟ اس ...یں اختلاف ہے۔ کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں ملی جو تعین کر سکے۔ ...بعض کا خیال ہے حضرت عُزیر علیہ السّلام مُراد ہیں۔ بعض کے ...نزدیک حضرت خضر علیہ السّلام کا قصہ ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے ...حضرت خرقیلؑ نے بحالتِ کشف ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا۔ ...قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ ہے کشف نہیں۔ ...زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس جب بخت نصر ...کی ظالمانہ تاخت کے بعد تباہ و برباد ہو گیا تو یہودی بہت مایوس ...ہو گئے اور انہیں خدا کی نصرت و تائید کی کوئی توقع نہ رہی۔

حضرت خرقیل علیہ السّلام کو بھیجا گیا۔ تاکہ وہ یہود کو بتائیں ...کہ یہ تمہاری نافرمانی کی سزا تھی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اب ...بھی تمہارے شاملِ حال ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ تم دین دار بن ...جاؤ۔ حضرت خرقیل نے فرمایا۔ ایسی مُردہ قوم کی رگوں میں ہدایت ...و تقویٰ کی رُوح کس طرح دوڑائی جا سکے گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ ...نے خود حضرت خرقیلؑ کو سَو سال کی موت سے دوچار کیا اور ...پھر زندگی بخشی۔ مقصد یہ تھا کہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جب حقیقی طور پر موت کو زندگی میں تبدیل کر سکتے ہیں تو یہ بھی اُن کے امکان میں ہے کہ اُجڑے ہوئے بیت المقدس کو دوبارہ عزت و حشمت بخش دیں + اور ان کے دیکھتے دیکھتے گدھے کی ہڈیاں گوشت پوست میں تبدیل ہونا شروع ہو گئیں اور مرا ہُوا گدھا اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص سے زندہ ہو گیا۔ حضرت خرقیلؑ یہ دیکھ کر پکار اُٹھے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِس سارے قصہ میں پُرلطف بات یہ ہے کہ لیل و نہار کے تاثرات نے کھانے پر کوئی اثر نہیں کیا اور وہ بدستور سَو سال تک تازہ ہی رہا۔

خدائے ذوالجلال کے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں۔ جس نے زمانہ کو پیدا کیا ہے، وہ اس کے اثرات کو بھی روک سکتا ہے۔ البتہ اس کے ذکر کرنے سے ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ باوجود بنی اسرائیل کی اخلاقی موت کے اب تک ان کی خوراک یا تعلیمات میں کوئی فرق پیدا نہیں ہُوا اور کوئی قوم حقیقی موت اس وقت اختیار کرتی ہے جب وہ روحانی غذا سے محروم ہو جائے۔ اس کے بعد پھر واقعی نیپنے کی کوئی اُمید نہیں رہتی۔

حلِ لغات

لَبِثْتَ۔ مصدر لَبِث۔ رہنا + لَمْ يَتَسَنَّهْ۔ نہیں گلا سڑا۔ تسنہ کے معنی کھانے کے بگڑ جانے کے ہوتے ہیں۔

نُنْشِزُ۔ مصدر انشاز بمعنی ترکیب و اصلاح۔

مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۠

چار پرندے لے اور اُن کو اپنے ساتھ ہلا لے۔ پھر ہر پہاڑ پر اُن کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا ڈال دے پھر اُن کو پکار۔ وہ تیرے پاس دوڑتے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے ف۱ ○

۳۵ ع ۳

۲۶۱۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

۲۶۱۔ اُن کی مثال جو راہِ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اُس دانہ کی مثال ہے جس سے سات بالیں اُگیں۔ اور ہر بال میں سو دانے ہوں ف۲۔ اور خدا جس کے لئے چاہے بڑھاتا ہے۔ اور خدا کشائش والا ہے سب جانتا ہے ○

۲۶۲۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ

۲۶۲۔ وہ جو خدا کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ

ف۱ انبیاء علیہم السلام ایک مضبوط و محکم عقیدہ لے کر مبعوث ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں قوتِ تاثیر نسبتاً دوسرے لوگوں کے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس یقین واثق کی توثیق چاہی جو مشاہدات پر مبنی ہو اور جو قطعی محسوس اور غیر مشکوک ہو تاکہ جب وہ نظامِ آخرت کی طرف لوگوں کو دعوت دیں تو دل کی گہرائیوں کے ساتھ خود بھی اس پر ایمان رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ کیا اس حقیقت پر ایمان نہیں رکھتے کہ مزید مشاہدہ کی ضرورت پڑے؟ آپؑ نے جواباً عرض کیا۔ ایمان تو موجود ہے، اطمینانِ خاطر مطلوب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایمانِ مشہود کی ایک صورت پیدا کر دی۔ فرمایا۔ چار پرندے لو۔ انہیں ہلا لو اور ان کے ٹکڑے ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر بلاؤ۔ دیکھو قدرتِ ایزدی سے دوڑے ہوئے آئیں گے۔ اس کے بعد کا واقعہ محذوف ہے! اور قرآنِ حکیم کا عام اندازِ بیان ہے کہ وہ غیر ضروری واقعات کو حذف کر دیتا ہے۔ اس لئے انہیں خود سیاقِ کلام سے سمجھا جا سکتا ہے۔ بعض مفسّرین کا خیال ہے کہ پرندوں کو ذبح نہیں کیا گیا۔ یونہی مانوس کر کے بلایا گیا اور وہ آ گئے جس سے مقصد یہ تھا کہ جس طرح وہ تھوڑے تعلق کی وجہ سے تمہارے پاس آ گئے ہیں، اسی طرح ہم چونکہ ساری کائنات کے ربّ ہیں جب بلائیں گے تو انہیں زندہ ہونا پڑے گا اور ہماری طرف آنا پڑے گا۔ مگر یہ تاویل دو وجہ سے زیادہ قرینِ یقین نہیں۔ ایک اس لئے کہ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى کا سوال زندگی اور مشاہدہ طلب ہے۔ اور "اطمینانِ خاطر" کی غرض کا تقاضا یہ ہے کہ جواب سرسری نہ ہو۔ دوسرے اس لئے کہ اَجْعَلْ کا لفظ زندہ پرندوں کے لئے نہیں بولا جاتا۔ جُزْءًا کے لفظ میں تو گنجائش ہے لیکن اَجْعَلْ کا لفظ قطعاً ناقابلِ تاویل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے بلند مرتبہ نبی طمانیتِ قلب کی نعمت سے کیوں محروم تھے۔ اس کا جواب اس اصول کے سمجھنے پر موقوف ہے کہ نبی باوجود جلالتِ قدر کے انسان ہوتا ہے اور اس میں دو طرح کی نفسیات ہوتی ہیں۔ انسانی و بشری اور نبوی و پیغمبرانہ۔ اور دونوں تقاضوں کا باہمی اختلاف بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے گو بحیثیت نبی و پیغمبر ہونے کے حضرت ابراہیمؑ کو حشر و نشر کے کوائف پر پورا پورا ایمان تھا۔ مگر بحیثیت بشر و انسان کے وہ چاہتے تھے کہ اس کو دیکھ بھی لیا جائے۔

ف۲ ان آیات میں بتایا ہے کہ جس طرح فطرت کا قانون ہر دانے کو جو بویا جائے، کمیت و کیفیت میں بڑھاتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی ثمر جاری رہتا ہے اور یہ نمو و اضافہ اللہ کی رحمتِ بے پایاں پر موقوف ہے۔ ورنہ ہمارے اعمال ہرگز اس درجہ کے نہیں ہوتے کہ انہیں قبول بھی کیا جائے

حلِّ لغات

صُرْ۔ اصل صیر بمعنی قطع کرنا۔ مگر جب اس کا صلہ نفی ہو تو اس کے معنی ہلانے اور مانوس کرنے کے ہوتے ہیں۔

اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

۲۶۳- قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًى ۭ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ○

۲۶۴- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا ۭ

پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں انہیں کیلئے اُن کے رب کے پاس بدلہ ہے۔ نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ [1]

۲۶۳- بھلی بات کہنی اور درگزر کرنا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا ہو اور اللہ بے پرواہ بُردبار ہے ○ [2]

۲۶۴- مومنو! احسان جتا کر اور ایذا [3] دے کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو۔ جیسے وہ جو اپنا مال لوگوں کے دکھلانے کو خرچ کرتا ہے اور خُدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ سو اس کی مثال اُس صاف پتھر کی مانند ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو۔ پھر اُس پر موسلا دھار پانی برسے اور وہ اُس کو

ف۱ اچھے سے اچھا عمل اگر سُوء نیت کا نتیجہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ مال و دولت کے ڈھیر بھی خدا کی راہ میں خرچ کردئے جائیں اور دل میں خلوص نہ ہو تو اجر نہیں ملے گا۔ لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی۔

ف۲ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اگر دل میں وُسعت نہ ہو اور فراخ دلی سے خدا کی راہ میں خرچ نہ کرسکو تو یہی بہتر ہے کہ نرمی سے سائل کو مطمئن کردو۔ اسے جھڑکنا اور گالیاں دینا اور دل آزار کلمات سے مخاطب کرنا درست نہیں۔ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ کہہ کے یہ بتایا ہے کہ خدا کی راہ میں دینا اپنے نفس کی پاکیزگی کے لئے ہے۔ خدا کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں، اس لئے جب کبھی بھی دو تو یہ دیکھ لو کہ تمہارے دل کی اصلاح کس حد تک اس سے وابستہ ہے۔

ف۳ پیشتر کی آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ خلوص وحُسنِ نیت کی بزور تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ احسان جتلا کر اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ ان آیات میں معیارِ اعمال کی نہایت بلیغ مثال سے تشریح کی ہے۔

فرمایا ہے کہ وہ شخص جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ جس کا آخرت پر عقیدہ نہیں، اس کے اعمال ہرگز درخورِ اعتنا نہیں۔ اُس کے اعمال کی مثال پتھر کی ایک چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور مینہ کا ایک پُرزور چھینٹا اسے بہا کرلے جائے۔ اور وہ لوگ جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اور دل کی پاکیزگی وطہارت کے لئے روپیہ صرف کرتے ہیں، ان کا فعل ثمر آوری میں اس سرسبز وشاداب باغ کی طرح ہے جو عام زمین سے ذرا بلندی پر واقع ہو، تاکہ کھلی ہوا اور تازہ روشنی ہر وقت وہاں پہنچ سکے۔ وہاں پانی برسے اور باغ میں شان وار تازگی پیدا کردے۔ پیداوار کے اعتبار سے وہ دوگنا چوگنا ہو جائے۔ یعنی اعمال کا معیار حسنِ نیت وارادہ ہے۔ نہ حسنِ عمل ریاکاری کی چٹان پر حُسنِ اعمال کے بیج نہیں بوئے جاسکتے۔ البتہ خلوص وللّٰہیت کے جذبات اعمال کی خوبصورتی میں اضافہ کردیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے ہاں مشقت وکوفت کی کوئی قدر نہیں، وہاں تو دلی کوائف کی عزت ہے۔ وہ جو دل کا پاک اور سخی ہے، اس کا تھوڑا بھی بہت ہے اور وہ جو خلوص وحسنِ نیت کی نعمت سے محروم ہے، وہ اگر سیم وزر کے انبار بھی تقسیم کرے تو لائقِ اجر نہیں۔ کیونکہ اس طرح کے ریاکارانہ صدقات سے اس کی طبیعت میں کوئی اصلاح نہیں ہوتی۔

اعمالِ حسنہ کے لئے قرآنِ حکیم نے ایمان باللہ کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ جب تک ایمان صحیح موجود نہ ہو، دنیا میں اخلاق کا کوئی معیار ہی نہیں رہتا۔

(باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

حلِ لُغات

صَفْوَانٍ - چٹان۔ بعض کے نزدیک جمع ہے اور بعض کے نزدیک مفرد۔
وَابِلٌ - موسلا دھار بارش + صَلْدًا - صاف پتھر۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○

۲۶۵- وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

۲۶۶- اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ

صاف کر چھوڑے (ریاکار) اپنی کمائی پر کچھ اختیار نہیں رکھتے اور خدا منکروں کو ہدایت نہیں کرتا ○

۲۶۵- اُن کی مثال جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے دلوں کو ثابت کرنے کو اپنے مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے کسی بلندی پر ایک باغ ہو اور اُس پر مُوسلا دھار مینہ برسے۔ پھر وہ اپنے پھل دوچند لائے اور اگر موسلا دھار مینہ اُس پر نہ برسے تو اوس ہی کافی ہے اور خُدا تمہارے کاموں کو خُوب دیکھتا ہے ○

۲۶۶- کیا تم میں سے کوئی نہیں چاہتا کہ اس کے پاس کھجُور اور انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ اور وہاں اُس کے لئے ہر طرح کا میوہ ہو اور اُس پر بڑھاپا آجائے اور اس کی اولاد ناتوان ہو۔ پھر اُس باغ پر بگولا آپڑے جس میں آگ ہو اور وہ اُس باغ کو

(بقیّہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳)

اور ہر شخص حالات وظروف کے ماتحت اپنے اعمال کی کوئی نہ کوئی تاویل کرلے گا۔ غور کرو۔ اگر نظامِ آخرت پر اعتقاد نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اعمالِ صالحہ کا ارتکاب ہی کیوں کیا جائے؟ صرف اس لئے کہ لوگ اچھا کہیں؟ اور وہ سوسائٹی جس میں ہم رہتے ہیں، خوش رہے۔ یا یہ کہ دنیا کا نظام برقرار رہے۔ اور اس میں کوئی برہمی پیدا نہ ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم اپنی مسرتوں کو دوسروں کی اغراض کے لئے کیوں قربان کریں۔ سوسائٹی کی ناخوشی سے ہم ذاتی لذائذ وحظوظ کی شادکامی سے کیوں محروم رہیں۔ کیا یہ سراسر بے وقوفی نہیں؟ اور اس کا کیوں فکر کریں کہ دنیا کا نظام برقرار رہے۔ کیا ہم کائنات کے اجارہ دار ہیں؟ جس نے دنیا کو بنایا ہے، وہ اس کی خود حفاظت کرے گا۔ ہم تو وہی کریں گے جس سے ہم کو فائدہ ہو۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد "انفرادیت" اور "ذاتیت"

کا دَور دَورہ شروع ہوجاتا ہے اور نیک اعمال کا کوئی معیار ہی قائم نہیں رہتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایمان باللہ کی قید کو بڑھایا جائے۔ جس سے اعمال کی قیمت مقرر ہو اور دلوں میں نیکی کے لئے ترغیب پیدا ہو اور نصبُ العین بلند ہوجائے۔ شہرت و ریا کاری نہایت پست قسم کے جذبات ہیں۔

وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ صدقات اس طرح کے ہونے چاہئیں کہ ان سے واقعی نفس سے ایک جنگ کرنا پڑے اور بالآخر ضمیر مطمئنہ نفس خادعہ پر غالب آجائے۔ نہ یہ کہ کم قیمت اور غیر ضروری چیزیں اللہ کی راہ میں دے دی جائیں۔

حلِ لغات

طَلٌّ - پھوار - شبنم۔

نَخِيْلٍ - کھجور۔

اَعْنَابٍ - انگور۔

فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

جلا دے۔ یوں اللہ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم فکر کرو ۝

ع ٣٦ / ٤

٢٦٧۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝

٢٦٧۔ مومنو! اپنی کمائی کی اچھی چیزوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے خرچ کرو اور گندی شے پر نیت نہ رکھو کہ اُس میں سے خرچ کرنے لگو۔ حالانکہ تم خود اُسے کبھی نہ لوگے۔ مگر یہ کہ اس میں چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ خُوبیوں والا ہے ۝ ف١

٢٦٨۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

٢٦٨۔ شیطان تم سے تنگ دستی کا وعدہ کرتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے ف٢ اور خدا تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور خُدا بہت کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۝

ف١ ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی راہ میں پاکیزہ [چیزیں] دو۔ گری پڑی اشیاء کا تصدق کسی طرح موزوں نہیں۔ [اس] لئے کہ جب تک اللہ کی راہ میں دینے سے دل تکلیف محسوس نہ [کرے] نفس اور ضمیر میں ایک جنگ بپا نہ ہو نفس کی اصلاح نہیں [ہو]تی اور نہ بخل دُور ہو سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ [ر]بّ السّموٰت والارض ہے جس کے خزانے معمور ہیں۔ ہمارے [صدق]ات کا قطعاً محتاج نہیں۔ وہ تو غنی ہے۔ بے نیاز ہے۔ اس لئے [دیکھ]نا یہ ہے کہ خدا کی راہ میں دے کر ہمیں کیا ملتا ہے؟ کیا [طبیع]ت کا بخل دُور ہو گیا ہے؟ کیا دل میں خدا کی راہ میں خرچ [کرن]ے کے لئے آمادگی کا احساس بڑھ گیا ہے یا کیا؟ پھر فرمایا کہ تم [د]نیا میں تحائف وصول کرتے ہو۔ تمہیں بھی چیزیں دی جاتی ہیں [تمہ]اری خواہش یہ نہیں ہوتی کہ بہترین چیزیں تمہیں دی جائیں۔ [ردّی]ں اور نکمی چیز کو تم اپنے لئے ہرگز پسند نہیں کرتے پھر اللہ تعالیٰ [کے] لئے تم معمولی اور غیر ضروری اشیاء کیوں پسند کرتے ہو؟ [جس] چیز کی تمہیں ضرورت نہیں۔ اس کی اللہ تعالیٰ کو کیا حاجت ہے؟

افلاس کا ڈر

ف٢ جب خدا کی راہ میں خرچ کیجئے شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے اور کہتا ہے۔ کیوں مال ضائع کرتے ہو۔ اس طرح تو تم غریب ہو جاؤ گے۔ البتہ اگر فضول خرچی اور اسراف کا سوال ہو یا بُرائی کی اعانت کا موقع ہو تو اس وقت شیطان کہتا ہے کہ دل کھول کر کیوں خرچ نہیں کرتے۔ کیا چند روپے عزّت و ناموس کے لئے خرچ کر دینے سے تم مفلس و قلاش ہو جاؤ گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت و فضل کا وعدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم میری راہ میں خرچ کرو۔ مَیں تمہارے مال و دولت میں برکت دُوں گا۔ مَیں تمہارے لئے رزق کے مواقع پیدا کروں گا۔ جس قدر تم مجھے دو گے۔ میں اُس سے کہیں تمہیں زیادہ دوں گا۔ غرضیکہ شیطان افلاس پر آمادہ کرتا ہے اور خدا فضل و دولت پر۔ دیکھ لو وہ لوگ جو خُدا کی سیدھی سادی شریعت پر چلتے ہیں۔ عیش و کامرانی کے لطف اُٹھاتے ہیں اور جو رسوم و رواج کے پیچھے دوڑتے ہیں، تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

۲۶۹۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

۲۶۹۔ جسے چاہے سمجھ دیتا ہے اور جسے سمجھ دی گئی، اُسے بڑی خوبی ملی۔ اور نصیحت صرف وُہی قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں ۝ [۱]

۲۷۰۔ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

۲۷۰۔ اور تم جو خیرات دیتے ہو یا نذر ماننتے ہو، اللہ اُسے جانتا ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝

۲۷۱۔ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

۲۷۱۔ اگر تم خیرات کو ظاہر کرکے دو تو کیا اچھی بات ہے اور اگر اُسے چھپاؤ اور فقیروں کو دو تو وہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے [۲] اور اس سے تمہارے بعضے گناہ دُور کر دے گا اور خدا تمہارے کاموں سے واقف ہے ۝

حکمت اللہ کی نعمت ہے

[۱] اسراف و امساک میں فرق محسوس کرنا، بخل و سخاوت میں تفاوت جاننا اور ہر بُرائی کے نقصانات اور نیکی کے فوائد کا علم رکھنا حکمت ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا کی بے ثباتی و بے وقعتی اور آخرت کی اہمیت و حرمت کو جانتے ہیں، حکیم ہیں اور سمجھ دار ہیں۔ اور وہ جو اپنی تگ و دو صرف دنیا تک محدود رکھتے ہیں بے وقوف ہیں۔ کیونکہ عاجل کو صرف اس لئے ترجیح دینا ہے کہ وہ نقد ہے اور آجل کو ترک کر دینا کہ وہ نسیہ ہے۔ بغیر یہ جاننے کے کہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، حماقت ہے۔ قرآن حکیم حکمت کو پسند کرتا ہے۔ اس کے مخاطب بھی سمجھ دار لوگ ہیں۔ جو نفع و نقصان پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ بے پرواہ اور بے خوف انسان اپنے متعلق کچھ نہیں سوچ سکتا۔ اس لئے اس سے کوئی توقع ہی نہیں رکھنی چاہیئے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ جسے یہ دانش عطا ہو، وہ گویا دنیا کی بہترین نعمتوں سے بہرہ دار ہے اور وہ جو حکیمانہ مزاج نہیں رکھتا۔ وہ اگر دنیا جہان کی چیزیں بھی رکھتا ہو تو حقیقی مسرت سے محروم ہے۔

[۲] ان آیات میں بتایا ہے کہ صدقات کا اظہار و اعلان اگر نیک نیتی کے ساتھ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اگر اخفاء ریا کے ڈر سے ہو تو بہتر ہے اور یہ کہ اس سے تکفیر سیات ہوتی رہتی ہے۔ یعنی جب ہم دوسروں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری روحانی ضروریات کو پورا کر دیتا ہے اور ہمارے گناہوں پر خطِ عفو کھینچ دیتا ہے۔ کتنی بڑی حوصلہ افزائی ہے۔

حلِ لغات

اَلْبَابُ۔ جمع لُبّ بمعنی عقل۔
نُذُرٌ۔ منت ماننا۔
تُبْدُوْا۔ مصدر ابداء بمعنی اظہار۔

٢٧٢- لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○

٢٧٣- لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ

٢٧٢- اُن کی ہدایت[ا] تیرا ذمہ نہیں لیکن جس کو اللہ چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ تمہارے اپنے ہی لئے ہے اور تم تو فقط اللہ ہی کی خوشی کی طلب میں خرچ کرو گے۔ تم کو وہ پورا ملے گا اور تمہارا بالکل نہ رہے[۲] گا ○

٢٧٣- خیرات اُن محتاجوں کے لئے ہے جو خُدا کی راہ میں رُکے پڑے ہیں۔ ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ بے خبر آدمی اُن کی بے سوالی کے سبب اُن کو غنی گمان کرتا ہے۔ تُو اُن کو اُن کے چہروں سے پہچانے گا۔ وہ آدمیوں سے لپٹ[۳] کر سوال نہیں کرتے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے

ہدایت خُدا کے ہاتھ میں ہے

ف[۱] پیغمبر یا رسُول کا کام صرف اعلان حق ہے۔ ماننا یا نہ ماننا لوگوں کا اختیار ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب یہ توفیق صحیح سے محروم ہیں تو تیرے احاطۂ اختیار سے باہر ہے کہ تو انہیں ہدایت دے دے۔ راہنمائی و راہنموئی تو فرائض نبوت میں ہے۔ مگر شرح صدر اور توفیق یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور یہ اس کو عطا ہوتی ہے جو اس کے حصول کی کوشش کرے۔

ف[۲] ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ تمہارا ہر صدقہ قبول ہے اور تمہیں پورا پورا اجر دے گا۔ چاہے وہ فعل مندوں پر خرچ ہوا ہے اور چاہے غیر موزوں پر۔ اس لئے کہ تمہارا مقصد بہرحال اصلاح ہے۔ ممکن ہے تمہاری نیک نیتی کا اثر اس کے اعمال پر بھی پڑے اور وہ ان کاموں کو چھوڑ دے۔ البتہ زکوٰۃ صرف مسلمانوں کا حصہ ہے۔ اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہئے کہ بفحوائے لَا يَاْكُلُ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ عام صدقات سے مسلمانوں کی امانت ہے۔

ف[۳] **مستحق کون ہے؟** ان آیات میں فقراء و مجاہدین کا ذکر ہے۔ جو مجاہدانہ مشاغل کی وجہ سے کسب معاش سے محروم ہیں۔ ان میں عفت اور پاسِ عزت اس قدر ہے کہ بظاہر غنی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ ہیں اعانت کے مستحق۔ فرمایا۔ ان لوگوں کی بالخصوص اعانت کرو۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک گروہ اصحاب صفہ کا تھا جس کا کام صحبتِ نبوی سے شرف استفادہ کرنا تھا۔ وہ دن رات ارشادِ نبوی سے اکتساب ضوء میں مصرُوف رہتے اور ایک لمحہ غفلت ان کے نزدیک ناقابل تلافی محرومی کے حصول کا مترادف تھا۔ وہ مسجد نبوی میں رہتے۔ ذرائع معاش کو برُوئے کار لانے کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ ان لوگوں کے لئے عام مسلمانوں میں اعلان کیا کہ وہ انہیں اپنی اعانتوں کا سب سے زیادہ مستحق سمجھیں۔ مگر آیت کا عموم باوجود خصوص محل کے باقی ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ پیشہ ور گداگر جنہوں نے بھیک مانگنے کو ایک فن بنا لیا ہے اور وہ ہر طرح سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ہرگز اعانت کے مستحق نہیں۔ اعانت کے مستحق وہ یا وضع مجاہدین اور خدامِ دین ہیں جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں اور وہ رات دن خدمت دین میں مصروف ہیں۔ قوم کو چاہئے کہ ان کی مدد کریں اور انہیں بے نیاز بنا دیں۔ تاکہ وہ اپنا پورا وقت خدا کی راہ میں صرف کر سکیں۔ اور پورے طریق پر دین کی خدمت بجا لاسکیں۔ اسلام بھیک مانگنے کے حق میں نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے جو بھیک مانگتا ہے قیامت کے دن اس کا چہرہ بے رونق ہوگا اور محرُوم ہوگا۔ اس لئے کہ دنیا میں اُس نے اپنی عزت کی پرواہ نہیں کی اور شرف انسانیت کی توہین کی۔ اس لئے قیامت کے دن بالکل اس کے مساوی اور متبادل سزا دی جائے گی۔ اس کا چہرہ بے آب اور زخم خوردہ ہوگا۔

اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ۝

خُدا کو وہ خوب معلوم ہے ۝

۲۷۴۔ اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝

۲۷۴۔ جو لوگ رات کو اور دن کو اپنے مال چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، اُن کو اُن کے رب کے پاس بدلہ ملے گا۔ اور نہ اُنہیں کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝

۲۷۵۔ اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ

۲۷۵۔ سُود خوار آدمی قیامت کے دن اس طرح اُٹھیں گے جس طرح وہ اُٹھتا ہے جسے جن نے لپٹ کے خبطی بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ اُنہوں نے کہا کہ سُودا کرنا بھی تو سُود ہی جیسا ہے۔ حالانکہ خُدا نے سُودا حلال کیا ہے اور سُود حرام کیا ہے۔ پھر جس کے پاس اُس کے رب کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ (سُود کھانے سے) باز آیا تو جو کچھ

ف۱ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس سے مقصود اربابِ خیل ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو جہاد کے لئے گھوڑے رکھتے ہیں اور دن رات ان کی خدمت کرتے ہیں۔ تاکہ جہاد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جناب عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ اس لئے کہ انہوں نے جیش عسرت کی تیاری میں مدد دی۔ مگر آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں ایک تو یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ انفاق فی سبیل اللہ جن کی عادت ثانیہ ہو گیا ہے اور وہ مسلسل دن رات جب ضرورت محسوس ہو خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اللہ کی حقیقی نعمتوں کے سزاوار ہیں اور یہ کہ اعلان و اخفاء دونوں حالتوں میں ان کے دل میں ریاء و شہرت کے جذبات نہیں ہوتے۔ بلکہ دو طریق ہیں ادا کے، جیسے حالات کے موافق تصور کرنے میں اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بحث کہ دونوں طریقوں میں سے افضل کونسا طریق ہے۔ غیر ضروری ہے۔ بعض لوگ اخفاء کی صورت میں بھی ریا کاری کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض اتنے مخلص ہوتے ہیں کہ اعلان میں بھی ان کا دل ملوث نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنی اپنی طبیعت اور موقع و محل پر موقوف ہے۔ کبھی اخفاء افضل ہے اور کبھی اعلان۔

سُود خوار کی حالتِ نفسی ف۲ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے بعد سُود کی حُرمت کا ذکر کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ سُود خوری باہمی تعاون کے جذبے کو روک دیتی ہے اور سود خواری کے جواز کے معنی انسانی ہمدردی سے فقدان و ضیاع کے ہیں۔

ان آیات میں نہایت بلیغ انداز سے سُود خوار کی حالتِ نفسی کی تشریح کی ہے کہ وہ اس طرح فنا فی المال رہتے ہیں، جس طرح کوئی آسیب کی لپیٹ میں آگیا ہو۔ ایک ہی دُھن ہے اور ایک ہی خیال یعنی وہ حرص و آز کے اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ جہاں دماغی توازن برقرار نہیں رہتا۔ گویا ان کا دماغ بجز سرمایہ کے کسی چیز پر غور کرنے کا اہل نہیں۔ آپ دیکھیں گے قرآن کریم نے کس درجہ سچی تصویر پیش کی ہے۔ سود خوار مہاجن اور یہودی صحیح معنوں میں مسرت و سعادت سے محروم رہتا ہے۔ وہ گو دولت کے خزانے جمع کر لیتا ہے۔ مگر طمانیتِ قلب جو صرف قناعت سے حاصل ہوتی ہے، کھو بیٹھتا ہے۔ وہ ہر وقت ایک سوچ اور فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔ اُس کے لئے "اسامی" کا وجود ہی ایک معصیت رہ جاتا ہے۔ وہ سوچتا رہتا ہے۔ کہیں اسامی مر نہ جائے۔ کہیں دیوالہ نہ نکال دے۔ غریبوں کے خون میں ہاتھ رنگنا اُس کے لئے بہترین مشغلہ ہے۔ وہ دُوسروں کے لئے روپیہ ضرور جمع کر جاتا ہے۔ مگر اپنے لئے اُس کے پاس سوائے کفاف و خساست اور کچھ نہیں ہوتا۔

کیا یہ جنون نہیں؟

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

وہ پہلے لے چکا ہے وہ اُس کا ہُوا اور حکم اُس کا خدا کی طرف ہے اور جو کوئی پھر (سُود) لے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ○ [ف۱]

۲۷۶- يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○

۲۷۶- خدا سُود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور خدا کسی ناشکر گنہگار کو پسند نہیں کرتا [ف۲] ○

۲۷۷- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

۲۷۷- جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی۔ انہیں اُن کے ربّ کے پاس سے بدلہ ملے گا۔ اور نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ○

۲۷۸- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

۲۷۸- مومنو! اللہ سے ڈرو اور جو سُود (کسی کے پاس) باقی رہ گیا ہے۔ اُسے چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو ○

سُود اور تجارت

ف۱ اور یہ خرابی اس لئے پیدا ہوئی کہ تجارت و سُود میں جو فرق تھا وہ نظر انداز کر دیا گیا۔ خدا نے تجارت کی تو اجازت دی ہے۔ مگر سُود کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور انسان اپنے بہترین جوہر تعاون کو کھو دیتا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ف۲ اس آیت کا ایک سیدھا سادا مفہوم تو یہ ہے کہ ربٰو یا سُود میں برکت نہیں ہوتی اور صدقات میں خدا اضافہ و نمود کی استعداد پیدا کر دیتا ہے یعنی سُود خوار کا مال بالآخر برباد ہوتا ہے۔ اس کی نالائق اولاد کاہل اور عیاش ہو جاتی ہے جس سے مال و دولت جو محنت سے جمع کیا جاتا ہے۔ سُرعت سے برباد ہو جاتا ہے۔ بخلاف مردِ مومن کے جو اپنا نصب العین نظر بلند اور وسیع رکھتا ہے۔ اس کے مال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی اولاد صالح ہوتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے۔ ہمارا والد کس درجہ صالح تھا۔ وہ اُس کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لئے کہ اُن کا باپ اُن کے لئے ایک بہترین اُسوۂ حیات چھوڑ کر مرتا ہے۔ وہ مال و دولت کے ڈھیر گو اولاد کو سونپ کر نہیں جاتا۔ مگر اخلاق و عادات کا متاعِ گرانمایہ وہ ضرور اولاد کے ہاتھوں میں دے جاتا ہے جس سے وہ اپنی زندگی سنوار لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ برکت و سعادت اور کیا ہو سکتی ہے؟

دوسرا مفہوم ذرا زیادہ دقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ سُود سے اصل سرمایہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور قوم کے لئے یہ خسرانِ مبین کا باعث ہوتا ہے۔ اقتصادیات کا یہ اصُول ہے کہ دولت میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے۔ جب اُسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ اور سُود سے روپیہ بجائے پھیلنے کے چند ہاتھوں میں سمٹ کے رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کی تمدنی ترقی رُک جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر تعاونی جذبات کی ترقی ہو۔ روپیہ محدُود ہاتھوں میں نہ رہے اور پھیلتا رہے تو قوم کے سرمایہ میں اضافہ ہوگا۔

دیکھئے قرآنِ حکیم نے کس خوب صورتی سے سرمایہ کے مسئلہ کو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے حل کر دیا ہے۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

حلّ لغات

سَلَفَ۔ گزر چکا۔ يَمْحَقُ۔ مٹاتا۔
يُرْبِى۔ بڑھاتا۔

۲۷۹۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○

۲۷۹۔ پھر اگر تم ایسا نہ کرو تو خبردار ہو جاؤ (یعنی تیار ہو جاؤ) اللہ اور اُس کے رسُولؐ سے لڑنے کو اور اگر توبہ کرو تو تم کو تمہارے اصل مال ملیں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ○

۲۸۰۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

۲۸۰۔ اور اگر کوئی شخص تنگی میں ہے تو اُس کو تونگری تک مُہلت دینا چاہئے۔ اور اگر تم خیرات کرو تو تمہارا بھلا ہے۔ اگر تم سمجھ دار ہو ○

۲۸۱۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ع

۲۸۱۔ اور اُس دن سے ڈرتے رہو جس دن تم خدا کی طرف واپس جاؤ گے۔ پھر ہر کسی کو اُس کی کمائی کا پُورا بدلہ ملے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ○

سُود خوار سے اعلانِ جنگ

ف۱ ان آیات میں بتایا ہے کہ مسلمان تحریم سے پیشتر کے سُودی مُعاہدات توڑ دیں اور اصل مال لے لینے پر اکتفا کریں۔ ورنہ خدا سے اعلانِ جنگ ہے۔ یعنی سُود خواری مذہب کے خلاف ایک زبردست جنگ ہے۔ سُود خوار قومیں صحیح مذہبی رُوح سے قطعاً خالی ہوتی ہیں۔ یہودیوں کی ساری تاریخ سامنے ہے۔ کیا کبھی انھوں نے ایثار و قربانی سے کام لیا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ سرمایہ کی محبت اور خدا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔

رحم دِل مُسلمان

ف۲ اس سے پہلے کی آیت میں اصل مال لینے کی اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ یعنی مسلمان نہ تو بحیثیت ظالم کے اللہ کو پسند ہے اور نہ بحیثیت مظلوم کے۔ نہ تو وہ اپنا نقصان کرے، نہ دُوسرے کا۔ یعنی جس طرح ظالم بننا اور سُود لینا گناہ ہے، بالکل اُس کے متوازی سُود دینا گناہ ہے۔ کیونکہ مسلمان کو عادل اور ایک بہترین نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد دُوسروں سے کہیں بلند ہے۔ وہ اس لئے دنیا میں آیا ہے کہ خیر محض کا درس دے اور اپنے اعمال سے دُوسروں کے لئے ایک ممتاز شاہراہ قائم کرے۔

یہی وجہ ہے کہ اُسے معاملات میں نہایت صالح رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اُسے کہا گیا ہے کہ حُسنِ معاملہ بھی نصف دین ہے۔

اس آیت میں فرمایا کہ اگر رُوس اموال واپس کرنے میں انہیں دقت ہو تو تم فراغت و کشائش تک انتظار کرو یعنی اسے موقع دو کہ وہ بآسانی قرض اُتار دے۔ مقروض کو تنگ کرنا مُسلمان کے بلند اخلاق کے منافی ہے اور معاف کر دینا تو بہت زیادہ بہتر ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ میں اشارہ ہے اُس رُوحانی لذت کی طرف جو معاف کر دینے کے بعد مسلمان کو حاصل ہوتی ہے اور اس اجرِ عظیم کی طرف جس کا وہ مستحق ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں جس رحم دل مگر سرمایہ دار مسلمان کا تخیل خدا نے پیش کیا ہے، وہ دنیا کے لئے کس درجہ عافیت پسند اور مفید ہو سکتا ہے۔ کیا ان ہدایات کے بعد بھی کسی دوسری تعلیم کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

حلِ لُغات

رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ۔ اصل مال۔
ذُوْ عُسْرَةٍ۔ تنگ دست۔
مَيْسَرَةٍ۔ فراغت۔

۲۸۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَ لْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَ لَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَكْتُبْ ۚ وَ لْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَ لْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ

۲۸۲۔ مومنو! جب تم میعادِ مقررہ تک آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ دو[ف] اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان کوئی کاتب انصاف سے لکھے۔ اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسا خُدا نے اُسے سکھایا ہے۔ سو وہ بھی لکھے اور لکھاوے وہ جس پر حق ہے اور اللہ سے جو اُس کا ربّ ہے، ڈرے اور اُس میں سے کچھ نہ گھٹاوے۔ پھر جس پر حق ہے اگر وہ بے وقوف یا ضعیف ہو یا وہ خُود لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُس کا ولی انصاف سے اِملا بتلائے (یعنی لکھاتا جائے) اور اپنے مَردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو۔ اور جو مَرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ جن کو تم گواہوں

حساب میں باقاعدگی

ف قرآن حکیم ایک ایسا مکمل دستور العمل ہے کہ اس کی ہدایات ہر طرح ضروریاتِ انسانی کے لئے کفیل ہیں۔ اس میں معاملات کی جزئیات تک جو ضروری ہیں، مکمل ومفصل بیان کر دی گئی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس پر کوئی عمل کرے، فائدہ اٹھائے۔ یہ دُودھ ہے خالص، جو پیئے گا، قوت و توانائی کرے گا۔

عام طور پر مسلمان کے متعلق خیال یہ ہے کہ وہ روزانہ معاملات میں نہایت بے ضابطہ ہوتا ہے اور اس بے ضابطگی کی وجہ سے اکثر نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔ اغیار اس کی سادگی اور سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اسے دونوں ہاتھوں سے لُوٹتے ہیں۔ مگر یہ کبھی قرآن حکیم اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ اس نسخۂ کیمیا میں اس کے لئے کیا کیا قیمتی پند و نصائح درج ہیں اور یہ کہ قرآن حکیم کے اوراق میں اس کو کس قسم کا مسلمان بننے کی ہدایت کی گئی ہے۔

قرآن حکیم جس نوع کا مسلمان پیش کرتا ہے، وہ نہایت دانا، زیرک اور محتاط ہے۔ وہ بدرجۂ غایت باضابطہ اور بااصول ہے۔ وہ کبھی دُوسروں کو دھوکا نہیں دیتا اور نہ خود دھوکا کھاتا ہے۔ اس کا حساب متعین اور صاف ہوتا ہے۔ وہ کبھی بے اصولی بات نہیں کہتا چنانچہ اُسے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے:۔

(۱) لین دین کے معاملہ میں باقاعدہ حساب رکھئے۔

(۲) کاتب یعنی لکھنے والا عدل و انصاف سے کام لے اور فریقین میں سے کسی کو بھی گھاٹے میں رکھنے کی کوشش نہ کرے۔

(۳) دستاویز کی عبارت وہ لکھائے جو لے رہا ہے۔ کیونکہ جھگڑے کے وقت اسی کی شہادت معتبر ہوگی۔

(۴) اگر خود معاملہ فہم نہ ہو تو اس کے ولی لکھائیں۔ مگر ایمان اور دیانت کا خیال رہے۔

(۵) دو گواہ ہوں مرد۔ اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دُوسری یاد دلا دے۔

حلّ لغات

تَدَایَنْتُمْ۔ مصدر تدایُن۔ قرض لینا دینا۔ اشتقاق دین سے بمعنی قرض۔

یُمْلِلْ۔ مصدر اِمْلَال۔ لکھانا۔

تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ

میں پسند کرو۔ اور یہ اس لئے کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو وہ دُوسری اُسے یاد دلادے[1]۔ اور جب گواہ بُلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور اُس کے لکھنے میں سُستی نہ کرو۔ چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا، اُس کے وعدہ تک۔ اس میں خُدا کے نزدیک خوب انصاف ہے اور گواہی کے لئے خوب پختگی اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔ البتہ اگر رُوبرُو کا سودا ہو کہ لیتے دیتے ہو اُس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اُس کو نہ لکھو۔ اور جب لین دین کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ اور چاہئیے کہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اور اگر ایسا کروگے تو یہ تم میں گناہ کی بات

مرد افضل ہے یا عورت؟

[1] اسلام نے عورت کے درجہ و منصب کی تعیین میں کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ اس کے نزدیک عورت ہر اُس اعزاز کی مستحق ہے جو مَردوں کا حصہ ہے۔ اس کے نزدیک دونوں کے دائرۂ حیات الگ الگ ہیں۔ دونوں ایک دُوسرے کے محتاج ہیں اور دونوں ایک دُوسرے کے رفیق۔ وہ نفس و رُوح کے لحاظ سے دونوں میں سے کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتا۔ البتہ وہ کہتا ہے۔ مرد بعض ذمہ داریوں کی وجہ سے قوام ہے اور عورت نہیں۔ مرد عقل و فرزانگی میں عورت سے آگے ہے اور عورت جذبات و خواطر میں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر جدید علمائے نفسیات و تشریح کا کلی اتفاق ہے۔ ایک مرد کا بھیجا ایک عورت کے بھیجے سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ ہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ عورت کو بھی اگر مرد کی طرح آزاد کر دیا جائے تو وہ ایک صدی کے بعد مرد کے برابر عقل مند ہو جائے گی اور جذبات اس میں کم ہوتے جائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آزادی کے بعد عورت اپنی دوسری نسوانی خصوصیات کھو بیٹھے گی اور جب تک اُس کا بھیجا مرد کے برابر ہو، مجلس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے فطرت کی حدود کے اندر رکھا جائے۔ خدا جانے ان لوگوں کو یہ کس نے بتا دیا ہے کہ تنہا عقل و فرزانگی معیارِ فضیلت ہے جس کے لئے تمام دُوسری خوبصورتیوں کو قربان کر دیا جائے۔ کیا پاکیزہ جذبات کی اتنی بھی ضرورت نہیں، جتنی کہ عقل کی۔ کیا خشک پروفیسری اور معلّمی کے سلیقے سے بچوں کی تربیت کے جذبات زیادہ قابلِ قدر نہیں؟ کیا ماں بننا لائقِ فخر نہیں؟ کیا بیوی ہونا سہل ہے؟ یعنی ان جذبات سے جو فطرتِ انسانی کا لاریب حُسن ہیں، قطعِ نظر کی جاسکتی ہے؟ یہ ٹھیک ہے عقل و تجربہ میں مرد بڑھا ہوا ہے۔ مگر دنیا کی مسرتوں میں اضافہ کرنے میں عورت برابر کی شریک نہیں؟ مرد صرف اس لئے اُچھل پڑتا ہے کہ وہ عورت سے زیادہ عقل مند ہے اور عورت یہ سُن کر ملول ہو جاتی ہے کہ وہ عقلی لحاظ سے مَرد سے بالعموم پیچھے ہے۔ حالانکہ اس سے علاوہ بھی وجوہِ فضیلت تلاش کی جاسکتی ہیں۔ اور اس کا فیصلہ کرنا سخت دشوار ہے کہ دُنیا کو عقل کی ضرورت زیادہ ہے یا جذبہ کی۔ اور جب تک اس کا فیصلہ نہ کر لیا جائے، مرد کو کُلّی افضل قرار دینا مشکل ہے۔

(باقی صفحہ ۱۱۳ پر)

حلّ لغات

تَسْئَمُوْٓا۔ مادہ سَاٰمَۃٌ۔ اکتا جانا۔

اَقْسَطُ۔ مادہ قِسْط۔ زیادہ قرینِ انصاف۔

اَقْوَمُ۔ زیادہ درست۔

بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ہے اور خدا سے ڈرو اور خدا تم کو سکھلاتا ہے۔ اور خدا ہر بات سے واقف ہے[1] ۝

۲۸۳۔ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

۲۸۳۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن ہاتھ میں رکھ لو[2]۔ پھر اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو چاہیئے کہ وہ شخص جس پر اعتبار کیا گیا ہے اُس کی امانت اُس کو ادا کرے اور اللہ سے ڈرے۔ جو اُس کا ربّ ہے۔ اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جس نے گواہی کو چھپایا' اُس کا دل گنہگار ہے۔ اور خدا تمہارے کام خوب جانتا ہے ۝

ع ۳۹

۲۸۴۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

۲۸۴۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور اگر تم اپنے دل کی بات کھولو یا چھپاؤ۔ اُس کا حساب اللہ تم سے لے گا۔ پھر جسے چاہے گا' بخشے گا اور جسے چاہے گا' عذاب کرے گا۔ اور

(بقیّہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲)

اسلام جو فطرت کا دوسرا نام ہے' وہ کسی طرح بھی دونوں کو دھوکا میں نہیں رکھنا چاہتا۔ وہ صاف صاف بتلا دیتا ہے کہ مرد اور عورت میں کیا فرق ہے اور معاملات میں ان کو کیا درجہ دیا جائے؟

اس آیت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو رکھا ہے اس لئے کہ یہاں سوال بالکل برابری کا نہیں' معاملات کا ہے اور عورتیں معاملات میں زیادہ ہُشیار نہیں ہوتیں۔ ان کے دُوسرے مشاغل انہیں ان جھنجٹوں میں پھنسنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لئے شہادت میں بجائے ایک عورت کے دو کو رکھا۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلا دے۔ کتنا صحیح اور فطری فیصلہ ہے۔

ف۲ ان آیات میں بتایا ہے کہ مسلمان نہایت محتاط اور باضابطہ ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی تساہل نہ کرے اور لکھ لے۔ اس سے آئندہ جھگڑے کا امکان نہیں ہے۔ البتّہ اگر لین دین میں قرض و سُود اسلف کا ذکر نہیں تو نہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

ف۱ گواہوں کو اور لکھنے والوں کو بے ایمانی اور تحریف پر مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا خود فسق میں مبتلا ہونا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کے معنی یہ ہیں کہ معاملات میں صفائی اور پاکیزگی ہی اتّقاء ہے اور وہ لوگ جو دینداری کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ ظواہر کو ادا کریں اور معاملات کی پرواہ نہ کریں' وہ غلطی پر ہیں۔

ف۲ ان آیات میں رہن کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ ناواقفی کے وقت اس کے سوا چارہ ہی نہیں۔ البتّہ یہ ہدایت کی ہے کہ اگر یونہی اعتبار پر کوئی شخص قرض دے دے تو مدیون کو چاہیئے کہ اُس کے حُسنِ سلوک کا خیال رکھے اور اُس کی پائی پائی چکا دے۔ اس کے بعد عام ہدایت ہے کہ کتمانِ شہادت اسلام میں درست و جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے باہمی اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔

حلِّ لُغات

اٰثِمٌ۔ مصدر اِثْمٌ۔ مجرم۔
اِثْمٌ بمعنی گناہ۔

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

۲۸۵۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ○

۲۸۶۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا

اور خدا ہر شے پر قادر ہے ○ [ا]

۲۸۵۔ رسولؐ نے اور مسلمانوں نے اس بات کو مان لیا۔ جو کچھ اُس کے ربّ کی طرف سے اُس پر نازل ہوا ہے۔ سب اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں (اُن کا اقرار ہے) کہ ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نے سُنا اور قبول کیا اے ربّ ہمارے ہم کو تیری بخشش چاہیے اور تیری طرف جانا ہے ○ [ا]

۲۸۶۔ خدا کسی کو اُس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اُس کی کمائی کا فائدہ اور نقصان اُسی کے لیے ہے۔ اے ربّ ہمارے! اگر ہم بھول گئے یا ہم نے خطا کی تو ہم کو نہ پکڑ

محاسبۂ نفس ف۱ اِس سے پہلے کی آیات میں کتمانِ شہادت سے منع فرمایا اور بتایا کہ ہر دھوکے اور فریب سے بچو۔ اس آیت میں اعلان کیا ہے کہ دُوسروں کے متعلق بُرے خیالات رکھنا بھی مُوجبِ گناہ ہے۔ یعنی مسلمان کو اعمال و جوارح سے لے کر قلبُ خیال کی گہرائیوں تک پاکیزہ ہونا چاہئے۔ مطلب صاف اور واضح ہے۔ مگر چونکہ اس کے بعد ہی لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا کی آیت ہے یعنی خدا تکلیف مالایطاق نہیں دیتا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ غَفَرَ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ مَا حَدَّثَتْ بِہٖ اَنْفُسُھُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت پر فضل کیا ہے کہ وساوس کو قابلِ عفو ٹھہرایا ہے۔ اس لیے شبہ پیدا ہوا کہ پھر نفس کے خیالات و افکار پر محاسبہ کیسا؟

بعض نے اس کی تاویل یہ فرمائی کہ اس سے مُراد کتمانِ شہادت ہے۔ بعض نے فرمایا۔ اس کا مقصد کفر و نفاق کا خیال ہے۔ کہا۔ یہ منسُوخ ہے آیت مابعد سے۔ مگر اگر غور کیا جائے اور خیال و فکر کے نتائج پر بنظرِ امعان نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ ایک حقیقتِ نفسی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور کسی آیت و حدیث سے معنًا اس کا تصادم نہیں ہوتا۔ اس لئے تخصیص اور تنسیخ کا سوال ہی غلط ہے۔ دماغ و قلب میں جتنے خیالات و جذبات پیدا ہوتے ہیں اُن کا اثر ہوتا ہے جو بعض دفعہ نہایت لطیف و کمزور ہونے کی وجہ سے جوارح تک منتقل نہیں ہوتا۔ اور نفس کی اگر تحلیل کی جائے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ خیالات و افکار میں محاسبہ کا عمل کار فرما ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا خیال جو بُرا ہو' وہ بلا ذہنی تعزیر کے نہیں رہتا۔ اِسی طرح اچھا خیال و جذبہ ذہن کے لئے باعثِ مسرّت ہوتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تمام بُرے اعمال بُرے خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں اور کیا بُرائی بُرے خیال کی عملی سزا نہیں؟ اس آیت میں اسی نفسیاتی اصولِ محاسبہ کو بیان فرمایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ مسلمان جذبۂ تاثر کے لحاظ سے بھی بہترین انسان ثابت ہو۔

حدیث و آیتِ مابعد کا تعلق اس نفس محاسبہ سے نہیں۔ بلکہ اس محاسبہ سے ہے جو قضایا خارج سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی کسی چور کو محض اس لئے سزا نہیں دی جائے گی کہ اُس کے دل میں چوری کے خیالات ہیں بلکہ اُس وقت وُہ سزا کا مستحق ہو گا جب یہ خیالات اُسے چوری کے لئے مجبور کر دیں۔ البتہ خدا کے نزدیک اُسے پاکیزہ دماغ اور پاکیزہ نفس انسان نہیں کہا جا سکے گا اور ایسے انسان میں جس کے دل میں چوری کا کوئی خیال نہیں، یقیناً زیادہ فضیلت ہے۔

ف۲ ان آیات میں بتایا ہے کہ ان حقائق پر جو اس سُورۃ میں بیان کئے گئے ہیں، سب ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان حق و صداقت کا اس درجہ شیدائی ہے کہ بلا تفریق احدے ہر پیغمبر کو مانتا ہے۔ اس کا شیوہ انکار و تمرد نہیں، سمع و اطاعت ہے۔ وہ ہر وقت خدا کی بخشش و رحمت کا جویاں رہتا ہے اور حق کے قبول کرنے میں کوئی تعصب اس کے حائل نہیں ہوتا۔

حلِّ لغات

اَلْمَصِیْرُ۔ انجام۔

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ع

اور اے ہمارے ربّ! ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ، جیسے اگلوں پر تُو نے بوجھ رکھا۔ اور ہم سے وُہ بوجھ نہ اُٹھوا، جس کی ہم میں طاقت نہیں ہے اور ہم سے درگزر کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ اور ہم پر رحم کر۔ تُو ہمارا آقا ہے۔ ہمیں کافر قوم پر مدد دے[ف۱] ۝

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ٢٠٠ — رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

سُورۂ آلِ عمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

(شروع) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ۝

۱- الٓمّٓ ۝

۱- الٓمّٓ ۝

۲- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ط

۲- اللہ ہی معبود ہے۔ سوائے اُس کے کوئی معبود نہیں۔ وُہ زندہ اور سب کا قائم رکھنے والا ہے[ف۲] ۝

۳- نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

۳- اُس نے تجھ پر سچّی کتاب نازل کی جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے[ف۳] اور اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل کی ۝

ف۱ ان آیات میں مسلمانوں کو ایک نہایت ہی عجیب دُعا سکھلائی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان تمام گمراہیوں اور لغزشوں سے بچے جن کی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں یعنی وہ خطاء نسیان سے بچے۔ خواہ مخواہ تعمق کی وجہ سے مصائب کے بوجھ کو اپنے سر پر نہ لائے جیسے پہلی قوموں نے کیا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے نصرت و عفو کا طالب رہے۔ اور کوشش کرے کہ طاقت و قوت میں کفر اس سے بازی نہ لے جائے۔

اٰلِ عِمْرٰن

یہ سُورۃ قرآن حکیم کی تیسری سورۃ ہے۔ مدینہ میں ۹ھ میں نازل ہوئی۔ اس میں وفد نجران کے عقائد و معترضات سے بحث کی ہے۔ عام طور پر اس کے مخاطب عیسائی ہیں۔

ف۲ ان آیات میں بتایا ہے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت و نیاز کا مستحق نہیں۔ سارے سجدے اور تمام عبادتیں اسی کو زیبا ہیں۔ اس لئے کہ زندہ اور قیّوم خدا وہی ہے۔ اُس کے سوا سب فنا کے گھاٹ اُترنے والے ہیں۔ سب فانی اور حادث ہیں۔ سب احاطۂ امکان کے اندر ہیں اور سب ایسے ہیں جو اُس کی عبادت کرنا باعثِ فخر و مباحات سمجھتے ہیں۔ سب کا وظیفۂ زندگی اس کی پرستش کرنا اور تسبیح و تقدیس کے مشغلوں میں مست رہنا ہے۔

قرآن مُصدّق ہے

ف۳ نزولِ قرآن کے وقت متعدّد صحائف موجود تھے۔ جن کے متعلق خیال تھا کہ یہ الہامی ہیں۔ قرآن حکیم جب نازل ہوا ہے، طبعاً یہ سوال اُٹھا کہ قرآنِ کریم کی حیثیت کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ پہلی تمام کتابوں کا جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، مصدق ہے۔

تصدیق کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس قدر سچّائیاں اور صداقتیں پہلے موجود ہیں، قرآنِ حکیم اُن کا بکمالِ وسعتِ قلبی اعتراف کرتا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ توریت و انجیل کو بالکل تحریف و تصحیت سے مبرّا مانتا ہے۔ تصدیق صحیح اور درست کتاب کی ہے۔ نہ اغلاط و تحریفات کی۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم کے دُوسرے مواضع سے صاف ظاہر ہے وہ باوجود تصدیق کے اُن کے غلط عقائد پر انہیں متنبہ کرتا ہے اور سختی کے ساتھ ٹوکتا ہے اور برملا کہتا ہے کہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ یعنی جہاں تک پیغام کی رُوح اور مغز کا تعلق ہے

(باقی صفحہ ۱۱۶ پر)

حلِ لغات:- اِصْرًا- بوجھ- مَوْلٰی- کارساز-

۴ - مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ○

۴ - جو لوگوں کے لیئے ہدایت ہے اور اُتارا انصاف - جو لوگ خُدا کی آیتوں کے مُنکر ہیں، اُنہیں سخت عذاب ہوگا اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے ○

۵ - اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ؕ ○

۵ - بے شک اللہ پر کوئی شَے چُھپی ہوئی نہیں ہے - نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ○

۶ - هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

۶ - وُہ وُہ ہے کہ رِحموں میں جیسی چاہتا ہے، تمہاری صُورت[ف] بناتا ہے - کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوا وُہ غالب اور حکمت والا ہے ○

۷ - هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا

۷ - اُسی نے تجھ پر کتاب نازل کی - اُس میں بعض آیتیں پکّی ہیں اور وُہی کتاب[ل] کی جڑ ہیں اور دُوسری مشابہ (یعنی معنی معلوم یا معیّن نہیں)

(بقیّہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵)

وہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے - اُس میں کبھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی - اسی وجہ سے ہر الہامی کتاب کا فرض ہے کہ اس رُوح وراثت کی تائید کرے -

دُوسرے معنی یہ ہیں کہ توراۃ و انجیل کے نزول کے بعد بھی رُوحِ انسانی تشنۂ فیض تھی اور ضرورت تھی کہ وہ حسبِ وعدہ ایک مکمّل شریعت سے بہرہ ور ہو - یہ تشنگی اور ضرورت مسیحؑ کے اِن الفاظ سے واضح ہے کہ "دیکھو دُنیا کا سردار آتا ہے"۔ اور یہ کہ "مَیں بعض چیزیں تمہیں نہیں بتلاتا - مگر وہ رُوح تمہیں سب کچھ بتلائے گی - موسٰی علیہ السّلام نے فرمایا تھا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ مَیں تیرے بھائیوں میں سے تجھ جیسا ایک نبیؑ نازل کرُوں گا - حضرت داؤدؑ اپنی ایک زبُور میں اس سُرخ و سفید شاہِ عرب کے انتظار میں غزل سرا ہیں - دانیالؑ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو ایک مکاشفے میں دیکھتے ہیں اور یسعیاہ نبیؑ کی کتاب میں اُس قدوسی کی تعریف ہے، جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت ہے اور جس کی فتوحات رُوحانی سمندروں تک پھیل جائیں گی -

قرآنِ حکیم کہتا ہے - مَیں مُصدّق ہُوں - یعنی ان تمام وعدوں، اُمیدوں اور تمناؤں کو پورا کرنے کے لیئے آیا ہُوں -

تصدیق کا لفظ اِن معنوں میں ادبیاتِ عربی میں بکثرت مستعمل ہے - ایک شاعر چند شاہسواروں کے متعلق کہتا ہے ؎

فوارس صدقت فیهم ظنونی

یعنی اُن لوگوں نے میری تمام اُمیدوں کو پورا کر دیا -

(حاشیہ صفحہ ھذا)

ف اَلْمُصَوِّرُ - خدا تعالیٰ کی لاتعداد صفات ہیں - ان میں سے ایک صفت مُصوّر بھی ہے - یعنی کائنات کو ایک موزُوں شکل میں پیدا کرنے والا ہے - انسان ہی کو دیکھ لیجیے - احسنِ تقویم کا کتنا اچھا مُرقّع ہے -

الہامِ روحی کے سیاق میں اس کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم مذہب کی اہمیّت کو پُورا محسُوس کریں اور جانیں کہ تعلق اللہ کے سوا عالمِ انسانیّت کی جو شکل بھی ہو گی، وہ غیر فطری اور بھونڈی ہو گی وہ خدا جو ہمیں مادی صُورت میں پیدا کرتا ہے وُہ چاہتا ہے - ہماری رُوح کی تشکیل بھی ایک خاص ڈھب پر ہو - اللہ کے پیغمبر، اُس کی کتابیں اِن سب کا مقصد انسانیّت کی مصوّری ہے - یعنی انسان کو جسم و رُوح کے لحاظ سے خوبصُورت بنایا -

(باقی صفحہ ۱۱۷ پر)

حلِّ لُغات

مُحْكَمٰتٌ - واضح، حکیمانہ اور قابلِ تاویل آیات -

مُتَشٰبِهٰتٌ - محلِ تاویل و تفسیر -

الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے متشابہات کے پیچھے چلتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو پکّے عالم ہیں، کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے ربّ سے ہے اور سوا عقل والوں کے اور لوگ سمجھانے سے نہیں سمجھتے ○

۸ - رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○

۸ - اے ہمارے ربّ! جبکہ تو ہمیں ہدایت کر چکا تو ہمارے دِلوں کو گمراہ نہ کر اور اپنی طرف سے ہمیں نعمت دے۔ تُو ہی سب کچھ دینے والا ہے ○

۹ - رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○ ع

۹ - اے ہمارے ربّ! تُو سب آدمیوں کو اُس دِن جمع کرنے والا ہے جس میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا ہے ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶)

متشابہات

۷ قرآنِ حکیم کی تقسیم محکمات و متشابہات میں وارد ہے۔ وہ لوگ جن کے دل نورِ ہدایت سے مستنیر ہیں اِس تقسیم کو قدرتی اور طبعی خیال کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جن کا مقصد راہِ راست سے بھٹک جانا ہے، وہ محکمات کو جو اساس دین ہیں چھوڑ دیتے ہیں اور متشابہات جو محض بر سبیل استطراد و توثیق کے لئے بیان کی گئی ہیں۔ وجہ نزاع و مخاصمت بنا لیتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں عقائد سے لے کر معاشرت کے ادنیٰ سے ادنیٰ مسائل تک سب کچھ بیان کیا گیا ہے اور پھر ایک ایک مطلب و مقصد کو متعدد وسائل اور اسالیبِ بیان سے ادا کیا گیا ہے۔ کبھی تشبیہ سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی استعارے سے۔ کبھی حقیقت جلوہ آرا ہے اور کبھی مجاز۔ اور پھر ہر طریقِ ادا میں ظاہر ہے کچھ اختلاف بھی ہے اور یہی نوع بلاغت کی جان ہے۔ مگر با ایں ہمہ اس اختلاف و تنوع کے ایک وحدت جھلک رہی ہے اور ایک مخصوص رنگ یکساں نمایاں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم کے سامنے کچھ چیزیں بطور اساس و مرکز کے ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کا مرتبہ توثیق و توقیع کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب چاہیے تو یہ کہ قرآن فہمی کے لئے اِن اساسی مرکزی عقائد کو سامنے رکھا جائے اور دوسری آیات کو توضیح و تشریح کے لئے سمجھا جائے۔ حقیقت کو مجاز پر قربان نہ کیا جائے اور وہ چیز جو واشگاف طور پر کہی گئی ہے، اُسے اصل قرار دیا جائے اور جو استعارے کے رنگ میں ادا کی گئی ہے، اُسے اُس کی تائید کے لئے استعمال کیا جائے۔ مگر اہلِ زیغ و الحاد جن کے دل بصیرت سے محروم ہیں، ہمیشہ اُلٹا چلتے ہیں۔ وہ حقائق کو چھوڑ کر اساسی مرکز سے قطع نظر کر کے چند عقیدے از خود تراش لیتے ہیں اور پھر اس کے بعد آیات تلاش کرتے ہیں جو ان کی تائید کریں۔

قرآنِ حکیم ہی کی یہ خصوصیت نہیں۔ ہر کلام بلیغ میں یہ تنوع موجود ہوتا ہے۔ صاحبِ فہم و بصیرت حضرات یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اِس تنوع میں کسی وحدت کو ڈھونڈا جا سکتا ہے؟ اور وہ جو مخالف ہوتے ہیں، وہ اس تنوع کو رفتار پر محمول کرتے ہیں (باقی صفحہ ۱۱۸ پر)

حلِ لُغات

اَلرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ۔ علم میں کامل دستگاہ رکھنے والے۔

۱۰- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝

۱۰- بے شک جو کافر ہیں خدا کے سامنے اُن کے مال اور بال بچے کچھ کام نہ آئیں گے اور وُہی دوزخ کا ایندھن ہیں ۝

۱۱- كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

۱۱- جیسے فرعونیوں اور اُن سے پہلوں کا حال تھا کہ اُنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تو خدا نے اُن کو اُن کے گناہوں میں پکڑا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے[1] ۝

۱۲- قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

۱۲- کافروں سے کہدے کہ ابھی تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤگے اور وُہ کیا بُرا ٹھکانا ہے ۝

۱۳- قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ

۱۳- تمہارے لئے اُن دو فوجوں میں جو آپس میں بھڑی تھیں، ایک نشان ہے ایک فوج خُدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری فوج کافروں کی تھی جن کو مُسلمان اپنی آنکھوں سے اپنے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷)

اور اصل شے سے بالکل الگ ایک مفہوم تراش لیتے ہیں۔

ہر فرقہ جو گمراہ ہوتا ہے وہ اسی سبب سے کہ محکمات و متشابہات میں فرق و امتیاز اٹھا دیتا ہے۔ مثلاً عیسائی کیوں تثلیث کی طرف مائل ہوئے؟ اس لئے کہ جب وُہ یونانی عقائد و میسے سے دوچار ہوئے اور متاثر ہوئے تو اُنہوں نے انجیل سے اس بُت پرستانہ عقیدہ کو استنباط کرنا چاہا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے "ابن اللہ" کا لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے اور یہ کہ خُدا اپنے لئے اکثر متکلم مع الغیر کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تثلیث ایک درست اور صحیح عقیدہ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ اگر وہ مرکز و اساس کو ہاتھ سے نہ دیتے اور حقیقت و مجاز میں فرق و امتیاز قائم رکھتے تو ایسی خطرناک ٹھوکر ہرگز نہ کھاتے۔ "ابن اللہ" بطور مبالغہ کے مستعمل ہوتا ہے جس کے معنی محبوب و پیارے کے ہیں۔ انجیل اور دیگر کتب سماویہ کی مرکزی تعلیم توحید ہی ہے۔ انجیل میں صاف لکھا ہے کہ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ توریت میں بار بار یہودیوں کو بُت پرستی پر ٹوکا گیا ہے۔

غرضیکہ قرآن حکیم جو کفر و زندقہ کے تمام احتمالات کو بیان فرماتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ فتنہ و تاویل کے لئے قرآن حکیم کی ورق گردانی نہ کرو عمل و ایمان کے لئے قرآن حکیم محکمات و بیّنات سے معمور ہے۔ متشابہات اور قابل تاویل و احتمال آیات کو انہیں بیّنات پر ڈھالنے کی کوشش کرو اور کہو کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ ہمارے دل میں زیغ و الحاد کی آلودگیاں پیدا نہ ہوں اور یہ کہ ہم قرآن حکیم پر عمل کرنے کی وجہ سے اس کی نعمتوں کے سزاوار اور مستحق ہوں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

[1] ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ کذب و افترا کی آخری حد عذاب الٰہی ہے۔ وہ لوگ جو اب تک اسلام کے پیغام صداقت شعار کا انکار کرتے چلے آرہے ہیں، وہ متنبہ رہیں کہ اُن کا مال و دولت انہیں ہرگز اللہ کی پکڑ سے نہ بچا سکے گا۔ یہ خُدا کا قانون ہے، اُس کی سنّت ہے۔ وہ نافرمانوں کو ہمیشہ سخت سزائیں دیتا رہا ہے۔

دیکھو فرعون کس جاہ و حشم اور کس ٹھاٹھ سے رہتا تھا۔ مگر ضرب موسوی کی تاب نہ لا سکا اور بنی اسرائیل کے سامنے دریا میں ڈوب گیا۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○

۱۱- زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○

دو چند دیکھ رہے تھے اور اللہ جس کو چاہے اپنی مدد کا زور دے اِس میں آنکھ والوں کے لئے عبرت ہے ○

۱۴- عورتوں اور اولاد اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور پالتو گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے مزدوروں کی محبت پر آدمی فریفتہ کئے گئے ہیں۔ یہ دُنیا کی زندگی کا سرمایہ ہے اور اچھا ٹھکانا خدا تعالیٰ کے پاس ہے وسے ○

ایمان کی فتح اور کُفر کی شکست

ف قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ میں یہود کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ تم عنقریب مُسلمانوں کے غلبہ و اقتدار کے قائل ہو جاؤ گے۔ تمہیں تمہاری بستیوں سے نکال دیا جائے گا اور تمہارے باغات ویران کر دیئے جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ یہود کو اپنے مال و دولت پر بہت ناز تھا اور وہ قوت و عظمت کے نشہ میں سرشار تھے۔ ضرورت تھی کہ انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کیا جائے۔ ضمناً اِس آیت میں کفر کی دائمی مغلوبیت کی طرف اشارہ کیا یعنی علو و اقتدار، بلندی و قوت صرف ایمان کے حصہ میں آئی ہے۔ کفر ہمیشہ ہمیشہ پست اور ذلیل رہے گا۔ چنانچہ اُن کے سامنے

بدر کا نقشہ

تھا۔ مسلمان کُل تین سَو تیرہ تھے۔ ستر اُونٹ، دو گھوڑے، سات زرہیں اور آٹھ تلواریں نہ او حرب سمجھئے۔ دُوسری طرف کفار کا لشکر جرار پوری تیاری کے ساتھ صف آراء تھا جس کے تمام سرداروں نے اس میں فراغ دلی اور فیاضی کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ فخر و غرور، کبر و تمکنت اور قوت و کثرت کا یہ طوفان مسلمانوں کو "مشتِ غبار" کی طرح منتشر کر دینا چاہتا تھا۔ کفر و ضلالت کے تاریک اور سیاہ بادل آمادہ تھے کہ خرمنِ ایمان و بصیرت پر بجلیاں گرائیں۔ کفر و ایمان کی یہ پہلی اور خطرناک سازش تھی۔ ایمان کی بے بضاعتی ارباب کفر کے لیے باعث صد خندہ تھی۔ شیطان ہنس رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ اللہ والے آج مٹنے کو ہیں۔ مگر ربّ ذُو انتقام کی قاہر فوجیں مُسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ تائیدِ غیبی نے اُن کے دلوں کو فولادی بنا دیا۔ وُہ لڑے اور اس بے جگری کے ساتھ کہ کفر با ایں کثرت و حشمت بُری طرح ذلیل اور رُسوا ہوا۔ ایمان ہمیشہ کے لئے سربلند ہو گیا اور کفر سرنگوں۔

کیا یہ واقعہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایمان بجائے خود فاتح و منصور ہے اور کفر مغلوب و مقہور۔

ذِلّت کے اسباب

ف۲ یہ مژدۂ ایمان پرور سُننے کے بعد کہ مسلمان ہمیشہ مظفرّ و کامران رہتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کون سی چیزیں مسلمان کو ذلّت و پستی کی طرف کھینچ لے جاتی ہیں اور وہ کیوں بعض حالات میں اپنے اصلی مقامِ رفعت و عظمت کو چھوڑ کر قفل و تعبد کی گرانبار زنجیروں کو زینتِ گلو بنا لیتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی زبان میں اس کا سبب ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی خواہشاتِ نفس کا ضرورت سے زیادہ احترام۔

مسلمان خارزارِ دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ تاکہ آبلہ پائی کی تمام مصیبتوں کو وہ برداشت کرے۔ کانٹے کانٹے سے اُلجھے۔ مگر دامنِ ایمان کو صاف بچا لے جائے۔ وہ دنیا کی ہر لذّت سے استفادہ کرے مگر جائز حد تک۔ وہ عدل و مساوات اور ضبط و نظم کا محسوس پیکر بنے مسلمان کی زندگی جب عیش و عشرت کا رنگ اختیار کرے۔ بیوی اور بچے جب اس کی تمام توجہات کو اپنی طرف جذب کریں۔

(باقی صفحہ ۱۲۰ پر)

حلِ لُغات

شَهَوَاتِ۔ جمع شہوۃ۔ خواہش۔ طلب۔

اَلْقَنَاطِيْرِ۔ جمع قنطار۔ ایک ہزار اوقیہ یا مالِ کثیر۔

اَلْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ۔ خوبصورت اور شان دار گھوڑے۔

۱۵۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝

۱۵۔ تو کہہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات بتاؤں، پرہیزگاروں کیلئے اُن کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وُہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ستھری عورتیں ہیں اور خدا کی رضامندی ہے۔ اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے ۝

۱۶۔ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

۱۶۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا ۝

۱۷۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝

۱۷۔ جو صابر اور سچے اور حکم بجالانے والے ہیں اور مال خرچ کرنے والے اور پچھلی رات میں گناہ بخشوانے والے ہیں ف۱ ۝

۱۸۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

۱۸۔ خُدا نے گواہی دی کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی گواہی دی۔ وہی انصاف کا حاکم ہے اس کے سوا کوئی معبود

(بقیہ صفحہ ۱۱۹) سونے چاندی کا ڈھیر اس کا مقصد ٹھہریں اور خیل وحشم اس کا منتہائے نظر کھیت اور باغات سے آگے اُس کی جولانیاں نہ ہوں تو سمجھ لیجئے کہ متاعِ غرور نے اُس کے پاؤں پکڑ لئے ہیں اور اس کی نگاہیں پا در گل ہو کر رہ گئی ہیں۔ اب حسنِ مآب سے قطعاً بیگانہ ہو گیا ہے اور آخری زندگی کی شادکامیاں اس کی نظر سے اوجھل ہو گئی ہیں۔ ہاں اگر وُہ ان رنگین زنجیروں کو زیبِ گلو نہ بنائے تو پھر فتح وظفر صرف اسی کا حصہ ہے۔

حُسْنُ الْمَاٰبِ

ف۱ ان آیات میں بتایا ہے کہ مادی خواہشات سے زیادہ قابلِ قدر جناتِ نعیم کی نعمتیں اور اللہ کی رضامندی ہے۔ وہ لوگ جو متقی ہیں، جن کی طبیعتیں ایمان وبصیرت کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ وہ جو بالاصالت صرف خدا اور خدا کے دین سے محبت رکھتے ہیں۔ جو دُنیا سے بلند و بالا ہو کر رہتے ہیں۔ جنہیں دُنیا کی دلفریبیاں اپنی طرف نہیں کھینچتیں، وہ اس کے مستحق ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگی دائمی مسلسل اور پیہم خوشیوں کا نام ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

اللہ کے بندے ف۱ اس سے پہلے کی آیت میں اللہ کے بندوں کے انعامات گنائے گئے تھے۔ اس آیت میں یہ بتایا کہ اللہ کے بندے کون ہیں؟

وہ مومن جنہیں احساسِ گناہ ہر وقت طلبِ مغفرت پر مجبور کرتا رہے۔ وہ جو صابر ہوں یعنی صبر علی الطاعات ہو، صبر عن المحارم ہو۔ تکلیفوں پر برداشت کی قوت رکھتے ہوں۔ باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ یہ سب چیزیں صبر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ وہ جو صادق ہوں۔ زبان و دل میں اُن کے کوئی اختلاف نہ ہو۔ سرًّا و جہرًا ان میں کوئی تفاوت نہ پایا جائے۔ اُن کی خلوتیں جلوتوں سے بہتر ہوں۔ وُہ جو قانتین ہوں۔ فرائض کی بجا آوری میں ہمہ تن رضا کار ہوں۔ وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے والے ہوں۔ اللہ کے بندوں سے اُنہیں اُلفت ہو۔ اُن کی ضروریات کو وُہ سمجھتے ہوں اور ہنگامِ سحر جب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوں اُن کے پہلو بستروں سے جُدا ہوں۔ وہ رات کی تاریکیوں میں دل کے اُجالے مانگ رہے ہوں۔ بخشش وطلب کے لئے بے چین ہوں اور مضطر ہوں۔ ایسے لوگ اللہ کے بندے ہیں۔ اُس کے پیارے ہیں۔ اور انعامات کے مستحق ہیں۔

حلِ لغات: اَلْقِسْطِ۔ انصاف وعدل۔

الْحَكِيمُ ۝

نہیں۔ وہ غالب حکمت والا ہے ۝

۱۹۔ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

۱۹۔ دین خدا کے نزدیک حکم برداری ہے اور اہل کتاب نے جو اختلاف ڈالا' وہ بعد علم حاصل کرنے کے آپس میں ضد سے ڈالا ہے اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہوگا تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے[۲] ۝

۲۰۔ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ ع

۲۰۔ پھر اگر وہ تجھ سے حجت کریں تو کہہ کہ میں نے اور جو میرے ساتھ ہیں' سب نے اپنا منہ خدا کے تابع کیا ہے اور کتاب والوں اور اَن پڑھوں کو کہہ کیا تم بھی مانتے ہو؟ پھر اگر وہ مانیں تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر منہ موڑیں تو تیرا ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے ۝

...د کی گواہی

ف[۱] خدا کی توحید ایک اصلی اور حقیقی عقیدہ ہے۔ جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ لیکن مشرکین ...ہم اس محسوس صداقت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ اس آیت ... بتایا گیا ہے کہ خدا کی شہادت، فرشتوں کی شہادت اور علماء کی ...ت ہمیشہ توحید ہی کے حق میں رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ خدا پرست موحدوں کی اعانت کی ہے۔ ...بھی توحید ہی کا پیغام لے کر زمین پر آئے ہیں اور علماءِ حق ...ی بجز توحید کے کسی عقیدے پر قناعت نہیں کی۔ یہ تین شہادتیں ...کے اثبات کے لئے تین زبردست دلائل ہیں۔ کفر و ایمان ...ری تاریخ پڑھ جاؤ۔ تمہیں کبھی بھی حق دبتا ہوا نظر نہ آئے گا۔ ...تابیں اور صحیفے جو خدا کی طرف سے ہیں۔ توحید کے پیغام سے ...ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو صحیح معنوں میں عالم ہیں، ہمیشہ ...ہی کے قائل رہے ہیں۔ کیا توحید پر ان سے زیادہ صاف ...د اور کھلی شہادت پیش کی جاسکتی ہے؟

...اقت کی ایک ہی راہ

ف[۲] سچائی اور صداقت کی ایک ہی راہ ہے جس کا نام اسلام ... منزلِ مقصود تک اور شاہدِ عرفان تک بجز اسلام کے اور کوئی نہیں جاتا۔ اللہ کی محبت، اس کی توحید اور نسلِ انسانی کی ...و بہبود کا سامان جس قدر اسلام میں میسر ہے، دوسرا کوئی مذہب اس کا مدعی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اسلام کے سوا جس قدر راستے ہیں وہ مخدوش ہیں۔ منزلِ مقصود سے دُور لے جانے والے ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ نسلِ انسانی کا مشترکہ مذہب صرف اسلام ہے۔ ساری دُنیا کو یہی مذہب عنایت کیا گیا۔ سب کو یہی پیغامِ ہدایت سُنایا گیا۔ وہ پیغام جو آسمان سے زمین پر نازل ہوا' وہ ایک ہے۔ اُس میں کوئی اختلاف نہیں۔ تمام انبیاءؑ اور تمام مصلح ایک ہی پیغام لے کر آئے ہیں اور یہ جو اختلاف نظر آرہا ہے' خواہشات کا اختلاف ہے۔ نفسِ امارہ کی بوقلمونیاں ہیں اور اہلِ کتاب کی ہوا و ہوس کا نتیجہ ہے۔ ورنہ آدمؑ سے لے کر مسیح علیہ السلام تک سب اسی حقیقتِ ثابتہ کی منادی کرتے آئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج بھی مخالف حلقے اسلام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور نادانستہ اسلام کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ سب اس کی صداقتوں کو محسوس کرتے ہیں اور عملاً کوشاں ہیں کہ اسلام کی تمام مجوزہ اصلاحات کو قبول کرلیں۔ وہ وقت نہایت قریب ہے جب ساری دُنیا میں اسلام کو بطور ایک مشاہدہ اور نظریہ کے تسلیم کرلیا جائے گا اور شاید لفظی اختلاف باقی نہیں رہے گا۔

حلِ لغات

اَلْعَزِيزُ۔ غالب۔ زبردست۔

۲۱- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

۲۱- جو خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے اور لوگوں میں سے اُن کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کرنے کو کہتے ہیں۔ اُن کو دُکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سُنا دے ○

۲۲- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

۲۲- یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ضائع گئے اور کوئی اُن کا مددگار نہیں ○

۲۳- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

۲۳- کیا تُو نے اُن کی طرف نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے کچھ حصّہ ملا ہے۔ وہ خدا کی کتاب کی طرف بُلائے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ کتاب اُن میں حُکم کرے پھر ایک فرقہ اُن میں سے مُنہ پھیر کر پیچھے ہٹ جاتا ہے ○

شہیدِ انبیاءؑ قساوتِ قلبی اور شومئ قسمت کی بدترین صُورت ہے کہ کوئی شخص اپنے محسن سے دشمن کا سا سلوک کرے۔

انبیا علیہم السلام نسلِ انسانی کے سب سے بڑے محسن ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ روح و جسم کی تربیت و اصلاح کے لئے آتے ہیں اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ مگر حق و صداقت اور فلاح و بہبودِ انسانی سے دستبردار ہونے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتے۔

یہُودی ہمیشہ ضدی رہے ہیں۔ اُن کی طرف اللہ تعالیٰ نے پیہم اور مُسلسل نبی بھیجے۔ تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔ مگر وُہ وہیں رہے اور اُن کے جمُود و تساہل میں ذرہ برابر تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ تمرّد و سرکشی کی حد یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور بعض کو شہید ہی کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ایک زبردست عذاب کے لئے تیار رہیں۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ چنانچہ خدا کی غیرت حرکت میں آئی۔ اُس کا غضب و جلال بھڑکا اور طے ہو گیا کہ بنی اسرائیل کو اس قساوتِ قلبی کی بدترین سزا دی جائے۔ بخت نصر آیا اور کُشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ یہُودی بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ تورات کے اوراق الاؤ کا ایندھن بنے اور قتل و سفک کا وہ طوفان اُٹھا کہ دُنیا چلا اٹھی۔ اکثر یہُودی مارے گئے۔ جو بچ گئے انہیں بابل و نینوا کے جیل خانوں میں بند کر دیا گیا اور مدّت تک قید و بند کی سختیاں جھیلتے رہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ وہ خدا کی طاقت کے سامنے جُھکیں اور عبرت حاصل کریں۔

بعض لوگوں نے یہ حرمت نبوّت کے منافی خیال کیا ہے کہ نبی شہید ہو جائے۔ اس لئے اُن کے خیال میں يَقْتُلُوْنَ کے معنی باہمی آویزش و تصادم کے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ایک تو قرآن کے الفاظ صاف ہیں۔ دُوسرے تورات میں قتلِ انبیا کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ تیسرے یہ کوئی ضروری نہیں کہ انبیاءؑ طبعی موت سے ہی دو چار ہوں اور شہادت سے محروم رہیں۔

یہ درست ہے کہ حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ مگر حق کو سربلند رکھنے کے لئے کبھی کبھی جان تک کو پیش کرنا پڑتا ہے۔ شہید ہو جانا اُس وقت وظیفۂ نبوت کے منافی ہوتا ہے جب نبی اپنے مشن کو پیش کرنے سے قاصر رہے اور اس سے پیشتر کہ لوگوں تک اپنا پیغام پہنچائے، زندگی سے محرُوم کر دیا جائے اور اگر وہ سب کچھ پہنچا چکا ہو، ضرُورت صرف اس بات کی رہ جائے کہ وُہ اس باغ کی آبیاری اپنے خوُن سے کرے۔ جس کو اُس نے اپنے ہاتھوں بڑی محنت سے لگایا ہے تو اُس وقت اُس کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی جان پر کھیل جائے۔ جب بسترِ مرگ پر جان دینا منصب نبوت کے منافی نہیں تو میدانِ جنگ میں شہادت سے سرفراز ہونا کیوں منافی ہو؟ اصل شبہ عصمتِ انبیاء کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ "مجردِ نبوّت" اس کے لئے کافی نہیں۔ وہ انبیاء جنہیں اس وعدہ دیا گیا ہے، وہی دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتے اور دُوسرے کوئی ضروری نہیں کہ محفوظ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی ایک خصُوصیت بخشی۔ ورنہ کہہ دینا کافی تھا کہ آپ نبی ہیں اور انبیاء دشمنوں سے ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔

حلِّ لُغات: بَشِّرْهُمْ۔ خوشخبری سُنا۔ بطور طنز کے ہے۔
نَصِيْبٌ۔ ایک حصّہ۔

۲۴۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ○

۲۴۔ یہ اس لئے ہے[1] کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ نہ لگے گی مگر گنتی کے چند روز۔ اور اُن کی افتراپردازی نے اُن کو اُن کے دین میں فریب دیا ہے ○

۲۵۔ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۟ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○

۲۵۔ بھلا اُس وقت کیا ہوگا جب ہم اُن کو اُس دن جمع کریں گے جس میں کچھ بھی شبہ نہیں اور ہر شخص اپنے اعمال کا پُورا بدلہ پائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ○

۲۶۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

۲۶۔ تُو کہہ اے اللہ! اے مُلک کے مالک! تُو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور تُو ہر شے پر قادر ہے[2] ○

یہُودیوں کا غرُورِ مذہبی

[1] یہُودیوں کو قرآن مجید کی طرف دعوت دی جاتی اور کہا کہ اس چشمۂ فیض سے استفادہ کرو تو وہ اعتراض کرتے کہتے کہ جہنم میں اگر جائیں گے بھی تو چند روز کے لئے! اس لئے ہمیں کسی دُوسرے مذہب کو قبول کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ فریبِ نفس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش و مغفرت ان کے لئے ہے جو حق کو قبول کرتا ہے اور نیک رہتا ہے۔ صرف یہُودی یا عیسائی کہلانا کافی نہیں۔

مَالِكَ الْمُلْكِ

[2] یہودیوں کو اپنے مال و دولت پر فخر تھا۔ مدینہ اور آس پاس بستیاں ان کے اقتدار میں تھیں! اس لئے وہ فاقہ مست مسلمانوں کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے۔ قاعدہ ہے ایک باعروج قوم اپنے تمدن و تہذیب پر قانع ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں بطور دُعا کے اس حقیقت کو واضح کیا کہ مالک الملک صرف خدا ہے جس کی بادشاہتیں ہمیشہ رہینگی جس کے خزانے کبھی ختم نہ ہوں گے۔ وہ جسے چاہے اورنگ دیہیم کا مالک بنادے اور جس سے چاہے تاج و نگین چھین لے۔ عزت و ذلت صرف اُس کے قبضے میں ہے! اس لئے کوئی تاجور اُس کا انکار نہ کرے اور حکومت کے نشے میں احکم الحاکمین کی بادشاہت کو تحقیر کی نظروں سے نہ دیکھے کہ وہ پل بھر میں حکومت کے تختے کو اُلٹ سکتا ہے۔ اس کی قدرت کے یہ ادنیٰ کرشمے ہیں کہ وہ چشم زدن میں بڑے بڑے فرعونوں اور نمرودوں کو غرق و ہلاک کر دے! اسی طرح غلام و مفلس اپنے مقدر سے مایُوس نہ ہوں کہ وہ پستیوں کو بلندیوں میں تبدیل کرسکتا ہے۔ وہ خارستان کو ابرِ رحمت کے چند قطروں سے باغِ ارم بنا سکتا ہے اور اس کی دلیل لیل و نہار کے اختلاف میں ظاہر ہے۔ دیکھو کس طرح دن کی روشنی رات کی تاریکی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور کس طرح شبِ دیجور کی گود میں خورشید تاباں کھیلنے لگتا ہے اور پھر کس طرح ایک قطرۂ آب حیوانِ ناطق بن جاتا ہے۔ غرضیکہ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور مالکوں کا مالک ہے۔ سب اُس کی چاکری کا اعتراف کرتے ہیں۔ پس یہُودی اپنے مال و دولت پر نہ اِترائیں کہ خدا انہیں فقر و ذِلت کے مصائب میں مبتلا کر سکتا ہے اور مُسلمان نہ گھبرائیں کہ خدا اُن کی مایُوسیوں کو اُمیدوں اور کامرانیوں میں بدل سکتا ہے۔ یہ اندازِ بیان کتنا خدا پرستانہ اور موحّدانہ ہے۔ کس قدر مؤثر اور دلپذیر ہے؟ مقصد یہ ہے کہ لوگ غلط فہمی میں نہ رہیں اور اللہ تعالیٰ کی بے انداز قدرتوں کا اعتراف کریں۔ یہ کہ حکومت و عزت صرف خدا کی دین ہے اور اس میں ہمارے کسب و اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حصُول کے لئے قواعد بنا رکھے ہیں۔ اُن کی رعایت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ عزت و غلبہ اور حکومت و اختیار یونہی بلا محنت حاصل ہونے والی چیزیں نہیں، بلکہ یہ موقوف ہیں حاکمانہ اخلاق کے حصُول پر۔ اسی طرح غلامی و نکبت کے لئے بھی اسباب ہیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو پستی سے اُٹھانا چاہتے ہیں تو ایسے اسباب کے حصُول کی جو ضروری ہیں، انہیں توفیق دے دیتے ہیں۔

۲۷۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

۲۷۔ تُوہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تُوہی مُردہ میں سے زندہ اور زندہ میں سے مُردہ نکالتا ہے۔ اور جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے ○

۲۸۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ○

۲۸۔ چاہئے کہ مُسلمان مُسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست [۱] نہ بنائیں اور جو (مُسلمان) ایسا کرے گا تو اُسے خُدا سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اگر تم اُن سے بچاؤ کرکے بچنا چاہو (تو مضائقہ نہیں) اور اللّٰہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللّٰہ ہی طرف لوٹنا ہے ○

۲۹۔ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ

۲۹۔ تو کہہ کہ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ اُسے چُھپاؤ یا ظاہر کرو' اللّٰہ اُسے خُوب جانتا ہے۔ اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے' وُہ اُسے بھی جانتا ہے۔ اور اللّٰہ

کفّار سے موالات

[۱] اس آیت میں بتایا ہے کہ مُسلمان کافروں سے موالات نہ کریں اور ہرگز کسی غیر مُسلم کو لائقِ محبّت نہ سمجھیں۔ اس مضمون کو متعدد آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ لَا يَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ یعنی کُفر سے دوستی ایمان سے دُشمنی کے مترادف ہے۔ وہ جو اسلامی مفاد کو چھوڑ کر اور مُسلمانوں سے رشتہ اُخوت توڑ کر کفار سے تعلقاتِ محبّت اُستوار کرتا ہے' وُہ اسلام اور مُسلمانوں کا غدار ہے اور ہرگز قابلِ اعتماد نہیں۔ اور اس موالات میں کسی قوم و فرقہ کی تخصیص نہیں۔ سارے کافر اسلام سے دُشمنی رکھتے ہیں۔ اور سچ اور جھوٹ میں کبھی اتحاد ممکن نہیں۔ اگر رات اور دن ایک نہیں ہوسکتے تو ضرورت ہے کہ کفر اور اسلام میں بھی کوئی تعلق نہ ہو۔

مقصد یہ ہے کہ مُسلمان نہایت محتاط بن کر رہیں اور کسی طرح کسی کے فریب کا شکار نہ ہوں یہی مطلب ہے ان الفاظ کا کہ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰةً ۗ البتہ ناگزیر معاشی وسیاسی تعلقات میں مضائقہ نہیں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان ساری دُنیا سے دست و گریبان ہو۔ بلکہ وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ مُسلمان کا کوئی حقیقی دوست نہیں۔ اپنے مصالح کے لئے وہ مسلمانوں سے محبّت کا اظہار کرتے ہیں ورنہ اُن کے دل بُغض و حسد سے معمور ہیں۔ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ مُسلمان نے اس سے تغافل برت کر سخت نقصان اُٹھایا ہے۔ ہمیشہ اغیار نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس حقیقت کا اظہار کر دیا جائے۔

وہ لوگ جو مُخلصانہ مُسلمانوں سے تعلقات رکھتے ہیں' قرآنِ حکیم نے کُھلے الفاظ میں اُن کی تعریف کی ہے اور اپنے متعلقین کو تلقین کی ہے کہ اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک روا رکھا جائے۔

حَلِّ لُغات

أَوْلِيَاءَ۔ حقیقی دوست۔

نَفْسَهُ۔ یہاں اس کے معنی بذاتِ خُود کے ہیں۔

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○

۳۰- يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○

۳۱- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

۳۲- قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○

۳۳- اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ

ہر شے پر قادر ہے ○

۳۰- جس دن ہر کوئی اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی کو اپنے سامنے پائے گا۔ آرزو کرے گا کہ کاش! مجھ میں اور بدی میں فرق پڑ جائے دُور کا۔ اور تم کو اللہ اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت رکھتا ہے ○

۳۱- تُو کہہ کہ اگر تم خُدا سے محبّت رکھتے ہو تو میرے تابع ہو جاؤ۔ اللہ تم سے محبّت رکھّے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

۳۲- تُو کہہ اللہ اور رسُولؐ کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ ہٹ جائیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○

۳۳- بے شک اللہ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو

تقربِ الٰہی کا واحد ذریعہ

ف انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ قول و فعل سے اللہ کے بندوں میں اللہ کی محبّت پیدا کر دیں اور گم کردہ راہ لوگوں کو جادۂ مستقیم پر ڈال دیں۔ وہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا پہلا اور آخری وسیلہ ہیں۔ اس لئے اُن سے قطع نظر کسی طرح جائز و درست نہیں۔

اس آیت میں محبّتِ الٰہی کے دعوے داروں کو اطاعتِ رسُولؐ اور اتباعِ سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے بجز اطاعتِ رسولؐ کے اور کوئی طریق نہیں۔ قیامت تک کے لئے "محبُوبیّت و مقبولیّت" کا تاج فرقِ اقدس کے سوا اور کسی کے سر پر زیب نہیں دیتا۔ وہ جو تقرّب و تآلف کے مدارج طے کرنا چاہتے ہیں، وہ آئیں اور اطاعتِ رسُولؐ کی راہوں کو گامزن ہوں کہ اس کے سوا منزل تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ نہیں۔ اسلام کی شاہراہ کے عام کے لئے وا ہو جانے کے بعد رُشد و ہدایت کے تمام راستے مسدُود ہیں۔ سلوک و معرفت کے تمام مروجہ طریقے غلط ہیں اور گمراہ کن ہیں، اگر ان میں اطاعت و اتباع کا خیال نہیں رکھا گیا اور خُدا رسی کے تمام ذرائع باطل ہیں، اگر ان میں مشکوٰۃِ نبوّت کی روشنی نظر نہیں آتی۔ اگر اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ دلوں میں موجزن ہے تو پھر اللہ کی محبّت و مغفرت بہرحال شاملِ حال ہے اور اگر اس سے محرُومی ہے تو یہ جان لو کہ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔

حلِّ لُغات

اَمَدٌ۔ فاصلہ

عِبَادٌ۔ جمع عَبْدٌ۔ بندے۔

اِصْطَفٰى۔ مصدر اِصْطِفَا۔ انتخاب۔ چُننا۔

اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ۙ

اور ابراہیمؑ کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان کے اُوپر برگزیدہ کیا ہے ۝

۳۴- ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۚ۝

۳۴- یہ (اولاد) ہیں ایک دُوسرے کی- اور اللہ سنتا جانتا ہے ۝

۳۵- اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

۳۵- جب عمران کی عورت نے کہا کہ اے میرے ربّ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد- مَیں نے تیری نذر کیا- تُو اسے میری طرف سے قبول کر- تُو سُنتا جانتا ہے ۝ ؎۱

۳۶- فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰىؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْؕ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰىۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ

۳۶- پھر جب اُس کو جنا تو بولی کہ اے میرے ربّ مَیں نے تو لڑکی جنی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ جنی- اور نہیں ہو سکتا بیٹا مانند بیٹی کے اور مَیں نے اُس کا نام مریمؑ رکھا اور مَیں اُس کو اور اُس

تین قصّے

؎۱ رسالت مآب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نبوّت پر یہودیوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ اسرائیلی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے کیوں بنی اسمٰعیل سے حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو نبوّت کے عُہدۂ جلیلہ کے لئے منتخب کیا- یہُودی چونکہ حد درجہ ظاہر پرست تھے، اس لئے وہ اس خرقِ عادت کو یا ورنہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذیل میں تین قصّے بیان کئے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مصالح کو کوئی نہیں جانتا اور اس قسم و نوع کے خوارق اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور یہ کہ خود یہُودی اِن واقعات کو تسلیم کرتے ہیں- اس لئے چاہیئے کہ وہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا سلسلۂ اسماعیلیہ میں ہونا بھی قابلِ اعتراض نہ سمجھیں- نبوّت اللہ کی دین ہے- جب تک اسرائیل اس بارِ امانت کو اُٹھانے کے اہل رہے، اللہ نے انہیں میں سے انبیاء بھیجے- جب اِن میں یہ اہلیت نہ رہی تو بنی اسمٰعیل کو اس شرف سے نوازا گیا

پہلا قصّہ حضرت مریمؑ کی نذر کا ہے- اُن کی والدہ چاہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرزندِ نرینہ بخشیں تو وہ یروشلم کی خدمت کے لئے اُسے وقف کر دیں- مگر اللہ تعالیٰ کو یہ رسم توڑنا مقصود تھا- اس لئے بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی اور اُسے خلافِ روایاتِ یہُود بیت المقدس کی خدمت کے لئے حضرت زکریاؑ کے سپرد کر دیا گیا- یہ قدیم روایات کے خلاف ایک خرق ہے۔

دُوسرا قصّہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا ہے- یعنی حضرت یحییٰ بھی اُس وقت پیدا ہوئے جبکہ بظاہر کوئی توقّع نہیں کی جا سکتی تھی- یہ دُوسرا خرق ہے۔

تیسرا قصّہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی ولادت باسعادت کا ہے کہ بلا باپ پیدا ہوئے- یہ تیسرا خرق ہے۔

جب اتنے خوارق کو مان لینے میں یہُودیوں کو کوئی تامّل نہیں تو پھر وہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا صرف اس لئے کیوں انکار کرتے ہیں کہ وہ مقرّرہ عادت کے خلاف تشریف لائے ہیں- کیا رسم عادت مصالح کے تابع نہیں اور کیا اللہ ہی مصالح کو بہتر طریق پر نہیں جانتا پھر کیا وجہ ہے کہ حضورؐ کا انکار کر دیا جائے۔

ان آیات میں پہلے قصّے کی توضیح کی ہے کہ کس طرح حضرت مریمؑ کی والدہ نے منّت مانی اور کس طرح حضرت مریمؑ زکریّا علیہ السّلام کی کفالت میں آئیں۔

حلِّ لُغات

مُحَرَّرًا- آزاد۔

وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

٣٧- فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

٣٨- هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○

٣٩- فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ○

٣٧- پھر اُس کے ربّ نے اُسے اچھی طرح کا قبول (کرنا) قبول کیا اور اُسے اچھی طرح کا بڑھنا بڑھایا اور زکریا کو اُس کا کفیل بنایا۔ جب کبھی اُس کے پاس زکریا حجرے میں آتا تو اُس کے پاس کچھ کھانا پاتا۔ زکریا نے کہا اے مریم! یہ کھانا کہاں سے تیرے پاس آیا؟ وہ بولی یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ○

٣٨- تو اُسی جگہ زکریا نے اپنے ربّ سے دُعا کی۔ کہا۔ اے میرے ربّ! اپنے پاس سے مجھے پاکیزہ اولاد بخش۔ بے شک تُو سُننے والا ہے ○

٣٩- پھر جب زکریا محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ فرشتوں نے اُسے آواز دے کر کہا کہ اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو خدا کے ایک حکم (یعنی عیسیٰ) کا ماننے والا اور سردار

حضرت زکریاؑ کی دُعا

ولہ حضرت مریمؑ کو حضرت زکریاؑ کی کفالت میں اس لئے دیا گیا۔ تاکہ وہ بہترین تربیت حاصل کریں اور آیندہ چل کر اخلاق کے متعلق انہیں متہم نہ کیا جائے۔

مریم علیہا السلام ابھی بچّی ہی تھیں کہ اُن کا دل معرفت وسلوک کی تمام منزلیں طے کر چکا تھا۔ زکریا علیہ السلام نے جب اُن سے پُوچھا کہ بچّی! یہ رزق سے آیا ہے تو آپؑ نے جواب دیا۔ اللہ کی جانب سے۔

یہ جواب سُن کر حضرت زکریا علیہ السلام نہایت محظوظ ہوئے اور دل میں اس خواہش نے چٹکی لی کہ میرے گھر میں بھی ایسی ہی رُوح آئے۔

چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے مولا! تو دُعاؤں کا سُننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ مجھے بھی نیک اولاد عنایت کر۔

اِس دُعا میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انبیا علیہم السلام اولاد چاہتے بھی ہیں تو ایسی جس سے نسلِ انسانی کا فائدہ ہو۔ اور اولاد کے لئے صرف باری تعالیٰ کا بابِ اجابت کھٹکھٹاتے ہیں۔ دُوسروں کے دروازوں پر جبہ سائی نہیں کرتے۔

حلِ لُغت

اَلْمِحْرَاب۔ حجرہ۔ عبادت گاہ۔ بالاخانہ۔

وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

۴۰۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○

۴۱۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ○

۴۲۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ

ہوگا اور عورت پاس نہ جائے گا اور نبی ہوگا نیکوں میں سے [1]

۴۰۔ زکریّا نے کہا کہ اے میرے ربّ! میرے لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا۔ اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے [2] ○

۴۱۔ کہا اے میرے ربّ! مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی۔ فرمایا۔ تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بول نہ سکے گا۔ مگر اشارہ سے۔ اپنے ربّ کو بہت یاد کر اور صبح و شام تسبیح کر [3] ○

۴۲۔ اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ نے تجھے پسند کیا اور تجھے پاک کیا اور جہان کی عورتوں پر

ف۱ دُعا چونکہ دل سے نکلی تھی اور بلند خواہشات کے ماتحت کی گئی تھی۔ اس لئے فوراً شرفِ قبولیت سے نوازی گئی۔ فرشتے حضرت زکریّاؑ کے پاس آئے اور کہا کہ خدا تمہیں حضرت یحییٰؑ کے تولّد کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے کلام کی تصدیق کرے گا۔ قوم میں اس کی سیادت و قیادت مسلّم ہوگی۔ پاکباز اور نبی ہوگا۔

ف۲ حضرت زکریّاؑ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ انسان بھی تھے اس لئے بشری نفسیّت برابر کام کرتی رہی۔ آپ نے ازراہِ استبعاد اور تعجب پوچھا۔ اللہ! یہ کیسے ممکن ہے جب کہ میں حد سے زیادہ بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بھی جوان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ یعنی یہ معتاد قوانین تمہارے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی قانون کا پابند اور محتاج نہیں۔ وہ کبھی کبھی اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایسے خوارق ضرور پیدا کرتا ہے۔ تاکہ بے دین اور ملحد لوگ اس کی جلالتِ قدر کا صحیح اندازہ کریں۔

جب لوگ اسباب و وسائل کو غیر معمولی اہمیّت دے دیتے ہیں اور ہر بات کو مادی ذرائع کے ماتحت سمجھتے ہیں اُس وقت اللہ تعالیٰ ایسی محیّر العقول باتیں ظاہر فرماتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ ایک عزیز و قاہر ہستی ایسی بھی ہے جو ہر قانون سے بالا اور بلند ہے اور تمام باتیں جس کے اشارے سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

رُوحانی وسائل

ف۳ حضرت زکریّاؑ نے بشارت کی تحقیق کے لئے پوچھا کہ اس کے وقوع کی علامات کیا ہوں گی؟ خدا نے فرمایا۔ تیری زبان گُنگ ہو جائے گی اور تو تین دن تک بجز اشارات کے اظہارِ مطلب نہ کر سکے گا اور اس اثنا میں تو ربّ العزّت کی صبح و شام تسبیح و تقدیس کر۔

ان آیات میں یہ بتایا کہ مردِ مومن محض مادی اسباب و وسائل پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے رُوحانی وسائل کا طالب رہتا ہے۔ ایک مادہ پرست انسان تلقین سُن کر ہنس دے گا کہ وظیفۂ تولید کو عبادت سے کیا تعلق؟ لیکن جن کے دماغ فلسفہ سے یابس اور خشک نہیں ہو گئے، اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہر ذی نتیجہ معلول ہوتا ہے رُوحانی اسباب و وسائل کا۔ یہ دُرست ہے کہ ہماری نظریں صرف مادیّت تک محدود رہتی ہیں، مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ کائنات میں صرف مادیّت ہی مادیّت ہے۔ اللہ والے اور نیک لوگ ظاہری اسباب و وسائل سے کام تو لیتے ہیں مگر ان کے تابع نہیں رہتے۔

حلِّ لغات

مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ۔ یعنی پیغامِ الٰہی کے مُصدّق۔

حَصُوْرٌ۔ پاکباز۔ مناہی سے پرہیز کرنے والا۔ اپنے آپ کو خواہشاتِ نفس سے محفوظ رکھنے والا۔ محتاط۔ ضابطہ۔

عَاقِرٌ۔ وہ عورت جس کے اولاد نہ ہو۔ جو عمر کے ایسے حصّے میں ہو جہاں اولاد نہیں ہوتی۔

رَمْزٌ۔ اشارہ کنایہ۔ اِبْکَارٌ۔ صبح۔

عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ○

۴۳- یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ○

۴۴- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ○

۴۵- اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ○

تجھے برگزیدہ کیا ○

۴۳- اے مریمؑ! اپنے ربّ کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کیا کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کر ○

۴۴- یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم بذریعہ وحی تجھے بتلاتے ہیں۔ حالانکہ تُو اُن کے پاس حاضر نہ تھا۔ جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریمؑ کو کون پالے اور تُو اُن کے پاس نہ تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے ف۲ ○

۴۵- اور جب فرشتوں نے کہا۔ اے مریمؑ! اللہ تجھے خوشخبری سُناتا ہے اپنے ایک حکم کی ف۳ جس کا نام مسیح ہے۔ عیسیٰ بیٹا مریمؑ کا۔ دُنیا اور آخرت میں مرتبہ والا اور آخرت کے مقربوں میں ف۴ سے ○

مریم کاملہؑ

ف۱ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کمل من الرجال کثیر ولم کمل من النساء الا مریم بنت عمران و اٰسیة امرأة فرعون و فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی الطعام (مجتبائی ملا ۲) عنی مردوں میں سے تو بہتیرے درجۂ بنوع و کمال تک فائز ہوئے ہیں۔ ر عورتوں میں مریمؑ، آسیہؓ اور عائشہؓ کے سوا اور کوئی اس فضیلت کو صل نہیں کرسکی۔ دُوسری حدیث میں حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمة زہرا رضی اللہ عنہما کا نام بھی آیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر زمانے میں لات و استعداد کے مطابق عورتیں بھی کمال و فضل سے بہرہ وافر حاصل سکتی ہیں۔ اس آیت میں حضرت مریمؑ کا ذکر ہے۔

بالخصوص حضرت مریمؑ کی تقدیس و تطہیر اس لئے فرمائی کہ یہو ن کی نسبت نہایت ہی ناپاک خیالات رکھتے تھے۔ یہ قرآن حکیم کا ت بڑا احسان ہے کہ اس نے حضرت مریمؑ کے دامنِ عفّت کو ر آلودگی سے پاک رکھا۔

اصطفاء کا لفظ قرآن حکیم میں خاص انتخاب یا اہم خدمات لئے چُن لینے کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔

حضرت مریم علیہا السّلام کے متعلق اس آیت میں دو دفعہ طفاء کا لفظ آیا ہے۔ پہلے اصطفاء سے مُراد ذاتی فضائل کا اظہار ہے دُوسرے سے۔ مقصُود یہ ہے کہ مسیح علیہ السّلام کی والدہ ہونے کا شرف حاصل کرنا بجز مریم کاملہؑ کے اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ آپ نے محض اللہ کے لئے ہر نوع کی گستاخیوں اور ملامتوں کو برداشت کیا۔ صرف اللہ کے دین کی خدمت کے لئے دلخراش طعنوں کو سُنا۔

قِصّوں کا مقصد

ف۲ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ کہہ کر قرآنِ حکیم نے بتایا ہے کہ یہ قصّے بطور دلیل و بُرہان کے بیان کئے گئے ہیں۔ غور کرو سینکڑوں برس پہلے کے واقعات جن پر تصحیف و تحریف کے کئی پردے پڑ چکے ہیں، کس طریق پر ایک اُمّیؐ کے مُنہ سے واشگاف طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت پر زبردست دلیل نہیں؟

کلمةُ اللہ ف۳ ابن مریمؑ کو کلمة اللہ اس لئے فرمایا کہ اُن کی پیدائش غیر مادی اسباب کی بنا پر ہوئی۔

(باقی صفحہ ۱۳۰ پر)

حلِّ لُغات

اَنْۢبَآءِ - واحد نَبَأٌ - خبر - واقعہ -

یَكْفُلُ - ضمانت میں لے -

۴۶۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

۴۶۔ وہ لوگوں سے ماں کی گود میں اور پُوری عمر کا ہو کے (بھی) کلام کرے گا اور وہ نیک بختوں میں ف سے ہے ○

۴۷۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

۴۷۔ (مریم) بولی اے میرے رب! میرے لڑکا کیونکر ہو گا؟ حالانکہ مجھے کسی آدمی نے نہیں چھُوا۔ فرمایا۔ اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ وُہ جب کوئی کام مقرر کرتا ہے تو صرف کہتا ہے اُس کو کہ ہو جا۔ سو وُہ ہو جاتا ہے ○

۴۸۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ○

۴۸۔ اور خُدا عیسیٰؑ کو لکھنا اور عقل مندی اور توریت و انجیل سکھائے گا ○

۴۹۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا

۴۹۔ اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنائے گا (وہ کہے گا) کہ مَیں تمہارے پاس تمہارے رب سے ایک نشان لے کے آیا ہُوں مَیں مٹی سے تمہارے لئے پرند کی صورت پیدا کر کے اُس میں پھونکتا ہُوں تو وہ بحکمِ خدا ایک پرندہ

(بقیہ صفحہ ۱۲۹)

اور اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت کے طور پر محض اختیارِ کن فیکون سے کام لیتے ہوئے آپ کو مادہ پرست لوگوں کے لئے ایک زبردست نشان بنایا۔

بارُعب اور وجیہ مسیحؑ

ف اُن کو جلال و رُعب عنایت کیا۔ یہودی باوجود وسیع مادی قوت کے مسیحؑ کو گرفتار نہ کر سکے۔

انجیل میں جو یہ لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ یہ سراسر غلط اور وجاہت و وقار کے خلاف ہے۔ کوئی نبی اپنے آپ کو اس بے چارگی کے ساتھ کفر کے سپرد نہیں کر دیتا۔ نبی آخری وقت تک باطل سے لڑتا اور جہاد کرتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف اس آیت میں حضرت مریمؑ کو خوشخبری سُنائی ہے کہ تیرا بیٹا اللہ کا نبی ہو گا اور اس کا کام لوگوں کی اصلاح و تربیت ہو گا۔

جھُولے میں گفتگو کرنے کا مطلب وہ نہیں جو بعض قرآن ناآشنا لوگوں نے سمجھا ہے کہ وہ معمولی اور عادی گفتگو ہے۔ اس لئے کہ مقامِ بشارت میں اس کا ذکر خصوصیتِ فاضلہ چاہتا ہے اور پھر "النّاس" کی طرف تکلم کا انتساب متقاضی ہے کہ اس سے مُراد وہ گفتگو ہو جس کا تعلق منصبِ اصلاح و رُشد سے ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ مسیحؑ کے علاوہ تین اور بچوں نے بھی بچپن میں باقاعدہ گفتگو کی ہے۔ شاہد یوسف، صاحب جریج اور ماشطہ صاحب فرعون نے۔

بات یہ ہے کہ انبیاء فطرۃً ملکۂ نبوت لے کر پیدا ہوتے ہیں ابتدا ہی سے اُن کے دلوں میں نبوت کے انوار روشن رہتے ہیں اور حسبِ موقع ان کا اظہار ہوتا ہے۔

کَہْلًا سے مراد یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی عمر تا بکہولت پہنچے گی اور وہ عمر کے آخری لمحوں میں بھی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہیں گے۔

حلِ لُغات

اَلْمَهْدُ۔ گہوارہ۔

اَخْلُقُ۔ مادہ و مصدر خَلْقٌ۔ بنانا۔

هَيْئَةٌ۔ صورت۔

+ + +

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ہو جاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو چنگا کرتا ہُوں اور باذنِ خُدا مردوں کو جِلاتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کے آؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں رکھ کے آؤ، تمہیں بتا دیتا ہُوں۔ اس میں تمہارے لئے پُورا نشان ہے اگر تم مومن ہو ۝

۵۰۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

۵۰۔ اور سچا بتاتا ہُوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس لئے آیا ہُوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام ہوئی تھیں، مَیں اُن کو تمہارے لئے حلال کر دُوں اور تمہارے پاس تمہارے رب سے نشان لے کے آیا ہُوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ۝

۵۱۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

۵۱۔ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، سو اُسی کی بندگی کرو

حضرت مسیحؑ کا عہدِ رسالت

ف یہودیوں میں جب حضرت مسیح علیہ السلام کو رسُول بنا کر بھیجا گیا ہے، اُس وقت اُن کی حالت نہایت بگڑ چکی تھی۔ اُن میں مادیت کے جراثیم بُری طرح سرایت کر چکے تھے اور سرمایہ کا حصُول اُن کی زندگی کا سب سے بڑا نصبُ العین تھا۔ وہ دُنیا میں سب سے زیادہ مال دار تھے اور چاہتے تھے کہ دُنیا بھر کے ذخائر و خزائن اُن کے پاس جمع رہیں اور ساری دُنیا اُن کی محتاج ہو۔ اس مادیت کے ساتھ ساتھ وہ مذہبیت کے دعوے دار بھی تھے۔ چند رسوم و ظواہر کے سوا اُن کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ رُوحانیت اور اخلاقِ حمیدہ سے وُہ کوسوں دُور تھے۔

اس لئے اُن کے ہاں مسیحؑ ایسے رُوحانی شخص کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وُہ اُن کی مادیت کے طلسم کو توڑ دے اور انہیں یقین دلا دے کہ ایک قُوّت مادہ سے وراء اور بلند بھی ہے۔ جس کے اختیارات زیادہ وسیع ہیں۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام نے انہیں چند معجزاتؑ خوارق دکھلائے جو مادیت کے قلعۂ عقل و فلسفہ پر کاری ضرب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پرندے بنائے۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھیوں کو شفا بخشی اور ان کو بتایا کہ تمہاری ضرُوریاتِ اکل و شرب کے لئے کتنا کافی ہے اور کس قدر تم جمع کرتے ہو۔ گویا حضرت مسیحؑ کے یہ رُوحانی کرشمے ان کی مادیت کا صحیح جواب تھے۔

نُقطۂ نگاہ کی غلطی وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اُن کی عقل و حکمت کے خلاف ہیں یا اس سے اُن کے خیال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاذ اللہ توہین ہوتی ہے۔ انہیں ان آیات پر دیانتداری سے غور کرنا چاہئے اور صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن حکیم کے الفاظ کیا پیش کرتے ہیں۔ اگر ان آیات کے الفاظ میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو تو پھر محض تمہاری محدُود عقل جو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، ہرگز قابلِ اعتنا نہیں۔ ایک مسلمان کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآنِ حکیم کے الفاظ کیا چاہتے ہیں اور اُن کا سادے سے سادہ مطلب کیا ہے؟ اس کے بعد وُہ اپنے ذخیرۂ علم کا جائزہ لے اور اس کی عقلی تحلیل کرے۔

(باقی صفحہ ۱۳۲ پر)

حلِّ لُغات

اَلْاَكْمَهَ ۔ مادر زاد اندھا۔

اَلْاَبْرَصَ ۔ کوڑھی۔

تَدَّخِرُوْنَ ۔ اصل ادخار۔ ذخیرہ جمع کرنا۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○

یہی سیدھی راہ ہے ○

۵۲۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

۵۲۔ پھر جب عیسیٰؑ نے اُن کا کُفر معلوم کیا تو کہا کہ خدا کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم ماننے والے ہیں ○

۵۳۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

۵۳۔ اے ہمارے رب! جو کچھ تُونے نازل کیا ہے ہم نے اُس کو مانا اور ہم (عیسیٰ) رسُول کے تابع ہوئے سو تُو ہمیں گواہوں میں لکھ لے ○

۵۴۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ ع

۵۴۔ اور اُنہوں نے (یعنی کافروں نے) فریب کیا اور اللہ نے بھی داؤ کیا۔ اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ○

۵۵۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ

۵۵۔ جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے کھینچ لینے والا اور اپنی طرف اُٹھانے والا اور کافروں سے پاک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱) اور یہ کہنا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے، غلط ذہنیت پر مبنی ہے۔ یہ درست ہے کہ حضورؐ تمام فضائل و کمالات کے جامع ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلقاً منصب نبوّت کے آئینہ ہیں جس میں نبوت کے تمام کمالات کو بیک نظر دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضورؐ معجزات و خوارق دکھانے میں بھی سابق ماحول کے پابند ہیں۔ حضرت مسیحؑ کا ان معجزات کی نسبت "باذن اللہ" کہنا تمام شبہات کو دُور کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ خدا کی اجازت سے سب کچھ ہو سکتا ہے اور اس کے بعد اعتراض و تاویل کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف۱ **حضرت مسیحؑ کی تعلیم** آپ نے فرمایا۔ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اُن پابندیوں کو اُٹھاتا ہوں جن کو خواہ مخواہ تم نے اپنے اُوپر عاید کر لیا ہے۔ اور فرمایا کہ میرا رب اور تمہارا رب صرف ایک ہے۔ اسی کی پُوجا اور پرستش صراطِ مستقیم ہے۔

ف۲ حضرت مسیح علیہ السلام **آپ کے اصحابِ ارادت** کی یہ تعلیم توحید و رُوحانیت یہودیوں کو ناگوار محسوس ہوئی۔ اس لئے انہوں نے پُوری طرح مخالفت کی ٹھان لی حکومتِ وقت کو آپ کے خلاف آمادۂ تعزیر کیا۔ اس پر آپ نے مخلصین کی ایک جماعت کو دعوتِ ارادت دی اور مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ کا نعرہ لگایا۔ جس کو سُن کر حواریین نے لبیک کہا اور نصرت و اعانت کا مضبوط عہد کیا۔

قرآنِ حکیم نے حضرت مسیحؑ کی تقدس کے ساتھ ساتھ حواریوں کو بھی شرفِ خلعت سے نوازا۔ مگر انجیل میں لکھا ہے کہ مسیحؑ کے حواریوں نے حضرت مسیحؑ کو دھوکا دیا اور گرفتار کرا دیا اور انکار کیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ تحریف ہے۔

حلِ لُغات

حَوَارِيُّوْنَ۔ جمع حَوَارِیْ۔ مخلص دوست۔ ارادت مند۔
مَكَرُوْا۔ مصدر مکر۔ معنی تدبیر محکم و خفیہ۔
تَوَفِّیْ۔ پُورا پُورا دے گا۔ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ کے معنی پُورا پُورا لے لینا بھی ہے۔ یعنی میں تمہیں بحفاظت تمام لے لُوں گا۔
وَرَافِعُكَ کے معنی ہوں گے تعیین نوع کے۔ یعنی توفّی بصورت رفع واقع ہوگی۔

كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

کرنے والا ہُوں اور تیرے تابعداروں کو قیامت کے دِن تک کافروں کے اُوپر رکھوں گا (یعنی وُہ غالب رہیں گے) پھر میری طرف تمہیں لوٹنا ہوگا۔ پھر جس میں تم اختلاف رکھتے ہو، اُس میں تمہارے درمیان فیصلہ کرُوں گا ○

۵۶۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

۵۶۔ سو وُہ جو کافر ہوئے، اُن کو دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب دُوں گا اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا ○

۵۷۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○

۵۷۔ اور وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ اُن کو اُن کا پُورا حق دے گا اور بے انصاف لوگ خدا کو خوش نہیں آتے ○

۵۸۔ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ

۵۸۔ یہ ہم تجھے حکمت بھرا بیان اور آیات پڑھ کے

حیاتِ مسیحؑ

ف ایک طرف یہُودیوں نے مسیح علیہ السّلام کے خلاف وسیع پیمانے پر سازش کی اور حکومتِ وقت کو مجبُور کر دیا کہ وہ انہیں باغی سمجھے اور سزا دے۔ اِسی کا نام قرآنِ حکیم کی زبان میں "مکر" ہے۔ یعنی تدبیر محکم اور خفیہ ارادہ۔ دُوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ارادے کام کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو دشمنوں کی زد سے صاف بچا لینا چاہتے تھے اور یہُودیوں کو دکھانا چاہتے تھے کہ آسمانوں پر ایک زبردست اور علیم و حکیم خدا بھی موجُود ہے جو تمہاری سازش کو جانتا ہے اور اس کی قدرت و اختیار میں ہے کہ تمہیں تمہارے ارادوں میں ناکام رکھے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔

جب مقابلہ ہو انسانی تدابیر و حیل کا اور ملاوی ہو ارضی منصُوبہ کا احکم الحاکمین ربِّ عرشِ عظیم کی قدرت و منشاء سے تو ظاہر ہے اِلٰہی ارادے کامیاب رہیں گے اور شیطان خائب و خاسر۔ اگر مان لیا جائے کہ مسیح علیہ السّلام یہُود کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور صلیب پر لٹک گئے تو بتاؤ فتح کس کی ہے۔ خدا کی یا شیطان کی؟ خدا نے واشگاف طور پر فرما دیا ہے کہ ہم نے یہُودیوں کو ناکام رکھنے کے لئے مضبُوط و مستحکم ارادہ کر لیا اور یہ بھی فرما دیا کہ ہمارے ارادے زیادہ بہتر اور کامیاب ہوتے ہیں تو پھر اس بے چارگی و بے بسی کے کیا معنی کہ مسیحؑ کو دشمنوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔

مسیح علیہ السّلام اگر صلیب پر لٹک کر بچ بھی جائیں تو اس میں یہُودیوں کے دعوے اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ الخ پر کیا اثر پڑتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے کہ مسیحؑ کو موت کے دروازے پر لا کھڑا کریں۔ ایک دشمن جو کچھ کر سکتا ہے، وہ بقول بعض کیا جا چکا پھر خدا کی تدبیریں کیا ہوئیں؟ خُدا کے ارادے کہاں گئے؟ مسیح علیہ السّلام اگر مرہم لگا کر جانبر ہو گئے تو یہ اُن کی خوش بختی کی دلیل ہے۔ خدا کی فتح مندی و نصرت کی دلیل نہیں؟ حالانکہ کہا گیا ہے کہ خدا اُن کے تمام منصوبوں کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب ہے۔ بتاؤ اس صُورت میں زیادہ کامیاب کون رہتا ہے؟ کیا وہ جس کے اختیار میں ہے کہ مسیحؑ کو، اپنے برگزیدہ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دے۔ یا وہ جو مسیحؑ کو موت کے قریب لا سکتے تھے، وہ جنہوں نے مسیح علیہ السّلام کو دار تک لا کھڑا کیا اور وہ تمام سزائیں دیں جو اُن کے اختیار میں تھیں۔

(باقی صفحہ ۱۴۴ پر)

الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○

۵۹- اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

۶۰- اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○

۶۱- فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○

سُناتے ہیں ○

۵۹- بے شک عیسٰی کی مثال خدا کے نزدیک آدم جیسی مثال ہے کہ اُس کو خدا نے مٹی سے بنایا اور پھر اُس سے کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا ○

۶۰- یہ حق بات ہے تیرے ربّ کی طرف سے۔ سو تُو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ○

۶۱- پھر جو کوئی بعد اس کے کہ تجھے علم پہنچ چکا، اس بارہ میں تجھ سے جھگڑے تو کہہ کہ آؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں ایک جگہ جمع کریں۔ پھر التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں [۱] ○

(بقیہ صفحہ ۱۳۳) مگر خدا نے اپنے وسیع اختیارات سے کوئی کام نہ لیا۔ بتاؤ اس میں یعنی اس صورتِ مقابلہ میں کس کا پلّہ زیادہ بھاری رہتا ہے؟

[۲] اِن حالات میں جبکہ یہودی حضرت مسیحؑ کے مشن

چار وعدے کو تباہ کر دینا چاہتے تھے اور حضرت مسیحؑ کے دشمن ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ سے چار وعدے کئے اور انہیں بشارت دی کہ تم مطلقاً کوئی فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

پہلا وعدہ یہ تھا کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یعنی تیری موت طبعی ہو گی۔ تُو دشمنوں کے ہاتھوں محفوظ رہے گا اور وہ تجھے کوئی نقصان یا گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

دُوسرا وعدہ یہ تھا کہ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یعنی مَیں تمہیں اُٹھا لوں گا۔ رفع کے معنی عزت و رفعت دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر بصلہ الیٰ نہیں۔ اگر یہاں مقصود عزت و رفعت ہوتی تو عبارت یُوں ہوتی۔ وَرَافِعُكَ لَدَیَّ۔

تیسرا وعدہ یہ تھا کہ وَمُطَهِّرُكَ یعنی کفر و نفاق کی تمام تہمتوں سے تمہیں پاک رکھوں گا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کی طرف نہایت باریک اشارہ ہے۔

چوتھا وعدہ یہ تھا کہ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی تیرے ماننے والے تیرے نہ ماننے والوں پر غالب رہیں گے۔ کفر و اتباع دونوں کو قرآن حکیم نے مطلق رکھا ہے۔ اس لئے دونوں کا عموم بحال رہے گا۔ یعنی مسیحؑ کا ہر ماننے والا اس کے ہر منکر پر غالب رہے گا۔ اس صورت میں اس میں مسلمان بھی شامل ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

مُباہلہ [۱] مسیح علیہ السلام کے متعلق آیاتِ سابقہ میں بکرات یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اُن کی حیثیت ایک محترم و مکرم رسول سے زائد نہیں مگر عیسائی ہیں کہ غلو سے کام لیتے ہوئے انہیں ابن اللہ سمجھنے پر مُصر ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب مگر آخری فیصلہ کی طرف دعوت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں متخاصم مل کر اللہ سے جھوٹے کی ہلاکت چاہیں اور دیکھیں کہ خدا کس کی تائید میں ہے۔ کون باقی رہتا ہے اور کس کے حق میں ہلاکت مقدر ہے۔ یہ طریقِ فیصلہ اُس وقت اختیار کیا گیا جب منطق و بُرہان کے تمام حربے ناکام رہے اور عقیدت میں غلو ہر دلیل و فلسفہ پر غالب رہا۔ جب بحث کے تمام دروازے بند ہو گئے اور غور و فکر کے لئے تمام راہیں تعصّب و جہالت کی وجہ سے مسدود ہو گئیں۔ ظاہر ہے اِن حالات میں ایک زبردست انسان کے لئے سوا اس کے چارہ ہی کیا رہتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین کی پیشگاہ عدل و انصاف میں حاضر ہو اور داد خواہ ہو۔

احادیث میں آیا ہے کہ جب وفد نجران سے گفتگو ہوئی اور نجران کے عیسائیوں نے ضد سے کام لیا۔ (باقی صفحہ ۱۳۵ پر)

حلِّ لُغات

نَبْتَهِلْ - مادہ اِبْتِهَال - بتضرّع آرزو کرنا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

۶۲ - البتہ یہی سچا قصہ ہے۔ اور سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور بے شک خدا غالب حکمت والا ہے ○

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ○

۶۳ - پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو خدا مفسدوں کو خوب جانتا ہے ○

ع ۶ ۱۴

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

۶۴ - کہہ اے اہلِ کتاب ایک بات کی طرف آؤ۔ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں اور ہم سے کوئی کسی کو خدا کے سوا پروردگار نہ ٹھہرائے۔ پھر اگر وہ مُنہ موڑیں تو تم یُوں کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں ف۱ ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ مُباہلہ دی۔ اُنہوں نے کہ ہم سوچ کر کل اس کا جواب دیں گے اور دُوسرے دن مُقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ اگر میدانِ مُباہلہ میں آجاتے تو اُن پر آسمان سے آگ برسائی جاتی اور ایک بھی اُن میں سے بچ کر نہ جاتا۔ اسلام سے پہلے طریقِ فیصلہ میں مُباہلہ کا ذکر نہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو اپنی حقانیت پر بیش از بیش یقین ہے اور اصرار ہے اور وثوق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اِس کی تائید و نصرت میں کارفرما ہے۔ کیا عین الیقین کی یہ صورت کوئی دُوسرا مذہب پیش کر سکتا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد پھر مُباہلہ جائز ہے یا نہیں۔ مردوانی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے امورِ مہمہ شرعیہ میں مباہلہ کرنا اب بھی درست ہے۔

(کذا فی ردالمختار المعروف بہ شامی)

آیت کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ مباہلہ ان امور میں ہونا چاہیئے جو اصُولی ہوں اور کفر و اسلام میں دائر ہوں اور اُن کا مبنی حق ہونا از قبیلِ قطعیات ہو۔ اس لئے فرمایا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اور مجتہداتِ فقہیہ میں اختلاف رائے مُباہلہ تک نہ پہنچے تو اچھا ہے۔

نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ میں پہلی ازواج اور پھر دُوسری عورتیں ثانوی حیثیت سے داخل ہیں۔ اسی طرح اَبْنَآءَنَا کا لفظ مجازاً دوہتوں اور پوتوں کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اُمہات المومنین آیتِ مباہلہ میں بطورِ اوّلین مفہوم کے داخل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں انتخاب میں نہیں لیا اور صرف حضرت فاطمہؓ پر اکتفا کیا۔ (حاشیہ صفحہ ھذا)

دعوتِ اتحاد ف۱ قرآن حکیم دنیا سے تفرّق و اختلاف کو مٹانے آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ساری دُنیا کو ایک مرکز پر لا کھڑا کرے اور جتنے فتنے تشدّد و افتراق کی وجہ سے بپا ہیں، یکسر محو ہو جائیں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم تعصبات ختم ہو جائیں، مہماتِ مسائل پر اتّفاق ہو جائے اور کم از کم چند چیزیں ایسی مسلمات میں سے ہوں جس پر دُنیا کے تمام انسان متّفق ہوں۔ کتنا سچّا اور مقدس مسلک ہے۔

اِس آیت میں اسی دعوتِ اتحاد کی تشریح ہے۔ اہل کتاب کے ہر دو فرقوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آؤ ہم دونوں مسلمات پر اتّفاق کریں اور وہ یہ ہیں کہ ایک اللہ کی پرستش کریں۔ کسی دُوسرے کو عبادت اور پرستش کے قابل نہ سمجھیں اور اپنے جیسے انسانوں کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ تصوّر نہ کریں۔ ایک خدا کی بادشاہت ہو اور وہ ایک ہی ہو جو ساری دُنیا کا رب ٹھہرے۔

حلِّ لغات

اَلْقَصَصُ ۔ بیان ۔ بات ۔ قصہ ۔ معاملہ ۔

تَعَالَوْا ۔ آؤ ۔

٦٥- يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

٦٥- اے اہلِ کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو- توریت اور انجیل تو اُس کے بعد نازل ہوئی ہیں- کیا تم نہیں سمجھتے ○

٦٦- هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

٦٦- سُنتے ہو کہ جس بات کی تمہیں خبر تھی، اُس میں آ[illegible] تم جھگڑ چکے- پھر جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اُس میں کیوں جھگڑتے ہو؟ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

٦٧- مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

٦٧- ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ نصرانی، بلکہ حنیف (یعنی ایک طرف کا) فرمانبردار تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا[1] ○

٦٨- اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

٦٨- ابراہیمؑ کے ساتھ سب لوگوں سے[2] زیادہ مناسبت اُن کو ہے جو اُن کے تابع تھے اور اُس نبی اور مسلمانوں کو ہے اور اللہ دوست ہے مسلمانوں کا ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب

ف مکہ کے مشرک، مدینے کے یہودی اور جاہل عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام میں تقریباً ایک ہزار سال کا وقفہ ہے- پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ انہیں یہودی یا عیسائی کہا جائے؟ مشرکین سے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ پُورے موحد تھے- ان کا دین شرک کی آلودگیوں سے قطعاً پاک تھا- اُن کی ساری عمر شرک کے خلاف جہاد کرنے میں گزری- پھر یہ کیونکر قرینِ قیاس ہے کہ انہیں لات وہبل کے پرستاروں میں شامل کیا جائے-

بات یہ ہے کہ انبیاء کا مسلک بحیثیت اسلام ہوتا ہے- وہ بجز توحید اور عدل وانصاف کے اور کسی چیز کے روادار نہیں ہوتے- انہیں مابعد کے تعصبات میں گھیرنا سُوءِ فہم ہے- وُہ یہودیت، عیسائیت اور اس نوع کے دُوسرے تعصبات سے بالا ہوتے ہیں- وہ اسلام اور صرف اسلام پیش کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں- اُن کے نزدیک خدا کے بتائے ہوئے طریق کے سوا کوئی دُوسرا طریق قابلِ اطاعت نہیں ہوتا-

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اختصاص رکھنے والے تم نہیں ہو- بلکہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اُن کی اطاعت کی اور یہ نبی ہیں جو اُن کے مسلک کی تشریح [illegible] رہے ہیں اور تمام مسلمان ہیں جو رہتی دُنیا تک توحید کے علمبردار رہیں گے-

اللہ کن کو دوست رکھتا ہے؟

اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ خدا کی دوستی اور محبت صرف مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہے- اس کی رحمتوں اور انعاموں کے مستحق صرف ربِّ کعبہ کے پرستار ہیں- مگر اُس وقت جب اُن کے دل واقعی ماسوی اللہ سے متنفر ہوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور ایمان ہو-

حلِ لغات

حَنِيْفٌ- عام روش سے الگ چلنے والا- لوگوں کے مزعومات کا ساتھ نہ دینے والا-

۶۹۔ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

۶۹۔ اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کریں اور وُہ اپنی ہی جانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ○

۷۰۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○

۷۰۔ اے اہلِ کتاب! تم کیوں خُدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم گواہ ہو ○

۷۱۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ع

۷۱۔ اے اہلِ کتاب! تم کیوں صحیح میں غلط ملاتے ہو اور سچی بات کو چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو ف۱ ○

ع ۷ / ۱۵

۷۲۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ج صلے

۷۲۔ اور اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے یُوں کہا کہ جو کچھ مسلمانوں پر نازل ہُوا ہے اُس پر دن چڑھے ایمان لاؤ اور شام کو اُس کا انکار کرو۔ شاید وہ پھر جائیں ف۲ ○

اہلِ کتاب کا تعصّب

ف۱ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جب اسلام کی روشنی سے سارا عالم بقعۂ نُور سا بنا دیا تو شپرہ چشم یہودی برداشت نہ کرسکے۔ اور حیلوں اور بہانوں سے اس شمعِ ہدایت کو بُجھانے میں مصرُوف ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تلبیس سے کیوں کام لیتے ہو۔ حق و باطل کو کیوں ملا دیتے ہو۔ اس طرح کہ دونوں میں کوئی تمیز نہ رہے۔ تم جانتے ہوتے اور علم رکھتے ہوئے بھی حق پوشی سے کام لیتے ہو۔ کیا یہ نری بدبختی نہیں؟ بات یہ تھی کہ یہودی ایک طرف تو اسلام کے متعلق غلط باتیں مشہور کرتے اور عوام میں اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتے۔ دُوسری طرف توریت کی ان آیات میں تحریف سے کام لیتے جن میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت کا تذکرہ ہے۔ قرآنِ حکیم نے ان کی اس دوگونہ تحریف کو کتمانِ حق سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ سچائی محض اس لئے چُھپاتے ہیں کہ اسے واشگاف صورت میں بیان کردینے کی صورت میں اُن کا دقار جاتا رہتا ہے اور اُن کی جاگیریں چھِن جاتی ہیں۔

ایک سازش ف۲ دینِ حنیف کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ ایک دفعہ جو اسے سمجھ سوچ کر قبول کرلے۔ پھر ارتداد اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ سادہ، صحیح اور معقول مذہب دُنیا میں موجود ہی نہیں۔ یہ انسانی بیماریوں کی آخری دَوا ہے وہ جو اسلام سے مطمئن نہیں، وہ بجُز دہریّت کے کسی دُوسرے عقیدے پر مطمئن نہیں ہوسکتا اور دُنیا کا دُوسرا مذہب اُسے اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہرقل نے ابُوسفیان سے منجملہ دیگر سوالات کے یہ بھی پُوچھا کہ کوئی اسلام کو قبول کرکے مُرتد تو نہیں ہوجاتا؟ ابُوسفیان اُس وقت تک مُسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہرقل کے پاس اسلامی سفیر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مکتوبِ گرامی لے کر پہنچا تھا۔ جس میں اُسے مُسلمان ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس لئے اُس نے مناسب سمجھا کہ ابُوسفیان سے رسولِ عربی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حالات پُوچھے جائیں۔ ابُوسفیان نے جواباً کہا کہ نہیں! ہرقل جو نہایت سمجھدار بادشاہ تھا، بول اٹھا کہ ایمانِ صادق کی یہی علامت ہے کہ ایک دفعہ دل جب اس کی چاشنی سے لطف اندوز ہوجائے تو پھر کبھی محرُوم ذوق نہیں رہتا۔

(باقی صفحہ ۱۳۸ پر)

حلِ لُغات

تَلْبِسُوْنَ۔ مادہ لَبْسٌ۔ ملانا۔ مخلط کرنا۔

۷۳- وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ۝

۷۳- اور بات اُسی شخص کی مانو جو تمہارے دین کے تابع ہے۔ تو کہہ ہدایت وُہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اس لئے کہ جو تم کو دیا گیا ہے وہ کسی کو نہیں دیا گیا یا یہ کہ تمہارے ربّ کے پاس وُہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ فضل خدا کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہے، دے۔ اور خدا گنجائش والا ہے ○

۷۴- يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

۷۴- وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ ف

۷۵- وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي

۷۵- اور اہلِ کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تُو اُس کے پاس مال کا ایک ڈھیر امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کر دے اور کوئی اُن میں ایسا ہے کہ اگر تُو ایک اشرفی بھی اُس کے پاس رکھے تو وہ تجھے ادا نہ کرے۔ مگر جب تک کہ تُو اُس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کہا۔ ہم پر جاہلوں (یعنی عربوں) کے حق کا گناہ نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷)

بات یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کے سانچے میں بجز اعتقادِ صحیح کے اور کوئی چیز نہیں ڈھل سکتی اور انسان بالطبع صرف ایک ہی مذہب کے قبول کرنے کے لئے پیدا ہؤا ہے۔ وہ اُس وقت تک بھٹکتا رہتا ہے جب تک فطری مذہب اُسے اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا اور جہاں وہ اسلام کی طرف آگیا، پھر اس کا اُس کی چوکھٹ سے ہٹنا ناممکن ہے۔

یہودی اسلام کی اس جاذبیت سے واقف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ عوام میں اسلام کی طرف سے بددلی اور بد اعتقادی پیدا کی جائے۔ چنانچہ عبد اللہ بن الصیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف ایسے ذلیل لوگ اس سازش پر آمادہ ہو گئے کہ بظاہر اسلام قبول کر لو اور پھر یہ کہہ کر انکار کر دو کہ ہمیں اسلام طمانیتِ قلب نہیں بخش سکا۔ تاکہ عام لوگ جو اسلام کی طرف مائل ہو گئے ہیں، وہ متنفر ہو جائیں اور یہ کہیں کہ جب ایسے سمجھ دار لوگ مُرتد ہو گئے تو ضرور اسلام میں کوئی نقص ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو علام الغیوب ہے، اس سازش کا بھانڈہ پھوڑ دیا اور بتا دیا کہ ان لوگوں کے ارادے مخلصانہ نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف ان آیات میں بتایا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت محض اس بنا پر تھی کہ مسلمان کیوں اس نعمتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہیں یعنی بجز تعصب کورانہ کے اور کوئی چیز انہیں اسلام کی صداقتوں کے قبول کرنے سے نہیں روکتی۔ وہ نہیں سوچتے کہ یہ خدا کا دین ہے۔ جسے چاہے محروم رکھے۔ اس کی مصلحتوں کو اس کے سوا اور کون جانتا ہے۔

حلِّ لغات

قِنْطَارٍ۔ خزانہ۔ مالِ کثیر۔

سَبِيْلٌ۔ اصل معنی راہ اور راستے کے ہیں۔ یہاں مُراد ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کوئی طریقِ اعتراض و الزام نہیں۔

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

٧٦- بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

٧٧- اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

٧٨- وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا

ہے اور وُہ جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وُہ جانتے ہیں[ف۱] ○

٧٦- (گناہ) کیوں نہیں۔ بلکہ جس نے اپنا عہد پُورا کیا اور خُدا سے ڈرا تو خدا (ایسے ہی) پرہیزگاروں سے محبّت کرتا ہے ○

٧٧- جو لوگ خُدا کے عہد پر اپنی قسموں پر حقیر قیمت (یعنی مول) خرید کرتے ہیں، اُن کا آخرت میں کچھ حصّہ نہیں اور خدا اُن سے نہ کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن اُن کی طرف دیکھے گا۔ اور نہ اُن کو پاک کرے گا۔ اور اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب[ف۲] ہے ○

٧٨- اور اُن میں ایک فریق ہے جو کتاب پڑھنے میں اپنی زبان مروڑتے ہیں۔ تاکہ تم اُس بات کو

بدترین تعصّب

ف۱ اہلِ کتاب میں یہودی بدترین تعصّب کے حامل تھے۔ اُن کی ہر وقت یہ کوشش رہتی کہ مُسلمانوں کو لُوٹا جائے اور اُن کے خون سے ہاتھ رنگے جائیں۔ مُسلمانوں کے باب میں وہ ہر قسم کے عذر اور خداع کو جائز قرار دیتے اور کہتے۔ یہ اَن پڑھ اور غیر سرمایہ دار لوگ ہر وقت ہماری جوعِ البقری کا شکار ہو سکتے ہیں اور ان کو دھوکا دینے اور لُوٹنے میں مذہبًا کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا یہ اصُول کہ اقویٰ اضعف کو پامال کرے، بڑا اصُول ہے۔ موجودہ یورپ نے اسے یہُودیوں سے سیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سفید فام اور با اقتدار حکومتیں ضعیف اور ناتوانوں کو اپنا آزوقۂ حیات سمجھتی ہیں اور اخلاقًا و عرفًا انہیں محکم دینے میں کوئی مضائقہ خیال نہیں کرتیں۔

قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے قانونِ انصاف و عدل کے خلاف ہے اور خدائے قدّوس پر یہ زبردست الزام ہے اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی تعصّب کو جائز و دُرست قرار نہیں دیتے۔ انصاف و عدل بہرحال قابلِ لحاظ ہے۔

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ حق فروشی چاہے کسی قیمت پر ہو، اس کی حیثیت ثمنِ قلیل سے زائد نہیں۔ سچّائی اور صداقت کی محبت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اسے مانا جائے اور اس کی تائید کی جائے۔ وہ لوگ جو دنیوی مفاد کے لئے آخرت کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں اور دینِ مستقیم کی صداقتوں پر کان نہیں دھرتے، اُن کا عالمِ جاودانی میں کوئی حِصّہ نہیں۔ جس طرح انہوں نے اللہ کی آواز سُنی اور پُکارنے والے کی آواز پر توجّہ نہ دی، خدا بھی اُس دن اُن سے کوئی رعایت و محبت کی گفتگو نہیں کرے گا اور انہیں ہر نوع کے مکالمۂ شفقت سے محرُوم رکھے گا۔ جس طرح انہوں نے آنکھیں رکھتے ہُوئے خُدا کے پھیلائے ہوئے دلائل و شواہد کو نہ دیکھا اور اندھے بن گئے، اسی طرح وہ بھی انہیں نظرِ التفات سے محرُوم رکھے گا اور قطعًا اُن کی طرف دھیان نہیں دے گا۔ پھر جس طرح انہوں نے تزکیہ و تطہیر کی طرف کبھی التفات نہیں کیا، اللہ تعالیٰ بھی مکافات کے طور پر انہیں پاکیزگی کا موقع نہیں دے گا اور وہ اپنے گناہوں کی غلاظتوں میں پھنسے ہوئے عذابِ الیم سے دوچار رہیں گے۔

حَلِّ لُغَات

اَیْمَان۔ جمع یَمِینہ بمعنی قسم۔

خَلَاق۔ حِصّہ۔

هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

۷۹ - مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○

کتاب ہی کی سمجھو۔ حالانکہ وہ بات کتاب ہی کی نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ جان بُوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں[ف۱] ○

۷۹ - کسی بشر کو یہ لائق نہیں کہ اُس کو خدا کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (یُوں کہے کہ) تم خُدا والے ہو جاؤ۔ جیسے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جیسے کہ تم پڑھتے ہو[ف۲] ○

بَددیانتی

[ف۱] لیٌّ کے معنی میل و انحراف کے ہیں۔ نری براسہٖ کے معنی سر کو ایک طرف جُھکا دینے کے ہیں۔ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ الفاظ کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ معانی میں ایک قسم کی تحریف و انحراف پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اہلِ کتاب میں ایک فریق یہُودیوں کا ایسا ہے جو اپنی طرف سے کچھ عبارتیں وضع کر لیتا ہے اور اُسے تورات کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ یا وہ تورات کے الفاظ کو اس طرح پڑھتا ہے جس سے معانی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ عبرانی رسم الخط اس قسم کا ہے کہ بعض حرُوف تھوڑی سی صوتی تبدیلی سے کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے محرفین کو موقع ملتا ہے کہ وہ اس کمزوری سے جو رسم الخط سے تعلق رکھتی ہے، اپنی خواہشات کے مطابق ناجائز فائدہ اُٹھائیں۔

قرآنِ کریم یہودیوں کی اس بددیانتی پر انہیں برملا ٹوکتا ہے اور کہتا ہے کہ اس افترا اور جھوٹ سے باز آؤ اور جانتے بُوجھتے اس فعلِ شنیع کے مرتکب نہ ہو۔

تحریف و بددیانتی کی روشن مثال

[ف۲] اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کوئی نبی جسے کتاب و حکمت کی پُر از معارف نعمت سے نوازا گیا ہے، ناممکن ہے کہ اپنی پُوجا کرائے اور غیر اللہ کی پرستش کا حکم دے۔ اس لئے جو لوگ انبیا کی طرف اس نوع کی تعلیمات کو منسُوب کرتے ہیں، وہ راہِ راست پر نہیں اور اُنہوں نے اپنی تعلیمات کو بدل لیا ہے۔ انبیاءؑ تو اس لئے تشریف لاتے ہیں کہ بھٹکے ہوئے اور رُوٹھے ہوئے لوگوں کو پھر سے خُدا کے حضور میں لا کھڑا کریں اور اُن کے دلوں میں خدا کی محبّت و عقیدت کے بے پناہ جذبات پیدا کر دیں۔ وہ دُنیا میں خُدا پرستی کی تعلیم دینے کے لئے آتے ہیں۔ بالذات اُن کا کوئی اپنا مقصد نہیں ہوتا۔ وہ محض وسائل و ذرائع سے اللہ تک پہنچتے ہیں۔ وہ کبھی حدُودِ بشریّت سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس لئے کہ نبوت معراجِ انسانیت ہے اور علم کی آخری حد یہ ہے کہ خدا کی لامحدُود قدرتوں کا بزور اعتراف کیا جائے اور اپنی بے چارگی اور عجز کو زیادہ سے زیادہ محسُوس کیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام "عبُودیّت" کے اس بلند مفہوم کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ کبھی اس قسم کی غلطی میں نہیں مُبتلا ہوتے کہ لوگوں سے اپنی پرستش کرائیں۔

پس وہ کتابیں جن میں کسی نبی کو خدا کا درجہ دیا گیا ہے ظاہر ہے محرّف تھیں اور خدائے ذوالجلال کی طرف سے نہیں تھیں۔ اس طریق سے قرآنِ حکیم نے ثابت کر دیا ہے کہ جب تک تثلیث کا عقیدہ بقول عیسائیوں کے موجُودہ اناجیل میں موجُود ہے، اس وقت تک اسے تحریف سے مبرّا خیال نہیں کیا جا سکتا۔

حلِّ لُغات: - اَلْحِكْمَةَ - حکمت و دانائی۔

رَبّٰنِيّٖنَ - جمع رَبّانی - خدا پرست - اللہ والا -

تَدْرُسُوْنَ - مضارع - مصدر دَرْسٌ - پڑھنا -

۸۰۔ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ع

۸۱۔ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۗ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ ۗ قَالُوْٓا أَقْرَرْنَا ۗ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

۸۲۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ

۸۰۔ اور لائق نہیں ہے کہ تمہیں کہے کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو ربّ بنالو۔ کیا وُہ تمہیں کُفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مُسلمان ہو چکے ۝

۸۱۔ اور جب خُدا نے سب نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ مَیں تم کو کتاب اور حکمت سے دُوں پھر تمہارے پاس رسُولؐ آئے اور تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے ضرور اُس پر ایمان لائیو اور اُس کی مدد بھی ضرور کیجیو۔ فرمایا کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور اس شرط پر میرا بھاری عہد لیتے ہو؟ سب بولے کہ ہم اقرار کرتے ہیں خدا نے کہا تو تم گواہ رہو اور مَیں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ۝ ف۱

۸۲۔ پھر اس کے بعد جب کوئی پھر جائے تو ایسے ہی

نبیوںؑ کا نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

ف۱ تمام نبیوںؑ کا دائرۂ تبلیغ عام انسانوں تک ہے اور وہ صرف اس حد تک مکلّف ہیں کہ وظیفۂ رُشد و ہدایت کو مفروضہ قوم کے لئے جاری رکھیں۔ یعنی سب کے مخاطب عام انسان ہیں جن کو اُن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مگر پیغمبر کون، خواجۂ عالم و عالمیان صلّی اللہ صلّی اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت عام انسانوں سے گزر کر انبیاءؑ کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ جب انبیاء کو عالمِ برزخ میں پیدا کیا گیا تو اُن سے کہا گیا کہ باوجود اُس کتاب وحکمت کے جو تمہیں دی گئی ہے، تم پر لازم ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام منصۂ شہُود پر آئیں تو اُن پر ایمان لاؤ اور اُن کی نصرت میں اقدام کرو۔ سب نے کہا منظور ہے اور ہم اس حقیقتِ نیرہ کے شاہد و گواہ ہیں۔ گویا آپؐ کی نبوّت کے لئے سب سے عہد لیا گیا اور سب نے مل کر آپؐ کی نبوّت کو مانا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ پیغمبروںؑ کے پیغمبرؐ اور نبیوںؑ کے نبیؐ ہیں اور آپؐ کا پیغام تمام صداقتوں کا حامل اور آپؐ کی نبوّت تمام انبیاءؑ کی مصدّقہ ہے۔

بات یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے جس قدر انجمِ فلکِ کائنات پر جلوہ گر ہوئے، وہ آپؐ کی آمد کا اعلان تھے اور اس کتابِ ہدیٰ کا مقدّمہ یا دیباچہ تھے جو حضرتِ انسان کو عنایت ہونے والی تھی۔ جس طرح سپیدۂ سحری صبحِ جان نواز کا پیش خیمہ ہوتی ہے، اسی طرح سابقہ نبوّتیں، پہلے پیغام، سب اس نبیِ اکبرؐ اور خاتمِ پیغمبرانؐ کی تمہید سمجھئے یا سرنامۂ خط۔

وہ جو مقصُود حاصل ہے، وہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات بالشمائل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سابقہ کتابوں میں اِس محبُوبِ اصل کے خدوخال کا ذکر پایا جاتا ہے۔ کہیں اِسے "سُرخ وسفید" کہا گیا ہے۔ کہیں "فارقلیط" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کہیں "آتشیں شریعت کا پیش کرنے والا" کہا گیا۔ کہیں صاف صاف "محمدیم" کہہ کر ہر شُبہ کو اُڑا دیا گیا اور ہر پردہ کو چاک کر دیا۔ مگر باوجود اس وضاحت اور صراحت کے بعض طبیعتیں ایسی ہیں جو بجز انکار اور سرکشی کے کسی چیز پر قانع نہیں ہوتیں۔

فرمایا۔ وہ لوگ جو آفتابِ عقل کی درخشانی کے بعد بھی آپؐ کو ماننے میں متامّل ہیں، اُن سے زیادہ بدقسمت اور فاسق کون ہے؟

حلِّ لغات

ءَأَقْرَرْتُمْ۔ مصدر اِقْرَار۔ بمعنی ماننا۔ اعتراف کرنا اور قبول کر لینا۔ اِصْرٌ۔ عہد۔ قول۔

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

لوگ فاسق ہیں ○

۸۳۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○

۸۳۔ کیا وہ خدا کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں؟ حالانکہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اپنی خوشی اور زور سے اُسی کے حکم میں ہے، اور اُسی کی طرف پھر جائیں گے ف۱ ○

۸۴۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

۸۴۔ تو کہہ کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور اُس پر جو ہم پر نازل ہوا ہے اور جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ و اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر نازل ہوا تھا اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور سب نبیوں کو اُن کے ربّ سے ملا تھا۔ ہم اُن میں سے کسی کو جُدا نہیں کرتے اور ہم اُس کے فرمانبردار ہیں ف۲ ○

۸۵۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ

۸۵۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا

اللہ کا دین

ف۱ وہ پیامِ تسکین جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیائے اضطراب کے لئے لے کر آئے۔ وہ اللہ کا خالص دین ہے اور اللہ وہ ہے، جسے آسمانوں اور زمینوں کا ذرہ ذرہ مانتا ہے اور جس کا اقرار طوعًا و کرہًا کسی نہ کسی طرح کرنا ہی پڑتا ہے۔

جس طرح اس کی ربوبیّتِ عامہ کا انکار فطرتِ انسانی سے نہیں بن پڑتا۔ اسی طرح اس کے دین سے ابا جو ربوبیّت کا خاصہ ہے۔ ناممکن ہے۔ کسی نہ کسی وقت اور مشکل میں ہر انسان اس کی اطاعت پر مجبور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتا۔ مگر وہ اپنے افعال و حرکات سے ہمیشہ یہ ثابت کرتا رہتا ہے کہ اس میں اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں۔

ف۲ اللہ کا دین وہ ہے، جسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السّلام تک سب نے پیش کیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلم بلا تفریق احدے سب پر ایمان لائے اور یہ یقین رکھے کہ خدا کے پیغمبر برحق ہیں اور یہ کہ حق تمام قوموں میں مشترکہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ سچّائی اور صداقت کو جہاں پائے جس صُورت میں پائے، قابلِ قبول سمجھے اور کسی تعصب و جہالت سے کام نہ لے۔

حلِّ لُغات

اَلْاَسْبَاط جمع سِبْطٌ۔ بمعنی اولاد۔
اَلْاِسْلَام۔ عاجزی و فروتنی۔ یہاں دینِ کامل مُراد ہے۔

يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا ف۱ ○

۸۶۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○

۸۶۔ خدا ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت کرے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے! اور وہ پہلے گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے۔ اور ان کے پاس کھلی باتیں پہنچ چکی تھیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ○

۸۷۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ۙ

۸۷۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر خدا اور فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت ہے ○

۸۸۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

۸۸۔ اسی لعنت میں وُہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں

دینِ مقبول

ف۱ اس آیت میں بتایا ہے کہ خدا پرستی کے تمام راستے جو شاہراہِ اسلام سے الگ ہیں، شاہدِ حقیقت تک رسائی نہیں رکھتے اور بجز دینِ حنیف کے تمام ادیان باطل، مخدوش اور غیر محفوظ ہیں۔ اس لئے جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حریمِ عزت وعظمت تک پہنچے۔ ضرور ہے کہ اپنے لئے اسلام کی سیدھی اور محفوظ راہ اختیار کرلے۔ ورنہ ہر طریق غیر مصائب، نادرست اور نامکمل ہے۔

اسلام سے پہلے جس قدر تعلیمات موجود تھیں، وہ وقتی ضروریات کے لئے تھیں اور جب تک ان کی ضرورت رہی، ان کو باقی رکھا گیا۔ مگر آفتابِ حقیقت کے طلوع ہونے پر یہ انجم باوجود اپنی تابانی کے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اب بجز اس کے طالبانِ حق کے لئے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسی شمسِ بازغہ سے اکتسابِ ضوء کریں۔ جیسے ایک اور ایک کا جواب دو ہے اور دو اور دو کا چار۔ اسی طرح انسانی مشکلات کا حل صرف اسلام ہے یعنی اسلام اور کفر میں کوئی تیسری راہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر قوم وملت کے اربابِ فکر وتامل اپنی قوم کے لئے ایسے مذہب کی طرح ڈال رہے ہیں، جسے دُوسرے لفظوں میں اسلام کہا جا سکتا ہے۔ وہ نادانستہ طور پر ایسی اصلاحات نافذ کر رہے ہیں جو خالص اسلامی اصلاحات ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ "دینِ مقبول" کے راز کو پا گئے ہیں اور جانتے ہیں کہ کون کون چیزیں قوم کے روشن خیال طبقے میں مقبول ہو سکتی ہیں۔ اور وہ وقت قطعاً دُور نہیں جب قوموں کے تجربے انہیں اسلامی حقانیت کا ثبوت بہم پہنچا دیں گے اور وہ خود عملاً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بجز اسلامی نقطۂ نگاہ کے کوئی دُوسری تعلیم قبولیتِ فائقہ کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔

حلِّ لُغات

لَعْنَةٌ۔ دُوری اور بُعد۔

يُنظَرُونَ ۝
مُہلت ملے گی ۝

۸۹- اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
۸۹- مگر جنہوں نے اُس کے بعد توبہ کی اور نیک کام کئے۔ تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝

۹۰- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝
۹۰- جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ کفر ہی میں بڑھتے رہے۔ اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی۔ اور وُہی گمراہ ہیں ۝

۹۱- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ع
۹۱- بے شک جو کافر ہُوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو اُن میں سے کسی سے زمین بھر کر سونا بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ وُہ اُس کو فدیہ میں دینا چاہے۔ اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے اور کوئی اُن کا مددگار نہ ہو گا ۝

ع ۹ ۱۱ ۱۷

مُرتد

مل وہ لوگ جو اسلام کو قبول کر کے چھوڑ دیتے ہیں، قرآن کی اصطلاح میں مُرتد ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے۔ یہ نوع کی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ اُن پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ یہ فرشتوں اور تمام نیک لوگوں کی ناراضی خریدتے ہیں۔ یہ لوگ جہنم کا کندہ ہیں۔ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہ ہو گی اور نہ یہ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ التفات کرے۔ البتہ وہ لوگ جو توبہ کریں اور پھر سے اسلام میں داخل ہو کر اصلاحِ اعمال میں مصروف ہو جائیں، اُن کے لئے اللہ کی بخشش عام و وسیع ہیں اور وہ جو معاند ہوں اور کفر کے بعد اُن کا بغض وعناد زیادہ ترقی کر جائے، اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں۔

آخرت میں مرتدین کے لئے کوئی رُوحانی اعانت قبول نہ کی جائے گی اور نہ کوئی مادی صلہ اُن کو عذابِ الیم سے بچا سکے گا۔

یہ اس لئے کہ انھوں نے اسلام ایسی سچائی کو ٹھکرا دیا اور ایک ایسے نظامِ عمل و ایمان کی توہین کی جو ساری دُنیا کے لئے مشترکہ آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔

ترکِ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اس نے ساقیِ ازل کی بخشش عام کی تحقیر کی ہے اور مئے معرفت کے ساغر کا انکار کیا ہے۔ جس کا ہر قطرہ و جُرعہ آبِ حیات ہے۔

حلِّ لُغات

ذَهَبٌ۔ سونا۔

۹۲- لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ○

۹۲- جب تک تم اپنی پیاری چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، بھلائی کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو، وہ اللہ کو معلوم ہے ف۱ ○

۹۳- كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○

۹۳- تورات نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کو سب کھانے حلال تھے۔ سوا اُن کے جو یعقوبؑ نے اپنی جان ف۲ پر آپ حرام کر لئے تھے۔ تُو کہہ تورات لاؤ اور اُس کو پڑھو۔ اگر تم سچے ہو ف۳ ○

۹۴- فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○

۹۴- پھر اس کے بعد جو کوئی اللہ پر جھوٹ باندھے وُہی ظالم ہے ○

۹۵- قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۚ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ

۹۵- تو کہہ اللہ نے سچ کہا ہے۔ تم تو ابراہیمؑ کی

ف۱ محبت کا اشتقاق حَبَّةٌ سے کیا گیا ہے جس کے معنی سودائے قلب کے ہیں۔ اس لئے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی راہ میں وہ چیزیں دو جنہیں تم دل کی گہرائیوں سے چاہتے اور عزیز رکھتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے مختلف طریق ایثار کے استعمال کئے۔ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہؐ! مجھے بیرحا زیادہ پسند ہے۔ اسے قبول فرمائیے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے میری لونڈی مرجانہ بہت مرغوب ہے، اسے آزاد کئے دیتا ہوں اور زید بن حارثہؓ نے کہا۔ مجھے اپنے گھوڑے سُبل سے عشق ہے۔ یہ مجاہدین کے لئے صدقہ ہے۔

گویا جو جن کے پاس تھا، وہ خدا کی راہ میں دے دیا گیا۔ آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بلا کسی تخصیص کے ہر محبوب اور عزیز شے اس قابل ہے کہ خدا کی راہ میں اُسے دے دیا جائے۔

مقامِ برّ و تقویٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مال و دولت، عزّت و جاہ، ہر چیز کو اس کے حصول کے لئے وقف کر دیا جائے۔

ف۲ خدا کا دین چونکہ فطرت انسانی کی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر تجویز کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی بات بھی مضر یا غیر مرغوب نہیں۔ البتہ بعض وقت علماء فکر و نظر اپنی طرف سے بعض تنگیاں ایسی پیدا کر دیتے ہیں جو آیندہ چل کر دین کی سہولت و شگفتگی کے لئے مضر پڑتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توضیح فرما دی کہ اصل دین میں یہودیوں کے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال تھیں اور کھانے پینے کے معاملہ میں کوئی ناجائز پابندی نہ تھی۔ مگر انہوں نے از راہِ احتیاط بعض چیزیں تقشف اور زہد کو بڑھانے کے لئے اپنے اُوپر حرام قرار دے لیں۔ مثلاً اُونٹ کا گوشت حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی وجہ سے استعمال نہیں فرماتے تھے۔ مگر اُن لوگوں نے مطلقاً اس سے احتراز مناسب سمجھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیا تھا۔

فرمایا۔ اس نوع کی زیادتیاں افترا علی اللہ کے مترادف ہیں۔ اور وہ شخص ظالم ہے جو زہد و تقشف کے نام پر خواہ مخواہ دین میں دُشواریاں پیدا کرتا ہے۔

ف۴ یہودیوں کو مسلکِ ابراہیمی پر گامزن ہو جانے کی تلقین کی ہے جو توحید و فطرت کی راہ ہے جس میں شرک و بدعات کی رسوم کو قطعاً دخل نہیں۔ واضح، سہل اور بالکل صحیح مذہب ہے۔

حلِّ لُغات

البِرّ۔ بھلائی۔ کامل نیکی۔

حلّ۔ حلال۔ جائز و درست۔

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

ملت کے تابع ہو جاؤ جو ایک طرف کا ہو رہا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا ○

۹۶- اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ؔ

۹۶- سب سے پہلا[ف۱] گھر جو آدمیوں کے لئے مقرر کیا گیا وُہی ہے جو مکّہ میں ہے۔ وُہ برکت والا اور سارے جہان کے لئے ہدایت ہے ○

۹۷- فِيْهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

۹۷- اُس میں کھلے نشان ہیں (یعنی) ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پاتا ہے اور اللہ کے لئے اُس گھر کا حج اُس شخص پر لازم ہے جو اُس تک آسانی سے راہ پاوے۔ اور جس نے نہ مانا تو خدا جہان کے لوگوں سے بے پرواہ ہے[ف۲] ○

ف۱ خدا کا گھر جو تمام نسلِ انسانی کا مرکزِ عبادت ہے، وہ پہلا گھر صرف بیت اللہ الحرام ہے۔ جہاں برکات و ہدایات کے ہزاروں چشمے پھوٹتے ہیں اور جس میں عبادت و نیاز مندی کی لاکھوں نشانیاں پنہاں ہیں۔ جو مقامِ ابراہیمؑ کے شرف سے مفتخر ہے اور جو رُوح و قلب کی عام سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ اس لئے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام خُدا کے سچے پیغمبر تھے اور وہ لوگ جو اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، وہ بھی صداقت و صفا کے پیکر ہیں۔ غور کرو ایک غیر معروف شخص ایک بنجر اور سنگلاخ زمین میں ایک عبادت گاہ بناتا ہے جو بالکل سادہ ہے۔ فنِ تعمیر کے لحاظ سے جس میں کوئی خوبی نہیں۔ لیکن اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے ہر گوشے سے زائرین و عقیدت مند کھنچے چلے آتے ہیں۔ کیا یہ حضرت ابراہیمؑ کے خلوص و جاذبیت کی بہترین دلیل نہیں؟ اور کیا یہ اسلام کی صداقت کا بولتا ہؤا ثبوت نہیں کہ اس گھر کو ساری دُنیا کا گھر بنانے والے وہ رسُولؐ ہیں جو مکّے جیسے گمنام شہر میں رہنے والے ہیں جن کے پاس نشر و اشاعت کے وسائل قطعًا موجود نہیں۔ جو اُمّیِ محض ہیں اور یتیم ہیں کہ باپ کے ظلّ شفقت و محبت بالکل محروم! ایسا انسان کعبۃ اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اس کی مرکزیت کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے آؤ سب ابراہیمؑ کے خلوص کو زندہ کریں۔ سب ربّ بیت کی چوکھٹ پر جُھک جائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ستّر کروڑ انسان پانچ وقت مسجدوں میں پہنچتے اور کعبہ کی طرف سجدہ کناں ہو جاتے ہیں۔ فِيْهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ

ف۲ **حِجُّ بيتُ اللّٰه** اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے حج بہت اہم رُکن ہے۔ اس آیت میں اس کی فرضیت پر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر شخص جو استطاعت رکھتا ہو، مکلّف ہے کہ بیت اللہ پہنچے اور مناسکِ حج ادا کرے مگر استطاعت کیا ہے؟ اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک صرف زادِ راہ اور راحلہ کافی ہے۔ اکثر اہلِ علم کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک نفسِ قوت کفایت کرتی ہے۔ اگرچہ زادِ راہ نہ ہو۔ ابنِ زبیر شعبیؒ اور عکرمہؒ اسی طرف گئے ہیں۔ ضحاکؒ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص مضبوط اور تندرُست ہو تو حج کے لئے جائے یا ملازمت اختیار کرے۔ جب زادِ راہ کا سامان ہو جائے تو حج کو چلا جائے۔ گویا ان کے نزدیک بھی صرف جسمانی قوت و استطاعت ہی استطاعت کے مفہوم میں داخل ہے۔

اصل چیز یہ ہے کہ استطاعتِ سبیل کا لفظ عام ہے جس میں جسمانی قوت و استعداد سے لے کر زادِ راہ، راحلہ اور دیگر سفر تک سب چیزیں شامل ہیں۔ (باقی ص۱۴۷ پر)

حلِ لغات

بَكَّةَ۔ مکّہ کا دوسرا نام ہے۔ بڑے بڑے جبابرہ کو اُن کے ظلم سے باز رکھنے والا۔ حَجٌّ۔ قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ اصطلاح میں بیت اللہ میں پہنچ کر مناسکِ مفروضہ کی ادائیگی۔

۹۸- قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○

۹۸- تُو کہہ اے اہلِ کتاب تم خدا کی آیتوں سے کیوں مُنکر ہوتے ہو! اور اللہ کے رُوبرُو ہے جو تم کرتے ہو ○

۹۹- قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

۹۹- تُو کہہ اے اہلِ کتاب تم ایمان لانے والے کو خُدا کی راہ سے کیوں روکتے ہو۔ تم اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔ حالانکہ تم اِس کے گواہ ہو اور خدا تمہارے کاموں سے غافل نہیں ○

۱۰۰- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○

۱۰۰- مُسلمانو! اگر تم اہلِ کتاب کے لوگوں کی اطاعت کروگے تو وہ تمہیں ایمان کے بعد کُفر کی طرف پھیر لیں گے ف۱ ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) یعنی ہر وہ چیز جس کا حصُول سفر کے امکانات میں سہُولت پیدا کر دے، وہ استطاعت کے دائرے میں موجُود ہے اور احادیث میں جو زاد و راحلہ کو استطاعت سے تعبیر کیا ہے تو وہ بطور تفسیر کے ہے، تحدید کے نہیں۔ یعنی عام طور پر چونکہ یہی دو چیزیں اوّلاً خیال کی جاتی ہیں، اس لئے ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ کا مطلب یہ ہے کہ حجِ مبرور سے جس کا صلہ حیات و نعیم کی لازوال نعمتیں ہیں۔ محرُومی کفر ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص باوجُود استطاعت کے فریضۂ حج ادا نہیں کرتا تو پھر اُسے اپنے اسلام کا جائزہ لینا چاہیئے۔ قرآنِ حکیم اس کے لئے کُفر کا خوفناک لفظ تجویز کرتا ہے۔ اِس سے اس کی اہمیت واضح ہے اور یہ اس لئے ہے کہ حج میں صرف عبادت و زُہد کا سامانِ فراواں ہی موجود نہیں، بلکہ ایمان و عقیدت کے لئے مکّہ کا ذرّہ ذرّہ وادیِ ایمن ہے اور پھر وہ اجتماعِ عظیم ہوتا ہے جس میں مُلک و وطن کی تمام تفریقیں اُٹھ جاتی ہیں اور سارے انسان ایک خاص لباس میں ربّ اکبر کے سامنے جھُک جاتے ہیں اور وحدت و یکسانی کا ایک متلاطم سمندر ہوتا ہے۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک ہیں کہ ایک ساتھ مناسکِ حج ادا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اجتماعِ ابراہیمی کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ اس لئے حج کا منشا صرف عبادت و زُہد کا منشا نہیں، بلکہ اس کا تعلق اجتماعات سے بھی ہے۔ اس لئے اس کا انکار چاہے وہ عمل سے ہو اور چاہے قول سے، ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

ف۱ ان آیات میں اہلِ کتاب کی مخالفانہ اور معاندانہ کوششوں کا ذکر ہے کہ وہ جانتے ہوئے بھی حق و صداقت کا انکار کرتے ہیں۔ اور صرف انکار پر ہی کفایت نہیں کرتے، بلکہ چاہتے ہیں کہ اُن کے ساتھ دُوسرے مُسلمان بھی شریک ہو جائیں اور ارتداد اختیار کرلیں۔ فرمایا۔ مسلمانوں سے اس قسم کی توقّعات رکھنا درست نہیں۔ اس لئے کہ وہ صبح و مسا قرآنِ حکیم کی آیات کو سُنتے ہیں جن میں تمہارے ہر فریب کی تشریح موجود ہے اور ان کے شبہات دُور کرنے کے لئے خود اللہ کا رسولؐ اُن میں موجُود ہے جو بجائے خُود ہر کفر و نفاق کا ایک مستقل جواب ہے۔ جب تک اس کا وجوِ مسعود مُسلمانوں میں موجُود ہے۔ انہیں ارتداد کا خوف نہیں۔ اور اگر کوئی بدبخت پہلے سے دل میں نفاق و کفر پوشیدہ رکھتا ہو یا ذوقِ ایمان نے اُسے یقین و استقلال کی دولتِ گرانمایہ نہ بخشی ہو، ایسی صورتوں میں تو ارتداد ممکن ہے۔ کیونکہ اصل میں یہ ارتداد ہی نہیں، بلکہ اندرونی کفر و نفاق کا اظہار ہے۔ پس وہ شخص جو درحقیقت مومن ہے۔ جس کا دل و دماغ قرآن کے حقائق و معارف سے مُنوّر و روشن ہے، وہ کبھی بھی صراطِ مستقیم سے منحرف نہیں ہو سکتا۔

حلِّ لغات

شَهِيْدٌ۔ گواہ۔ جاننے والا + تَصُدُّوْنَ۔ روکتے ہو۔ مصدر صَدٌّ۔ بمعنے روکنا۔ منع کرنا + عِوَجًا۔ ٹیڑھا پن۔ کجی + يَعْتَصِمْ۔ مصدر و مادہ اِعْتِصَامٌ۔ کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑ لینا۔ تھامنا اور پکڑنا۔

۱۰۱- وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ع

۱۰۲- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

۱۰۳- وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

۱۰۱- اور تم کیونکر کافر بنو گے۔ حالانکہ خدا کی آیتیں تمہارے اُوپر پڑھی جاتی ہیں اور اُس کا رسُول تم میں موجُود ہے۔ جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑے اُسی نے راہِ راست کی ہدایت پائی ۝

۱۰۲- مومنو! خُدا سے ایسا ڈرو، جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور ضرور تم مُسلمان ہی مرو ۝

۱۰۳- اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی مضبُوط پکڑو اور آپس میں پھُوٹ نہ ڈالو۔ اور خُدا کا احسان جو اُس نے تم پر کیا ہے، یاد کرو جبکہ تم آپس میں دشمن تھے (یعنی) تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈالی اور اب تم اُس کے فضل سے بھائی ہو گئے۔ اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے۔ سو خدا نے تمہیں اُس سے بچایا۔ یُوں ہی اللہ اپنی آیتیں تم پر کھولتا ہے شاید تم ہدایت پاؤ ؎۱ ۝

پیغامِ اخوت

ف۱ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان بجز اسلام کے اور کسی چیز پر قانع نہیں رہ سکتا اور اس کی فطرت کے موافق اسلام کے سوا اور کوئی پیغام نہیں۔ اس لئے اُسے حکم دیا گیا کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ یعنی اگر موت بھی آئے تو اسلام پر۔ اس کے بعد وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کی تائید کی ہے یعنی مسلمان کا خُدا کے ساتھ اتنا مضبُوط تعلق ہو اور اس درجہ وابستگی ہو کہ دنیا کا کوئی اور رشتہ اسے منقطع نہ کر سکے۔ وہ صرف خدا کے لئے زندہ رہے اور خدا کے لئے مرے۔ اس کا اپنا مفاد، اپنے اغراض یکسر مٹ جائیں۔ اور اس کے تمام تعلّقات اسلام و صداقت کے لئے ہوں۔ کفر اور جھُوٹ سے اسے قطعاً محبّت نہ ہو اور وہ دنیا کے تمام مادّی رشتوں کو کاٹ دے اور اسلام کے حبلِ متین سے اپنے آپ کو وابستہ کرلے۔

ظاہر ہے اس درجہ اخلاص کے بعد جبکہ سچائی اور صداقت کے سوا اور کوئی چیز اپنی نہ رہے، اختلاف اُٹھ جاتا ہے اور تفریق و تشتت کے امراض پیدا نہیں ہوتے۔ اس لئے قرآنِ حکیم مسلمانوں کو کہتا ہے کہ دیکھو تم میں تفریق و انتشار کے جھگڑے نہ چلنے لگیں۔ تم ہمیشہ اخلاص پر قائم رہو، جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ تم میں پیدا کیا۔ عربوں میں اسلام کے پیغامِ اخوت سے پہلے انتہا درجہ کی نفرتیں تھیں۔ وہ ہمیشہ ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار رہتے اور اپنے دلوں میں صدہا سال کے کینوں کو پالتے رہتے اور اس فطرتِ کینہ توزی پر فخر کرتے۔ ایک دفعہ جب لڑائی کی آگ سلگتی تو پھر اُس وقت تک اس کے شعلے نہ بجھتے جب تک کہ سارا عرب اس سے نہ جُھلس جاتا۔ وہ اپنے ان "ایامِ غرر" پر نازاں تھے اور اس وصفِ رذیل کو شجاعت اور حماست سے تعبیر کرتے۔ ذرا ذرا سی بات پر اُن کا غم و غصّہ مستقل جنگ کی شکل اختیار کر لیتا اور وہ برسوں تک اس شغلِ تشتت و تفریق کو جاری رکھتے۔ اس وجہ سے وہ بالکل تباہ ہو چکے تھے اور ہلاکت و موت کے عمیق غار میں گرنے ہی کو تھے کہ اسلام کے پیامِ مودّت و محبّت نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا اور سارے عرب میں اخوّت و برادری کی ایک لہر دوڑا دی۔

(باقی صفحہ ۱۴۹ پر)

۱۰۴۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

۱۰۴۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو نیکی کی طرف بُلائے اور پسندیدہ بات کا حکم دے اور ناپسند باتوں سے منع کرے اور وہی لوگ مُراد کو پہنچیں گے ○ [ل]

۱۰۵۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ لا

۱۰۵۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے صاف حُکم پانے کے بعد تفرقہ ڈالا اور اختلاف میں پڑے اور انہیں کے لئے بڑا عذاب ہے ○

۱۰۶۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○

۱۰۶۔ جس دن بعض مُنہ سفید اور بعض مُنہ کالے ہوں گے جن کے مُنہ کالے ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کہ تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے۔ سو اب اپنے کُفر کے بدلے میں عذاب (کا مزہ) چکھو ○

۱۰۷۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

۱۰۷۔ اور جن کے مُنہ سفید ہوں گے۔ سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸)

وہ جو ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے تھے، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے لقب سے نوازے گئے اور اُخوت و دوستی کے وہ رُوح پرور نظارے دُنیا والوں کے سامنے پیش کئے کہ آنکھیں اس سے پہلے اس نوع کے نظاروں قطعی محرُوم تھیں۔

اِس آیت میں تالیفِ قلب کے اسی موضوع کی طرف مسلمان کی توجّہ کو مبذول کیا گیا ہے اور اس سے کہا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی تاریخ میں اس قسم کے واقعات دُہراتا رہے اور بھول کر بھی جماعت بندی اور گروہ بندی کے جھگڑوں میں نہ پھنسے۔ اس لئے کہ اس سے بجز تباہی کے اور کچھ حاصل نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

فریضۂ تبلیغ ل وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ میں مِن بیانیہ ہے۔ یعنی تم سارے مسلمان تبلیغ و اشاعت کے لئے مکلف ہو اور تم میں ہر مسلمان مبلغ ہے۔ اس مفہوم کو دوسری جگہ ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ تم میں اور دیگر جماعتوں میں فرق یہ ہے کہ تم سب کے سب خُدا کے دین کے پھیلانے والے ہو اور وہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کو شهداء الله فی الارض کا معزّز خطاب دیا گیا ہے۔ یعنی تبلیغ و اشاعت فرض کفایہ نہیں کہ صرف علماء تک محدود ہو۔ بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ بقدرِ استطاعت اسلام سیکھے اور بقدرِ امکان اس کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

حلِّ لُغات

اَعْدَآءً۔ جمع عَدُوٌّ۔ بمعنی دشمن۔
اَلَّفَ۔ مصدر تالیف۔ محبّت پیدا کرنا۔ دلوں کو جوڑنا۔
شَفَا۔ کنارہ۔
حُفْرَةٍ۔ گڑھا۔ غار۔

۱۰۸۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

۱۰۸۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ ہم تجھے ٹھیک ان کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا ۝

۱۰۹۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ؑ

۱۰۹۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ۝

ع ۱۱/۴

۱۱۰۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

۱۱۰۔ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لئے نکالی گئی ہے کہ حکم دیتے ہو اچھی باتوں کا اور منع کرتے ہو بری باتوں سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر ^ف^۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ بعض ان میں سے مسلمان ہیں اور اکثر بے حکم ہیں ۝

۱۱۱۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف

۱۱۱۔ وہ تم کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر تھوڑا سا دکھ دیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے پیٹھ پھیر کر

حدودِ تبلیغ

ف اس آیت میں تمام مسلمانوں کو فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے لئے آمادہ کیا ہے۔ مگر خود تبلیغ کی حدود کیا ہیں؟ یہ ایک سوال ہے۔

قرآن حکیم نے تبلیغ واشاعت کو دو لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ یعنی نیکی، بھلائی اور سچائی کی تلقین اور برائی سے اظہارِ نفرت وتحقیر۔

ظاہر ہے یہ دو لفظ انتہا درجہ کی وسعت اپنے اندر پنہاں رکھتے ہیں۔ معروف کا اطلاق نیک اقدام پر ہو سکتا ہے اور منکر کا ہر برے اقدام پر۔ چونکہ ان دو لفظوں میں فرد وجماعت کی تمام نیکیاں اور برائیاں آجاتی ہیں اس لئے جواب بالکل آسان اور واضح ہے کہ تبلیغ کی حدود فرد وجماعت کی تمام وسعتوں پر حاوی ومحیط ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ایک ایسی پاکیزہ اور بلند عادات رکھنے والی جماعت کا نام ہے جس کا ہر فرد مبلغ ہے۔ صالح ہے اور مصلح ہے۔ اور پھر تبلیغ کا طریق صرف پند وموعظت ہی نہیں، بلکہ طاغوت کے خلاف جنگ بھی اس مفہوم میں داخل ہے۔ مسلمان صرف محراب ومنبر ہی میں محدود رہ کر اعلاء کلمۃ اللہ کا سامان پیدا نہیں کرتا بلکہ کبھی کبھی وہ دار ورسن کو بھی دعوتِ امتحان دیتا ہے۔ اس کا امکانِ تبلیغ صرف پُرشور جلسے اور ہنگامہ خیز مجمعے ہی نہیں ہوتے بلکہ سیف وسنان کے مرکز اور توپ وتفنگ کے میدان بھی اس کے دائرۂ فتوحات میں شامل ہیں۔ وہ صرف قلم وزبان کو ہی جنبش نہیں دیتا بلکہ وقت پڑنے پر نیزہ، بھالا اور برچھی سب اس کے اشارہ پر رقص کناں ہوتے ہیں۔

حلِ لغات:۔ اَلْفَاسِقُوْنَ۔ حدودِ اصلیہ اسلامیہ سے تجاوز کرنے والا۔ اَلْاَدْبَارَ۔ جمع دُبُر بمعنی پشت۔

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

تمہارے مقابلے سے بھاگیں گے۔ پھر اُن کو مدد نہ ملے گی ۝

۱۱۲- جہاں دیکھیئے اُن پر ذلت چھائی ہوئی ہے [ف۱]۔ مگر اللہ کی رسّی اور آدمیوں کی رسّی کے ساتھ (امن پاتے ہیں اور اُنہوں نے خُدا کا غضب کمایا اور اُن پر محتاجی ڈالی گئی ہے۔ یہ اِس لئے کہ وہ خُدا کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان اور حد سے گزرنے والے تھے ۝

۱۱۳- سب اہلِ کتاب برابر نہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک فرقہ سیدھی راہ پر ہے۔ وُہ رات کے وقت خُدا کی آیتیں پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں ۝

۱۱۴- اللہ اور آخری دن پر ایمان [ف۲] رکھتے اور پسندیدہ

کُفر کی شکست

[ف۱] ان آیات میں بتایا ہے کہ یہ لوگ مُسلمانوں کو کوئی مادّی [نقصان] نہیں پہنچا سکتے۔ جب مُسلمانوں کے مقابلہ میں آئیں گے تو خائب [و خاسر] رہیں گے۔ اُن کے کُفر و الحاد کی وجہ سے کہ انھوں نے [دعوتِ] حق کو ٹھکرایا ہے اور انبیاء کی مخالفت کی ہے۔ انھیں [ذلت و] مسکنت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اِلّا یہ کہ خدا کے حبلِ متین کو [مضبوطی] سے پکڑ لیں۔ دیکھو! قرآنِ حکیم کی یہ پیشگوئی کس قدر واضح طور [پر ثابت] ہوئی۔ اہلِ کتاب باوجود کثرت کے شکست کھا گئے [اور مسلمانوں] کے علمِ رفیع کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

[قرآن] حکیم علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ کفر ہمیشہ مغلوب رہے گا [اور حق] کی ہمیشہ فتح ہوگی۔ اس لئے کہ حق و باطل کی آویزش میں [حق کا پلہ] قطعی بھاری رہتا ہے اور باطل کے پاؤں نہیں ہوتے۔ [یہ اس] وقت ہے جب مقابلہ صحیح مومن اور کافر کے درمیان ہو۔ [اگر] مسلمان برائے نام ہو اور کافر تمام اچھی صفات سے متصف [ہو تو اس] وقت ضروری نہیں کہ خدا کی رحمتیں ایسے مُسلمانوں کے [شاملِ حا]ل رہیں۔

[آج] کل بالکل یہی کیفیت ہے۔ وہ جو غیر مسلم ہیں اُن میں اکثر

اسلامی خوبیاں موجود ہیں۔ وہ آپس میں اتفاق رکھتے ہیں۔ اُن میں تعاون و ہمدردی کا مادہ موجود ہے۔ وہ تعلیم و حرفت میں، دولت و سرمایہ میں مسلمان سے کہیں آگے ہیں۔ اور مُسلمان ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہے، مفلس ہے اور جاہل۔ بتلایئے ان حالات میں کیونکر وہ خدا کی نعمتوں کا مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ کیا اس لئے کہ اس کا نام عبداللہ یا عبدالرحمان ہے یا اس لئے کہ وہ موروثی طور پر مسلمان ہے۔

ایمان باللہ کے معنی

[ف۲] ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ جہاں اہلِ کتاب میں یہودی ذلت و مسکنت کے عذابِ الیم میں گرفتار ہیں، وہاں چند سعید رُوحیں بھی ہیں جو بدرجۂ نہایت خدا پرست ہیں۔ اُن کے دلوں میں ایمان و اتقاء کی قندیل روشن ہے۔ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور اعلانِ حق میں ہر آن کوشاں رہتے ہیں۔ یہ صالح اور نیک لوگوں کی جماعت ہے۔ ان کی نیکیاں محض اس لئے ضائع نہیں ہونگی کہ وہ پہلے یہودی تھے۔ خدا علیم بذات الصدور ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ خدا پرست اور متقی ہیں، اس لئے ان کی ہر سعی مقبول و ماجور ہے۔

(باقی صفحہ ۱۵۲ پر)

حلِ لُغات :۔ ثُقِفُوْٓا۔ فعل ماضی مجہول۔ مادہ ثقف۔ پانا۔ اٰنَآءَ۔ جمع انی۔ بمعنی وقت۔

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

بات کا حکم دیتے اور ناپسند باتوں سے منع کرتے اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور وہ نیک بختوں میں ہیں ۝

۱۱۵- وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

۱۱۵- اور جو نیکی وہ کریں گے، وہ نامقبول نہ ہوگی اور اللہ پرہیزگاروں کو جانتا ہے ۝

۱۱۶- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

۱۱۶- وہ جو کافر ہیں، اُن کی دولت اور اولاد اللہ کے سامنے کچھ کام نہ آئے گی اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں۔ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے ف ۝

۱۱۷- مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

۱۱۷- اُن کی مثال جو اس دنیوی زندگی میں (محض نفسانیت کے لئے) خرچ کرتے ہیں، اُس ہوا کی مثال ہے جس میں پالا ہے۔ وہ پہنچی اُن کے کھیت پر جنہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کے ہاں تعصب و انتقام کو کوئی دخل نہیں۔ کوئی انسان کسی وقت بھی حق کو قبول کرے، اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور بس۔ توبہ و انابت کے بعد اس کے دامن میں پناہ لینے کا سب کو استحقاق ہے۔

یہی مفہوم ہے جس کو آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کو اس قبیل کی آیات سے دھوکا ہوا ہے اور انہوں نے سمجھا ہے کہ شاید ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد ایمان بالرسولؐ ضروری نہیں اور بغیر مسلمان ہونے کے ہر شخص نجات حاصل کر سکتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ قرآنِ حکیم ایک مستقل پیامِ نجات ہے۔ وہ لوگ جو اسے نہیں مانتے، وہ کسی طرح بھی حق پرست نہیں ہیں۔ قرآنِ حکیم اخلاق و معاشرت کا ایک معین پروگرام ہے، اس لئے اس سے قطع نظر عنوان بھی درست نہیں۔ یہی مقصد ہے اس آیت کا وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اسلام کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں۔ صرف ایمان باللہ جو کوئی شخص پیام نہ رکھتا ہو، یہ ناکافی ہے۔ بات یہ ہے کہ دھوکا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ان کا عموم ان کے لئے وجہ لغزش بن جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اصطلاح ہے۔ قرآنِ حکیم میں متقی و مومن کا اطلاق اسی شخص پر ہوتا ہے جو کاملاً اسلام کو مان لیتا ہے۔ علامہ رازیؒ نے اس نکتہ کو کس طرح بھانپ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:- وقد بینا ان الایمان باللہ یستلزم الایمان بجمیع انبیائہ و رسلہ والایمان بالیوم الآخر یستلزم الحذر من المعاصی یعنی ایمان باللہ مستلزم ہے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لانے کو اور ایمان بالآخرت کے معنی ہیں تمام برائیوں سے بچنا۔

اور یہ کوئی تک نہیں۔ قرآنِ حکیم کے عمیق مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے جسے فاضل رازیؒ کی دقیقہ رس نگاہوں نے سرسری طور پر معلوم کر لیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف قریش مکہ کے بڑے بڑے رئیسوں کو اور بنو نضیر کے بڑے بڑے مہاجنوں کو مال و دولت کی کثرت اور اہل و عیال کی فراخ بالی پر بڑا ناز تھا اور انہیں مسلمان نہایت ذلیل نظر آتے تھے۔ وہ کہتے تھے جو یہاں اللہ کی نعمتوں سے محروم ہیں، انہیں قیامت کے دن کیا ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ مال و دولت کی فراوانی وہاں کام نہیں آئے گی اور نہ اولاد و عیال خدا کے عذاب سے چھڑا سکیں گے۔ وہاں اعمالِ حسنہ ہی پونجی سمجھی جائے گی اور وہ ان کے پاس ہے نہیں۔

حلِ لغات

رِيحٌ - ہوا + صِرٌّ - تیز سردی - ٹھنڈک -

فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اُس نے کھیت نیست و نابود کر دیا۔ اور خدا نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں ف۱ ○

۱۱۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

۱۱۸۔ مومنو! اپنے غیر کو بھیدی نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ اُن کے مونہوں سے دشمنی نکلی پڑتی ہے۔ اور جو اُن کے دلوں میں چھپا ہے وہ اُس سے زیادہ ہے۔ ہم نے تم کو پتے بتلا دیئے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو ف۲ ○

۱۱۹ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڀ وَاِذَا خَلَوْا

۱۱۹۔ سُنتے ہو تم اُن کے دوست ہو اور وُہ تمہارے دوست نہیں اور تم پُوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں

ف۱ اُن مال داروں کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اُن لوگوں کی طرح جن کا کھیت سرد ہوا کے جھونکوں سے تباہ ہو جائے۔ کیونکہ اُن کے دلوں میں ایمان و انصاف کا جذبہ موجود نہیں۔ مقصود اعمال نہیں بلکہ اعمالِ حسنہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ادا کئے جائیں۔

نفاق سے دوستی

ف۲ بِطَانَةً کے معنی رابطہ قلبی کے ہیں۔ مِنْ دُوْنِكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مفاد کو ٹھکرا کر ایسے تعلّقات کفر کے ساتھ وابستہ رکھے جائیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ آیت کا مقصد عام معاشی و مجلسی تعلقات سے روکنا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ کفر پر کلّی اعتماد نہ کیا جائے اور کبھی غیر مسلموں کو اپنا سچّا خیر خواہ نہ سمجھا جائے۔ یہ بہترین سیاسی سبق ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور اس کی وجوہ یہ بیان فرمائیں کہ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا۔ تم کو نقصان پہنچانے میں اُنہوں نے کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ تم چاہے کتنا ہی اخلاص کا ثبوت دو، وہ تمہارے ساتھ دھوکے ہی سے پیش آئیں گے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ۔ یہ ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں کہ تمہیں مصائب میں مبتلا رکھا جائے۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ دشمنی کی باتیں باوجود اخفا کے ان کے منہ سے نکل جاتی ہیں۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ۔ اور اُن کے دلوں میں اس سے زیادہ بغض و عناد بھرا ہے جتنا کہ ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ۔ تم اُن سے محبت کرتے ہو۔ وہ بظاہر گو نہایت مخلص نظر آتے ہیں۔ مگر بباطن تم پر دانت پیستے ہیں۔ تمہیں اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو خوش ہوتے ہیں اور خوشی سے پھُولے نہیں سماتے اور اگر تم کامیابی و مسرّت سے دوچار ہو جاؤ تو جلتے ہیں اور غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں۔

کیئے اِن حالات کے بعد بھی ان سے تعلّقات رکھّے جائیں؟ آج بھی کفر کی یہی حالت ہے۔ مسلمان کی سادگی کی حد ہے کہ وہ سب کے ساتھ مخلصانہ ملتا ہے۔ اس کے دل میں تعصّب و عناد کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ وہ انتہا درجہ کا روادار ہے۔ مگر ساری دُنیائے کُفر اس کی مخالف ہے۔ مُسلمان کو جب کبھی بھی کوئی تکلیف پہنچی ہے، کفر کی باچھیں کھل گئی ہیں اور ان کے اخبار تک اس خوشی کو چھپا نہیں سکتے۔

حلِّ لُغات

بِطَانَةً۔ دلی دوستی۔ قلبی رابطہ + اَلٰی یَاْلُوْا کے معنی اصل میں کسی کام میں کمی رکھنے کے ہیں۔ لَا يَاْلُوْنَ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے + خَبَالًا۔ فساد۔ نقصان۔

عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ تُو کہہ تم اپنے غصّہ میں مَرو اللہ دلوں کی باتیں جانتا ہے ○

۱۲۰۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ ع

۱۲۰۔ اگر تم کو کچھ بھلائی ملے تو اُن کو بُری معلوم ہوتی ہے اور اگر تم کو کچھ بُرائی پہنچے اُس سے وُہ خُوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو اُن کا فریب تمہارا کچھ ضرر نہ کرے گا۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں، سب خُدا کے بس میں ہے ف۱ ○

۱۲۱۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ لا

۱۲۱۔ اور جب تُو صُبح اپنے گھر سے نکلا اور مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر بٹھلانے لگا۔ اور خُدا سُنتا جانتا ہے ○

۱۲۲۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

۱۲۲۔ جب تم میں سے دو جماعتوں نے بُزدل ہونا چاہا حالانکہ اللہ اُن کا مددگار تھا اور چاہئے کہ مومن خُدا ہی پر بھروسہ کریں ○

۱۲۳۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ

۱۲۳۔ اور خُدا بدر کی لڑائی میں جب تم ذلیل تھے۔

ف۱ قرآن حکیم چونکہ علیمٌ بذات الصدور خدا کی کتاب ہے، اس لئے ضرور ہے کہ مخالفین کی ایک ایک نفسیّت کو بیان کیا جائے اور بتایا جائے کہ مخالف مخالف ہے اور موافق موافق۔ تاکہ مُسلمان کسی دھوکے میں نہ رہیں۔ اُن کے نفاق کا علاج بھی بتا دیا۔ فرمایا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا یعنی اگر تم گھبرا نہ جاؤ اور پُوری استقامت سے کام لو اور محتاط رہو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں۔

مسلمان کو جس قدر تدبّر، استقلال اور احتیاط و اعتدال کی تلقین کی گئی ہے، وہ اسی قدر بے وقوف، کاہل اور غیر معتدل ہے۔

حالات یہ ہیں کہ مسلمانوں نے یہودیوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا۔ اُنہوں نے دھوکا دیا۔ منافقین کے ساتھ رفق و مسالمت سے کام لیا۔ وہ مخالفین کے ساتھ مل گئے۔ عیسائیوں کی تعریف کی، وہ بگڑ گئے۔ اس صُورت میں ضروری تھا کہ ان سب سے ایک دم تعلقات منقطع کرلئے جائیں اور انہیں بتا دیا جائے کہ ہم تمہاری تمام منافقانہ چالوں سے واقف ہیں۔

حلِ لُغات

حَسَنَةٌ۔ نیکی۔ یہاں مُراد مسرت ہے۔
مَقَاعِدَ۔ نشستیں۔ مورچے۔ بیٹھنے کی جگہیں۔

اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

تمہاری مدد کر چکا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو۔ شاید کہ تم شکر گزار ہو ف○

۱۲۴۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۭ○

۱۲۴۔ (اے محمدؐ!) جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے نازل کرکے تمہاری مدد کرے○

۱۲۵۔ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○

۱۲۵۔ البتہ اگر تم جمے رہو (رسولؐ کی مخالفت سے) ڈرتے رہو اور دشمن اپنے جوش سے اُسی دم تم پر دھاوا کریں تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان دار گھوڑوں پر سوار ہوں، تمہاری مدد کرے○

ف **غزوۂ اُحد** غزوۂ بدر کے بعد مقامِ اُحد پر کفّار جمع ہوئے۔ مقصود یہ تھا کہ بدر کا انتقام لیا جائے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی تو صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور عبداللہ بن اُبی ابنِ سلول کو خصوصیت سے بُلایا۔ اُس نے مشورہ دیا کہ آپ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کریں۔ اس لئے کہ ہم جب بھی مدینہ سے باہر رہ کر لڑے ہیں ہمارا نقصان ہوُا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مخالف آسانی سے مدینہ پر قبضہ کرلیں۔ یہ ایک چال تھی۔ دیگر صحابہؓ نے فرمایا۔ ہم چاہتے ہیں کہ میدان میں نکل کر جامِ شہادت پئیں۔ ایسا نہ ہو کہ مخالف ہمیں بُزدل سمجھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گائے ذبح کی جارہی ہے اس سے مَیں نے نیک فال اخذ کی ہے۔ مَیں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری تلوار آگے سے ٹوٹ گئی ہے۔ اس سے مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ قدرے شکست ہوگی۔ صحابہؓ نے زور دیا کہ آپؐ باہر نکل کر لڑیں۔ انہیں شوقِ شہادت نے بے قرار کر رکھا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام اندر گئے اور مسلح ہو کر باہر نکلے۔ اب صحابہؓ پچھتائے کہ کہیں ہم نے حضورؐ کے ارادہ کے خلاف تو انہیں مجبور نہیں کیا۔ کہنے لگے کہ حضورؐ کی جو خواہش ہو وُہ بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا کا بہادر پیغمبر جب ایک دفعہ مسلح ہو جائے تو ہتھیار نہیں اُتارتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کُوچ فرمایا۔ صحابہؓ ساتھ ساتھ چلے۔ عبداللہ ابن اُبی نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان میدان میں نکل کھڑے ہوئے ہیں تو سخت مایوس ہوُا اور اپنے تین سو آدمی لے کر الگ ہوگیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام وہاں پہنچے۔ صفیں درست کیں ایک ایک سپاہی کی جگہ مقرّر کی۔ عبداللہ بن جبیرؓ کو تیر اندازوں کا امیر مقرر کیا اور فرمایا۔ اس درّے پر مضبوطی سے کھڑے رہنا

جب جنگ شروع ہوئی اور مسلمان مخالفین پر چھا گئے تو غنیمت کے لالچ میں اور یہ سمجھ کر کہ اب تو میدان ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ مُسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوگئے۔ مخالفین نے مسلمانوں کے تغافل سے پُورا پُورا فائدہ اٹھایا اور مُسلمانوں پر پل پڑے۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ مسلمانوں میں بھاگڑ مچ گئی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے چوٹیں آئیں۔ اگلے دانت ٹوٹ گئے اور چہرہ مُبارک لہُو لہان ہوگیا۔ عام مسلمانوں میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں جس سے سخت بددلی پھیل گئی۔ اس کے بعد چند جان نثار حضورؐ تک پہنچ گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے۔

اِن آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرتیں ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہی ہیں۔ دیکھو بدر میں تمہاری تعداد بہت کم تھی اور کفار کا ایک لشکرِ جرار مقابلہ پر تھا۔ پھر بھی فتح اسلام کے شیدائیوں کو ہوئی۔

فرشتوں کا نزول خدا پرستوں کی تائید و تثبیت کے لئے تھا مادیت پرست لوگ ممکن ہے اس کو تسلیم نہ کریں، مگر واقعہ یہ ہے کہ خدا ہمیشہ اپنے عقیدت مندوں کو عزت و غلبہ سے نوازتا رہتا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

حلِّ لُغات

اَذِلَّةٌ۔ جمع ذلیل۔ کمزور۔ بے سر و سامان۔

مُسَوِّمِيْنَ۔ مخصوص۔ نشان دار اور متعین۔

۱۲۶۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ

۱۲۶۔ اور خدا نے یہ (وعدۂ امداد) اس لئے کیا ہے کہ تم کو خوشی ہو اور تمہارے دل اس وعدے سے تسلّی پائیں اور فتح تو صرف اللہ زبردست حکمت والے ہی کی طرف سے ہے ○

۱۲۷۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ○

۱۲۷۔ (یہ وعدہ اس لئے کیا ہے) تاکہ بعض کافروں کو ہلاک کرے یا ذلیل کرے کہ وُہ نامُراد پھر جائیں ○

۱۲۸۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

۱۲۸۔ (اے محمدؐ) اس کام میں تیرا کچھ اختیار نہیں ہے۔ یا خدا اُن پر پھر آوے (یعنی مہربان ہو) یا اُنہیں عذاب کرے۔ کیونکہ وہ ظالم لوگ ہیں ○

۱۲۹۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ع ۱۳

۱۲۹۔ اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ جسے وُہ چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

۱۳۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا

۱۳۰۔ اے مومنو! دُونے پر دُونا سُود نہ کھاؤ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵)

فرشتے بدر میں نازل ہوئے تھے۔ جیسا کہ جمہور مفسّرینؒ کا خیال ہے اور سیاقِ کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اُحد میں نہیں۔

اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ الخ میں یہ بتایا ہے کہ نبی صرف محراب و منبر میں ہی نہیں گرجتا، بلکہ میدانِ جنگ میں بھی وُہ سپاہیانہ حصّہ لیتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام چونکہ جامعیّت کبریٰ کے وصف سے متصف تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ تدابیرِ جنگ سے بھی کما حقہٗ واقف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ میں دین و دُنیا کی خوبیاں جمع ہیں۔ ایک طرف مسجد میں امام ہیں اور دوسری طرف جنگ میں بطلِ فنا۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

اللہ کی شانِ بے نیازی

ف اس آیت میں بتایا ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ خدائے متعال کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ زمین کی پستیاں اور آسمان کی بلندیاں سب اس کی قوّت و عظمت پر دال ہیں۔ اور کوئی نہیں جو اس کی خدائی سے باہر ہو۔

وہ اگر بدترین لوگوں کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے اور جنّت و نعیم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع دے تو کوئی شخص اُسے روک نہیں سکتا اور اگر محبوب ترین اشخاص کو دہکتے ہوئے جہنّم میں ڈال دے تو کوئی قوّت اُسے روک نہیں سکتی۔ وہ باجبروت و باملکوت خُدا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس کا عدل و رحم اُسے شفقت و رحم پر مجبور کریگا مگر جہاں تک اس کے جلال و قدرت کا تعلق ہے، وہ ہر ضابطہ اور قانون سے اعلیٰ و ارفع ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

حلِّ لُغات

طَرَفٌ۔ حصّہ۔ جانب۔ پہلو۔
يَكْبِتَهُمْ۔ مصدر كَبْتٌ۔ ذلیل کرنا۔
خَآئِبِيْنَ۔ جمع خَآئِبٌ۔ نامراد اور ذلیل و ناکام۔

الرِّبٰوٓا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝

اور اللہ سے ڈرو۔ شاید تم مُراد کو پہنچو ف۱ ۝

۱۳۱۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝

۱۳۱۔ اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیّار کی گئی ہے ف۲ ۝

۱۳۲۔ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝

۱۳۲۔ اور اللہ اور رسولؐ کی تابعداری کرو۔ شاید تم پر رحم ہو ۝

۱۳۳۔ وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝

۱۳۳۔ اور اپنے ربّ کی بخشش اور اُس جنّت کی طرف دَوڑو جس کا پھیلاؤ سارے آسمان اور زمین ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۝

۱۳۴۔ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝

۱۳۴۔ جو آسائش اور تنگی میں خرچ کرتے اور غصّہ کو دبا لیتے اور لوگوں کو مُعاف کرتے ہیں اور اللہ نیکوں سے محبّت رکھتا ہے ۝

۱۳۵۔ وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا

۱۳۵۔ وہ لوگ جو کُھلا گناہ کریں یا اپنے حق میں کچھ ستم کریں تو خدا کو یاد کریں۔ پھر اپنے گناہوں کی

اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ف۱ سُود کی مکمّل بحث سُورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس کی مزید شناعت آئی ہے کہ یہ کیا انصاف ہے۔ تم اصل رقم سے کئی گنا زیادہ وصول کر لیتے ہو اور پھر تمہارا قرض باقی رہتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جاہلیت میں ایک شخص متعیّن حد تک کے لئے سُود پر روپیہ دیتا۔ جب وہ مقررہ وقت آتا اور مقروض نہ دے سکتا تو اس سے کہا جاتا کہ اصل رقم میں اضافہ کرو تو مدّت بڑھائی جا سکتی ہے۔ اس طرح سُود اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ہو جاتا جو قطعًا ناقابلِ برداشت ہے۔ اسلام نے اس سے روکا ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ جائز مقدار میں سُود کا لینا دینا جائز ہے۔ جیسا کہ بعض نافہم لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ قید اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً کی امرِ واقعہ کے اظہار کے لئے ہے۔ نہ تعیین و تحدید کے لئے۔

مزید ناراضی ف۲ سُورۂ بقر میں سُود خور کو خدا کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے والا بتاتا تھا۔ یہاں اُسے مستحقِ عذاب قرار دیا ہے اور عذاب بھی وہ جو کفّار کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس کے صاف صاف معنی یہ ہیں کہ اسلام سُود کو کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیتا۔ اس لئے کہ سُود خوری نسلِ انسانی کو بے کار بنا دیتی ہے اور ایک ایسا گروہ پیدا کر دیتی ہے جو جماعت کے لئے نہایت مضر ثابت ہوتا ہے۔ عوام میں جس قدر بُرائیاں پھیلتی ہیں، وہ گروہِ امراء کی بدولت پھیلتی ہیں۔ ان کی تعیش پسندانہ زندگی عوام کے اخلاق کے لئے مستقل خطرہ ہے۔ اسلام جو اخلاق و اصلاح کا علمبردار ہے، کیسے سُود کی اجازت دے سکتا ہے۔

حلِ لُغات

اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ زائد از زائد۔

وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ۔ غصّہ پی جانے والے۔ کظم کے اصل معنی روکنے اور بند کرنے کے ہیں۔

لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○

مغفرت مانگیں۔ اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخش سکتا ہے؟ اور جو کچھ کیا ہے اُس پر جان بُوجھ کر اڑے نہ رہیں[ف۱] ○

۱۳۶۔ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ○

۱۳۶۔ ایسوں کا بدلہ اُن کے ربّ سے مغفرت اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے[ف۲] ○

۱۳۷۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○

۱۳۷۔ تم سے پہلے بہت واقعات گزر چکے ہیں۔ سو تم زمین کی سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے[ف۳] ○

ف۱ اِن آیات میں مسلمان کے نصب العین کو واضح کیا ہے کہ وہ مجسمۂ اطاعت ہوتا ہے۔ اس کا ہر ارادہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ماتحت ہوتا ہے اور وہ دُنیا کی دلفریبیوں پر نہیں ریجھتا۔ وہ جنّت و مغفرت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا۔

مغفرت کے معنی مختلف آئے ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں اس سے مُراد اسلام ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ اس سے مقصود ادائے فرائض ہے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں۔ پانچ نمازیں ہیں۔ سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں۔ تکبیرِ اولیٰ سے تعبیر ہے۔

مگر لفظ کی وسعتیں کسی تخصیص کی متحمل نہیں۔ ان اقوال میں بھی تضاد نہیں۔ اِن بزرگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق جس طرزِ عمل کو زیادہ اچھا سمجھا، مغفرت کا اوّلین مصداق قرار دیا۔ مقصود بہر حال یہ ہے کہ مسلمان کی نگاہیں بہت بلند ہیں۔ وہ مقامِ رضا و مغفرت کو لپک لپک کر اور دوڑ دوڑ کر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ سے مراد وُسعت و کشادگی کی تشریح ہے۔

"بِلَادٌ عَرِيضَة" بڑے بڑے ملکوں کو کہتے ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ زمین و آسمان کی بلندیاں اور پہنائیاں جنّت کی وسعتِ بے پایاں کا ایک حصّہ ہیں۔ بعض لوگوں نے "عرض" کے بھی لئے ہیں۔ مگر عربیّت کے لحاظ سے کچھ زیادہ جچتے نہیں۔

ف۲ اِن آیات میں چھ اُن صفات کی توضیح کی گئی ہے سِتّہ ضروریہ جن سے مغفرت کا حصول ہوتا ہے (۱) عسر و یسر حالت میں خدا کی راہ میں خرچ کرنا (۲) مقدرت و قوت کے باوجود غصّہ کو ضبط کر لینا۔ مبترو جو بڑے نحوی ہیں کہتے ہیں۔ کظم کا لفظ اُس وقت بولا جاتا ہے جب مشکیزہ بھر جائے اور بہتے ہوئے پانی کو بند کیا جائے۔ چنانچہ کظم السقاء کے معنی ہوتے ہیں۔ کتم علی امتلائه منه یعنی خوبی جب ہے جب غصّہ سے آنکھوں میں خُون اتر آئے۔ بدن میں کپکپی اور تھرتھری پیدا ہو جائے اور پھر خدا کا ڈر اور حُسنِ سلوک کا جذبہ تمہیں انتقام سے روک دے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو انسان کو حقیقی معنوں میں بہادر بنا دیتا ہے۔ حضورؐ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں جو دشمن کو گرا دے۔ بلکہ وہ ہے جو غصّہ کو پچھاڑ دے (۳) معاف کر دینے کا درجہ غصّہ پی جانے سے زیادہ بلند ہے یعنی انتقام نہ لینے کے بعد دل سے بھی بغض و عناد کے خیالات کو دُور کر دے اور پُوری پاکیزگی کے ساتھ دشمن سے ملے (۴) احسان یعنی حُسنِ سلوک سے کام لے۔ فرمایا۔ خدا کو ایسے ہی بندے پسند ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ (۵) احساسِ زیاں۔ یعنی بُرائی کے بعد فوراً پشیمانی (۶) عدمِ اصرار و قبول و اعتراف کا جذبہ۔

ظاہر ہے یہ وہ ستّہ ضروریہ ہے جس پر اسلامی اخلاق کی بنیاد ہے اور جو مقامِ جنّت کے حصول کے لئے ازبس ضروری ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلام آئیڈیل اخلاق پیش نہیں کرتا۔

(باقی صفحہ ۱۵۹ پر)

حلِّ لُغات

سُنَنٌ۔ طریق۔ رستے۔

۱۳۸- هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝

۱۳۸- یہ لوگوں کے لئے بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ۝

۱۳۹- وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

۱۳۹- اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تمہیں (مشرکین عرب پر) غالب رہو گے۔ اگر تم مومن ہو ۝

۱۴۰- اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

۱۴۰- اگر تم نے (جنگِ اُحد میں) زخم کھایا تو وہ قوم (کفارِ مکہ) بھی ایسا ہی زخم کھا چکی ہے (جنگِ بدر میں) اور یہ ایام ہیں جن کو ہم آدمیوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں[۲] اس لئے کہ خدا کو ایمان دار لوگ معلوم ہو جائیں اور اس لئے کہ بعض کو تم میں سے گواہ پکڑے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ۝

۱۴۱- وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

۱۴۱- اور اس لئے کہ ایمان داروں کو اللہ خالص کرے اور کافروں کو مٹا دے ۝

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) ف۳ اِس آیت میں مسلمان کو تلقین کی ہے کہ وہ عبرت و بصائر کو ڈھونڈے اور تلاش کرے اور دیکھے کہ وہ لوگ جو آسمانی ہدایات کو نہیں مانتے اور اخلاق و اصلاح کی مخالفت کرتے ہیں اُن کا کتنا عبرت ناک حشر ہوتا ہے اور کس طرح وہ آنے والی نسلوں کے لئے سرمایۂ بصیرت بنتے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں ؎

ان اثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الاثار

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ف۱ اس آیت میں مسلمانوں کو بشارت دائمی کی خبر سنائی ہے کہ مُسلمان اگر مسلمان ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ کفر سے مغلوب رہے اور یہ اس لئے کہ اسلام نام ہی ایک ایسے زندہ طرزِ عمل کا ہے جو فلاحِ دارین کا کفیل و ضامن ہے۔ اس کے اصول اتنے پاکیزہ اور حیات بخش ہیں کہ مان لینے کے بعد علو و اختیار کی تمام نعمتیں از خود حاصل ہو جاتی ہیں۔ مگر شرط وہی ایمانِ کامل ہے جس سے عملِ پیہم الگ نہیں۔ قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں "مومن" صرف چند اصول و فروع کو مان لینے والے کا نام نہیں، بلکہ ایسے زبردست خدا پرست انسان کا نام ہے جس کی رگوں میں خون کی بجائے اسلام کی کہربائی رَو دوڑ رہی ہو، جو بے چین اور مضطرب دل و دماغ کا مالک ہو، جس کی عملیت فولاد کو برما دے اور پتھر اور چٹانوں میں جان پیدا کر دے، جو انتہا درجہ کا صابر، منتظم اور باقاعدہ ہو، جس میں پوری عسکری رُوح ہو، جو دُنیا کو تہ و بالا کر دینے کا عزمِ صمیم اپنے اندر رکھتا ہو، وہ نہ جامد اور غیر متحرک ہو جو غلام اور ذلیل ہو، جس میں کوئی ارادہ نہ ہو اور جس کا ایمان منطقی حدود سے آگے نہ بڑھے۔

ف۲ اِن آیات میں بُزدل مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے چوٹیں تم نے کھائی ہیں، ویسے ہی تمہارے دشمن بھی زخمی ہوئے ہیں اور یہ عارضی غلبہ جو کفار کو ہو گیا ہے، اس لئے ہے، تاکہ مخلصین کا امتحان ہو جائے۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ سے مُراد یہ نہیں کہ غلبہ کبھی تمہیں میسّر ہوتا ہے اور کبھی کفار کو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ تکلیف کے دن اور آزمائش کی گھڑیاں سب کے لئے یکساں ہیں۔ مومن کے لئے ابتلا ہے اور کافر کے لئے عذاب۔ ورنہ اصل نصرت و فتح صرف مسلمانوں کے لئے مختص ہے۔

حلِّ لغات

قَرْحٌ۔ زخم۔ چوٹ۔

يُمَحِّصَ۔ مصدر تمحیص۔ خالص بنانا۔

۱۴۲۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○

۱۴۲۔ کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تم جنّت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو خُدا نے اُن لوگوں کو ظاہر ہی نہیں کیا جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ہی اُن کو ظاہر کیا جو صبر کرنے والے ہیں

۱۴۳۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ع

۱۴۳۔ اور تم تو اُس موت (اُحد) کی مُلاقات سے پہلے مرنے کی آرزو کرتے تھے۔ سو تم اب موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ چکے ○ ع

۱۴۴۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

۱۴۴۔ اور محمدؐ تو صرف ایک رسُولؐ ہے۔ اس سے پہلے بہت سے رسُولؐ گزر گئے۔ پھر کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنے اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ خُدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور خُدا شکر گزاروں کو بدلہ دے گا ○

۱۴۵۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ○

۱۴۵۔ اور کوئی نفس بغیر حکم خُدا کے مر نہیں سکتا۔ وقت مُقرر لکھا ہوا ہے اور جو کوئی دُنیا میں بدلہ چاہے گا ہم اُس میں سے اُسے دیں گے اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہے گا ہم اُس میں سے اُسے دیں گے۔ اور ہم شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے ○

گمانِ باطل ۱؎ اسلام قبول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تمام باطل قوتوں کے ساتھ جنگ چھڑ جائے۔ اس لئے کہ جو شخص حق نواز ہوگا، ضرور ہے کہ طاغوت کا دشمن ہو۔ شیطان کی دوستی اور اسلام یہ دو مختلف چیزیں ہیں جو کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے جو مومن ہے اور جس کا نصب العین جنت کا حصول ہے۔ وُہ اس گمانِ باطل میں نہ مبتلا رہے کہ بغیر جہاد کئے اور مصیبتیں جھیلے خدا کی رضا کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اِن آیات میں مسلمانوں کی عام جماعت کو مخاطب کیا ہے کہ تم غزوہ اُحد سے پہلے شوقِ شہادت میں بے چین تھے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیوں نہیں اُٹھ کر اپنی عزیمت و قوت کا ثبوت دیتے اور کیوں ثابت نہیں کر دیتے کہ ہم جنت کے وارث و مستحق ہیں۔

وَلَمَّا يَعْلَمِ سے مُراد یہ ہے کہ مجاہدین و صابرین کا گروہ متمیز طور پر الگ ہو جائے اور واضح طور پر الگ ہو جائے۔ کون خدا کی راہ میں جان دیتا ہے اور کون ہے جو جی چُراتا ہے۔ نہ یہ کہ خدا جانتا نہیں۔ اس لئے کہ اس کے علم میں واقعات و حوادث سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اُس کا علم ہمیشہ سے کامل اور ہمہ گیر ہے۔

حلِّ لُغات

خَلَتْ۔ خَلَايَة کے معنی ہوتے ہیں۔ وہ خلوت میں اس ملا۔ رجل خَلی بے کار آدمی کو کہتے ہیں۔ خَلا کے معنی ہیں ہو گزرا۔ مجازاً اس کا اطلاق مَوت پر بھی ہوتا ہے۔

۱۴۶- وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○

۱۴۶- اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ بہت خدا پرستوں نے مل کر جہاد کیا۔ سو وہ اس مصیبت سے جو انہیں راہِ خدا میں پہنچی، نہ سست ہوئے اور نہ تھکے اور نہ دبے اور خدا ثابت رہنے والوں سے محبت کرتا ہے [1] ○

۱۴۷- وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

۱۴۷- اور اُن کا قول صرف یہی تھا کہ انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور جو زیادتی ہمارے کاموں میں ہم سے ہوئی تو معاف کر دے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ہمیں کافر قوم پر مدد دے ○

۱۴۸- فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ع

۱۴۸- پھر خدا نے بھی اُن کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا اچھا ثواب دیا۔ اور خدا نیکوں سے محبت رکھتا ہے [2] ○

تلقینِ عزیمت [1] جب غزوۂ اُحد میں بھاگڑ مچی اور عبداللہ ابن قیمہ نے یہ مشہور کر دیا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو بعض مسلمان ہمتیں ہار بیٹھے اور جم کر نہ لڑ سکے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ الیٰ عباد اللہ کہ خدا کے بندو ادھر آؤ۔ لوگ حضورؐ کے گرداگرد جمع ہو گئے۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہ تمہیں ہو گیا جو تم بھاگ کھڑے ہوئے؟ انہوں نے کہا۔ ہم نے جب سُنا کہ آپؐ ہم میں نہیں رہے تو ہم گھبرا گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حیثیت ایک پیغمبر سے زائد نہیں۔ اس سے پہلے بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ اس دنیا کو چھوڑ جائیں۔ کیا اس صُورت میں تم دینِ مستقیم کو چھوڑ دو گے؟ دوسرے لفظوں میں بتانا یہ مقصود تھا کہ انبیاء علیہم السلام ایک خاص مشن کی تکمیل کے لئے تشریف لاتے ہیں اور جب وہ تکمیل پذیر ہو چکتا ہے، رفیقِ اعلیٰ سے جا ملتے ہیں۔ یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ وہ قیامت تک اُمت میں زندہ رہیں اور اُمت کو راہِ راست پر لاتے رہیں۔ بلکہ ہر نبی کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر عام انسانوں کی طرح قفسِ عنصری کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ عذر قرینِ دانش نہیں کہ چونکہ پیغمبرؐ ہم میں نہیں، اس لئے دین چھوڑ دیا جائے یا اُن کی حمایت چھوڑ دی جائے۔ چنانچہ حضرت انس بن نضرؓ اس نکتہ کو بھانپ گئے۔ جب لوگ بھاگ رہے تھے اس وقت انہوں نے للکار کر کہا کہ اے قوم آؤ۔ حضورؐ کے بعد جی کر کیا کرو گے؟ اگر وہ فوت ہو گئے تو اُن کا خدا تو زندہ ہے۔ ہم اس کی محبت میں مَر جائیں۔ یہ آپؐ کے بعد زندہ رہنے کی ذلت سے زیادہ موزوں ہے۔ تقریباً اسی قسم کے جرأت آموز الفاظ صدیق اکبرؓ کے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتقال ہوا۔ آپؓ نے یہی آیت صحابہؓ کے سامنے پیش کی اور بتایا کہ یہ خدا کا زبردست قانون ہے کہ جو اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ ضرور ایک نہ ایک دن اس دنیا کو چھوڑنے پر مجبور ہو گا۔

یہ آیت کا سلیس اور صحیح مطلب ہے۔ بعض لوگوں نے خواہ مخواہ اسے وفاتِ مسیحؑ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ آیت مذکورہ صرف اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ آپؐ سے پہلے بھی انبیاء ہو گزرے ہیں وہ بھی انسان تھے اور انسانی حوادث سے ہو کر گزرے ہیں۔ اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اوروں سے الگ حقیقت نہیں رکھتے اس آیت میں مسیح علیہ السلام کا کہیں ذکر نہیں۔ البتہ عموم ہے کلیت و استغراق نہیں اور دوسرے مواضع پر جہاں اُن کا نام ہے، وضاحت سے حیاتِ مسیحؑ کا ثبوت ملتا ہے۔ منطقی طور پر مخصوص و متعین دعویٰ کے لئے مخصوص و متعین دلائل ضروری ہیں۔ مگر ہمارے مخالفین ہمیشہ خطابیات سے کام لیتے ہیں۔

اللہ والوں کا جہاد [2] جس طرح ایک مادہ پرست انسان کے نصب العین میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۶۲ پر)

حلِ لُغات:۔ رِبِّيُّوْنَ۔ اللہ والا۔ خدا پرست۔ اِسْرَافَنَا۔ ہماری زیادتی

۱۴۹- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○

۱۴۹- مومنو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں پھیر دیں گے۔ پھر تم گھاٹے میں جا پڑو گے ○

۱۵۰- بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ○

۱۵۰- بلکہ تمہارا اللہ کارساز ہے اور وہ اچھا مددگار ہے ○

۱۵۱- سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ○

۱۵۱- اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت[۲] ڈالیں گے اس لئے کہ انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے۔ جس کی اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری۔ اور اُن کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالموں کے رہنے کی جگہ بُری ہے ○

۱۵۲- وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ

۱۵۲- اور خدا اپنا وعدہ تم سے سچّا کر چکا۔ جب تم اُس کے حکم سے کافروں کو کاٹتے تھے۔ تا آنکہ تم نے نامردی کی اور حکم عدولی کر کے کام میں جھگڑا ڈالا۔ اس کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) اسی طرح اُن کے طریقِ کار میں اور عام لوگوں کی روش میں عظیم امتیاز پایا جاتا ہے۔ مادیت پرست لوگ مادی خواہشات کے حصول کے لئے لڑتے ہیں اور اللہ والے بلند نصب العین کے ماتحت میدانِ جہاد میں کودتے ہیں۔

دنیا داروں کے سامنے خدا کی بادشاہت پھیلانے کا مقصد ہوتا ہے۔ ظالم اپنے نفس امّارہ کے لئے لڑتے ہیں اور خدائی مجاہد اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے۔ پھر جس طرح ان کے مقاصد میں اختلاف ہے، اسی طرح ان کے طریق جنگ میں بھی اختلاف ہے۔

دنیا کے قیاصرہ اکاسرہ مادی قوتوں کو جمع کرتے ہیں اور اقلیمِ ایمان وعقیدت کے شہنشاہ بصیرت و نیازمندی کے متاعِ عزیز کو۔

ان آیات میں اسی نقشہ کو پیش کیا ہے کہ انبیاء کا ساتھ دینے والے سپاہی جنگ و نے کے نغموں سے مست ہو کر نہیں لڑتے۔ شراب و نے سے مخمور ہو کر دشمنوں کا مقابلہ نہیں کرتے۔ بلکہ ایمان و مغفرت کا افشردہ پیتے ہوئے میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہوتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہوئے اپنی لغزشوں سے معافی چاہتے ہوئے ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا کے نعرے لگاتے ہوئے جنگ کی آگ میں کودتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خداوند دنیا کا ثواب اور عقبیٰ و آخرت کی فیروزمندیاں اُن پر نچھاور کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جنگ میں بھی جہاں عام سپاہی اخلاق پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، احسان و مروّت کا پیکر ہوتے ہیں۔ اُن کی دشمنی سوائے باطل اور باطل پرست کے اور کسی شے سے نہیں ہوتی۔ وہ اللہ کے لئے لڑتے ہیں اور اللہ کے لئے جیتے ہیں۔ اُن کی کوئی حرکت اور اُن کا کوئی اقدام اُن کے اپنے لئے نہیں ہوتا۔ وہ پوری بے غرضی اور بے لوثی کے ساتھ رہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[۱] ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے فرائضِ دینی میں پوری توجہ سے منہمک رہیں اور ان کفار کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ضرور گمراہ کر لیا جائے۔ فرمایا اگر تم خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہدایات پڑھتے رہے تو وہ بہترین معاون و ناصر ہے۔

اِسلامی رُعب

[۲] ان آیات میں وعدہ ہے کہ ہم کفار کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے ہمیشہ رعب طاری رکھیں گے اور یہ اس لئے کہ وہ مشرک ہیں اور مشرک ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔ یعنی بُت پرست اور مشرک انسان ہر قوت و عظمت کے سامنے جھکتا ہے۔ وہ دشمن کی بھی پُوجا کرتا ہے اور دوست کی بھی اس لئے اس میں تابِ مقاومت نہیں رہتی۔ بخلاف مسلمان کے کہ وہ موحد ہے اور بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔

(باقی صفحہ ۱۶۳ پر)

حلِّ لُغات

اَعْقَاب۔ جمع عقب بمعنی ایڑی۔

تَحُسُّوْنَ۔ مادہ حَسّ۔ جڑ سے کاٹنا۔ کلی استیصال۔ بے دریغ قتل۔

بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○

۱۵۳- اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

کہ وہ تمہیں تمہاری محبوب شئے (یعنی فتح کی صورت) دکھلا چکا تھا، تم میں کوئی دُنیا چاہنے لگا اور کوئی آخرت چاہنے لگا۔ پھر خُدا نے تم کو اُن کافروں کی طرف سے پھیر دیا۔ تاکہ تمہیں آزمائے۔ اور وہ تو تم کو مُعاف کر چکا۔ اور اللہ ایمان داروں پر فضل کرتا ہے ○

۱۵۳- اور جب تم (شکست کھا کر پہاڑ پر) چڑھے جاتے تھے اور پیچھے مُڑ کر کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسولؐ تم کو تمہارے پیچھے سے پُکار رہا تھا۔ پھر خُدا نے تمہیں غم پر غم کا بدلہ دیا۔ یہ اس لئے ہُوا کہ تم اُس چیز کا جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اُس تکلیف کا جو تمہیں پہنچی، غم نہ کھاؤ اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ف۱ ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) یہی چیز اسے دلیر بنائے رکھتی ہے۔ دیکھ لو آج بھی مسلمان مخالفین کے لئے کتنا مرعُوب کُن ہے۔ یہ مانا کہ وہ اس وقت دم توڑ رہا ہے۔ مگر کون ہے جو مرے ہوئے شیر کا سامنا گوارا کرتا ہے؟ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کے معنی یہ ہیں کہ شرک اور بُت پرستی کے لئے شروع سے کوئی دلیل ہی نہیں یعنی یا تو خدا ایک ہے اور یا پھر دُنیا میں کوئی خدا نہیں عقل و بُرہان کے لئے تیسری راہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی کلمۂ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور یقیناً ہے تو وہ اِلّا کے ساتھ ہے۔ ورنہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دہریت۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

عِصیانِ رسُولؐ کا نتیجہ ف۱ اُحد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ضعیف الایمان لوگ ڈگمگا گئے۔ انہیں شک نے آگھیرا کہ خدا نے جو نصرت و اعانت کا وعدہ کیا تھا، وہ پورا نہیں ہُوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ اس میں کبھی تخلف نہیں ہُوا۔ کیا تم نے جب تک پاس اطاعت کو ملحوظ رکھا، کامیاب نہیں رہے؟ اولاً تو ایسا ہُوا کہ مسلمان مخالفین پر چھا گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میدانِ حرب اب انہیں کا حصّہ ہے۔ وہ لوگ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیر اندازی کے لئے درہ پر متعین کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ آخر تک رہنا۔ ان میں بعض لوگ [illegible] غنیمت کے لالچ میں آ گئے

اور لگے مالِ غنیمت لُوٹنے۔ خالد بن ولیدؓ نے جو اُس وقت کفّار کے لشکر کے سردار تھے، تاکا اور درہ کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ نقشہ بالکل بدل گیا۔ اب مسلمان بھاگنے لگے اور یہ محض اس لئے ہُوا کہ مسلمانوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اطاعت ترک کر دی اور دُنیا طلبی کے جذبہ سے متاثر ہو کر مال و دولت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ درست ہے کہ نصرت کا وعدہ تھا، اور یہ بھی درست ہے کہ وعدہ کو ہر حال میں پُورا ہونا چاہیئے۔ مگر یہ تو سوچیئے۔ وعدہ کن سے تھا۔ کیا وعدے کے مخاطب صرف وہی لوگ نہیں تھے جو ہر حال میں فرمودۂ رسولؐ کو قابلِ اتباع سمجھیں۔ اس صورتِ حال میں ظاہر ہے کہ منافقین کا اعتراض بالکل لغو ہو جاتا ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ آخر مسلمانوں کو اپنی اس نافرمانی کا احساس ہُوا اور وہ بارگاہِ ایزدی میں توبہ کے لئے جُھک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مُعاف کر دیا۔ اس لئے کہ اس کا شیوہ ہی عفو و رحم ہے۔ اس آیت کے بعد بھاگنے والوں پر کوئی الزام نہیں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا تو ہم اعتراض کرنے والے کون؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں شرفِ صحبت حاصل ہے۔

(باقی صفحہ ۱۶۴ پر)

حلِ لغات

تُصْعِدُوْنَ۔ اَصْعَادٌ فِى الْاَرْضِ کے معنی ہیں اُوپر کی طرف چڑھتے چلے جانا۔

۱۵۴۔ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَۃً مِّنۡکُمۡ ۙ وَ طَآئِفَۃٌ قَدۡ اَہَمَّتۡہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا ہٰہُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِہِمۡ ۚ وَ لِیَبۡتَلِیَ اللّٰہُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَ لِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝

۱۵۴۔ پھر اللہ نے غم کے بعد تمہارے آرام کے لئے تم پر اُونگھ اُتاری ف۱ کہ تم میں سے بعضوں کو گھیر رہی تھی۔ اور بعض کو اپنی جانوں کی فکر پڑی تھی۔ وہ خدا کی نسبت جاہلیت کا باطل گمان کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اس لڑائی کی کوئی بات ہمارے ہاتھ میں ہے۔ تو کہہ کل کام اللہ کا ہے اور وہ اپنے دِلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو تجھ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں یہ کہ اگر اس لڑائی میں کچھ بھی ہمارا دخل ہوتا تو ہم (یعنی ہمارے ساتھی) اس جگہ قتل نہ کئے جاتے۔ تُو کہہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا وہ اپنی قتل گاہ کی طرف ضرور باہر نکل آتے! اور اللہ تمہارے دِلوں کی باتیں آزمانا چاہتا تھا اور جو تمہارے دلوں میں ہے اُسے خالص کرنا چاہتا تھا۔ اور اللہ دلی باتوں سے خبردار ہے ۝

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) جنہوں نے براہِ راست انوار و تجلیاتِ نبویؐ کا مشاہدہ کیا ہے اور جمالِ یار کو بالمشافہ دیکھا ہے، اس لغزشِ بشری پر انہیں موردِ الزام ٹھہرانا محض الحاد ہے۔ وہ آنکھیں جو بعقیدت چہرۂ اقدسؐ کو دیکھتی رہیں، وہ کبھی محرومِ دیدار نہیں رہیں گی۔ اس کے بعد بھاگڑ کا نقشہ کھینچا ہے کہ کس طرح تم بھاگے چلے جاتے تھے۔ فرطِ بدحواسی میں تم نے رسولؐ کی آواز کو بھی نہیں سُنا۔ وہ تمہیں اِلیَّ عِبَادَ اللّٰہِ کی پکار سے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا اور تم تھے کہ بھاگے چلے جا رہے تھے۔ تمہاری اِن غلطیوں کا خمیازہ آلام و ہموم تھے جن سے تمہیں دوچار ہونا پڑا۔ تم نے دیکھا کہ تمہارے سامنے کئی مسلمان جامِ شہادت پی گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس کو لہولہان کر دیا گیا اور اس پر مستزاد یہ کہ مشہور کر دیا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہُوا کہ تم جادۂ اطاعتِ رسولؐ سے الگ ہو گئے اور تم نے پیغمبرِ خدا کی ہدایات کی پروا نہیں کی اور یہ نہیں سوچا کہ فتح و نصرت تو محض رہینِ اطاعتِ رسولؐ ہے۔ (حاشیہ صفحہ ہٰذا)

سکونِ خاطر کی حیران کن مِثال

ف۱ باوجود ان مصائب کے جن سے مسلمانوں کو غزوۂ اُحد میں گزرنا پڑا۔ سکونِ خاطر کی یہ حالت ہے کہ عین حالتِ جنگ میں نیند نے آگھیرا کیا۔ اس سے بہتر طمانیتِ قلب کی کوئی مِثال پیش کی جا سکتی ہے؟ میدانِ جنگ میں جہاں اچھوں اچھوں کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ والے کچھ اس طرح دادِ شجاعت دے رہے ہیں کہ تلواریں ہاتھ سے چھُوٹ رہی ہیں۔ اُونگھ رہے ہیں اور نبرد آزمائیاں ہو رہی ہیں۔ اس طرح نیند کا آجانا اللہ کا خاص فضل تھا جس کا ان آیات میں اظہار ہے۔ اس سے مسلمان کچھ دیر کے بعد بالکل تازہ دم ہو گئے اور تمام کوفت بھول گئے۔

حلِّ لغات

نُعَاس۔ اُونگھ۔ جھپکی + ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ۔ زمانۂ جاہلیت کے خیالات + بَرَزَ۔ مصدر بروز۔ بمعنی ظاہر ہونا + مَضَاجِع۔ جمع مَضۡجَع۔ خواب گاہ۔

١٥٥- اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ع

١٥٥- دو فوجوں کے بھڑنے کے دن جو لوگ تم میں سے پیچھے ہٹ گئے تھے، اُن کے بعض گناہوں کی شامت[ف۱] سے اُنہیں شیطان نے ڈگا دیا تھا اور خُدا نے اُن کا قصور[ف۲] معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور بُردبار ہے ع

١٥٦- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ

١٥٦- مومنو! تم اُن کافروں کی مانند نہ ہونا جو اپنے بھائیوں کے حق میں جب وہ سفر کو نکلیں، مُلک میں یا جہاد میں ہوں، کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ساتھ رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔ تاکہ اُن کے

تقدیر ف۱ عبداللہ بن ابی اور دُوسرے منافق اُحد کی شکست کو اسلام کے خلاف بطور دلیل استعمال کرتے اور کہتے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہوتے تو ضرور فتح ہوتی اور ہمارے ساتھی کبھی میدانِ جنگ میں نہ مارے جاتے۔ اس شبہ کا جواب گزشتہ آیات میں دیا جا چکا ہے کہ شکست نافرمانی و معصیت کا نتیجہ ہے۔ اگر تیر انداز درّہ نہ چھوڑتے تو کبھی شکست نہ ہوتی۔ میدان مُسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔

اِن آیات میں اُن کی دوسری کج بحثی کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ کہ مُسلمان اگر جہاد کے لئے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے۔ دُوسرے لفظوں میں وہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں میں بد دلی اور بُزدلی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے کہ موت وحیات ہمارے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ غلط وہم ہے۔ زندگی اور اس سے محرومی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب خُدا تمہاری موت کا فیصلہ کر چکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ تم بچے رہو۔ تقدیرِ الٰہی قطعی اور حتمی ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں۔ وہ جو خدا کے علم میں ہے، ہو کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی قوت اُسے روک نہیں سکتی۔ بڑے سے بڑا انسان بھی اپنی پوری دانش وعقل کے ساتھ تقدیر کے فیصلوں کے سامنے بیچارہ و عاجز ہے۔ جس وقت سے انسان عرصۂ شہود پر آیا ہے۔ موت کے آہنی پنجہ میں گرفتار ہے اور یہ وہ قید ہے جس سے قطعاً رہائی نہیں۔ بڑے بڑے نمارده اور فراعنہ اور وہ جنہیں خدا پر یقین نہیں، موت کا شکار ہوتے ہیں اور اس ذلت کے ساتھ کہ سارا کبر و غرور خاک میں مل گیا ہے۔ مگر مجبوری کے یہ معنی نہیں کہ ہمیں کچھ بھی اختیار نہیں۔ مسلمانوں میں تقدیر و تدبیر کے متعلق دو گروہ ہیں۔ ایک مطلقاً اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو افعال میں اپنے آپ کو مختار سمجھتے ہیں۔ دونوں کا منشا نیک ہے۔ مگر صحیح راہ درمیان و اعتدال کی ہے۔ یعنی نہ تو ہم اس درجہ مجبور ہیں کہ تکلیفِ شرعی سے ہی بے نیاز ہو جائیں اور نہ اس درجہ آزاد و خود مختار ہیں کہ خدا کی قدرتِ مطلقہ پر حرف آئے۔ ان دونوں کے بین بین ہمیں اختیار بھی حاصل ہے۔ اور قدرے مجبور بھی ہیں۔ اور جس حد تک ہم مختار ہیں، اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں۔ کوئی سمجھ دار انسان اس سے انکار نہیں کر سکے گا کہ ہمارے بعض افعال ضرور ایسے ہیں جنہیں ذمہ دارانہ افعال کہا جا سکتا ہے اور یہی وہ قدر ہے جس پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔

ف۲ ان آیات میں دوبارہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزش کو ظاہر کیا ہے اور ساتھ ہی اعلانِ عفو بھی فرمایا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اب اُن پر اعتراض کرنا گناہ ہے اور ہم تو قطعی استحقاق نہیں رکھتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرزِ عمل پر تنقید کریں۔ ہم جو سر سے پاؤں تک گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہیں، کیونکر ان پاکیزہ روح لوگوں پر اعتراض کریں جو عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ ہمارے اعمال کی حقیقت یہ ہے کہ ہماری تمام نیکیاں اُن کے ایثار و خلوص کے مقابلہ میں پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی جگہ وہ بتقاضائے بشری اپنی کمزوریوں سے واقف ہوں اور خائف ہوں۔ ہم جس مقام میں ہیں، ہمیں قطعاً زیبا نہیں کہ مزکی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر زبانِ طعن دراز کریں۔

اَعَاذَنَا اللّٰهُ عَنْهُ

اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

دلوں میں اس بات سے حسرت پیدا کرے۔ حالانکہ اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور خدا تمہارے کام دیکھتا ہے ۝

۱۵۷- وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

۱۵۷- اور اگر خدا کی راہ میں تم مارے جاؤ یا مر جاؤ تو خدا کی رحمت اور مغفرت اس سے بہتر ہے۔ جو تم دنیا میں جمع کرتے ہو ۝

۱۵۸- وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

۱۵۸- اور اگر تم مر گئے یا قتل ہوئے تو اللہ ہی کی طرف جمع ہو گے[۱] ۝

۱۵۹- فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

۱۵۹- سو خدا کی مہربانی ہے کہ تو (اے محمدؐ) اُن کے لئے نرم دل ہو گیا اور اگر تو سخت گو اور سخت دل ہوتا تو وہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے۔ سو تو اُن کو معاف[۲] کر اور اُن کے لئے مغفرت مانگ، اور کام میں اُن سے مشورہ[۳] لے۔ پھر جب تو اس بات کا قصد

بہترین پُونجی

[۱] خدا کی راہ میں مر جانا اور جان سے کھیل جانا بہترین زادِ راہ ہے جو آخرت کی کٹھن منزل میں ہمارے کام آئے گا۔ وہ لوگ جو دُنیا کی لذات میں "خود فراموشی" کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے نصب العین کو بھول جاتے ہیں، ایسے بے وقوف مسافر کی طرح ہیں جو راہ کی دلچسپیوں میں پڑ کر مقصودِ سفر کو کھو دیتے ہیں۔ اور جو شاہدِ مقصود تک پہنچنے کے لئے اپنی پوری قوتوں کے ساتھ کوشاں ہوتے ہیں، وہ قطعی ساحلِ مراد پر پہنچ کر رہتے ہیں۔ اِن دو آیتوں میں شہادت کے اسی متاعِ ثمین کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

بادشاہِ اقلیم وعفو [۲] عسکری قانون یہ ہے کہ جو لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں، انہیں جان سے مار دیا جائے۔ مگر شہنشاہِ اخلاق چونکہ صرف سالارِ عسکر ہی نہیں تھے، طبیبِ امراضِ قلوب بھی تھے، اس لئے لوگوں کو معاف کر دیا اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔

اس آیت میں اسی خلقِ عظیم کی تشریح ہے کہ آپ رحمتِ خداوندی کے مظہرِ اتم ہیں اور بالخصوص خدائے رحیم نے آپؐ کو لوائے عفو و اغماض دے کر بھیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں پروانے آپؐ کے گرداگرد جمع ہیں اور اکتسابِ ضو میں مصروف ہیں۔ پس آپؐ ان سے عفو و استغفار کا سلوک روا رکھیں اور ہر بات میں ان سے مشورہ کریں تاکہ ایک طرف ان کی دلجوئی ہو جائے اور دوسری طرف یہ لوگ اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔

شُورائی نظامِ حکومت [۳] باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ الہام و وحی ہیں۔ ہر آن مظہر مہبطِ انوار و تجلیات ہیں۔ مجبور ہیں کہ نظامِ حکومت شورائی رکھیں۔ آپؐ کا نطق نطقِ خدا ہے۔ پھر بھی خطاکاروں سے مشورہ طلبی کا حکم ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام بہرحال ایک ایسے نظامِ حکومت کا مؤید ہے جس میں تمام قوم کے جذبات و خیالات کی صحیح صحیح ترجمانی ہو۔

یورپ آج جمہوریت کے تخیل کو وضع کر سکا ہے اور اس میں بھی صدہا نقائص ہیں۔ مگر اسلام آج سے تیرہ صدیاں پہلے اس حقیقت کو بیان کر چکا ہے۔

عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝

کر چکے تو تُو خدا پر بھروسہ کر۔ بے شک خُدا توکّل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[1] ۝

۱۶۰۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

۱۶۰۔ اگر خدا تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور اگر وُہ تمہیں چھوڑ دے گا تو اُس کے بعد کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور چاہیئے کہ ایمان دار خُدا ہی پر بھروسہ رکھیں ۝

۱۶۱۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

۱۶۱۔ اور نبیؐ کی شان نہیں کہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا، قیامت کے دن اُس چیز کو کہ خیانت کی لائے گا۔ پھر ہر کسی کو اُس کی کمائی کا پُورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا[2] ۝

۱۶۲۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

۱۶۲۔ بھلا جو شخص خدا کی مرضی کے تابع ہے، کیا اُس کے برابر ہے جو خدا کا غصّہ کما لایا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بُری جگہ ہے ۝

صدرِ شورائیہ کے اختیارات

[1] فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب فرمایا ہے۔ یعنی مشورہ طلبی کا مطلب صرف یہ ہے کہ قوم کے خیالات معلوم کئے جائیں۔ مگر آخری اختیارات آپؐ کو حاصل ہیں۔

اس سے موجودہ نظامِ جمہوریت کا بنیادی نقص واضح ہے۔ یعنی امیرِ جماعت یا خلیفہ صرف نمائندہ ہی نہیں ہوتا، بلکہ قائد بھی ہوتا ہے۔ اِس لئے صرف آراء کا شمار کافی نہیں۔ صدر کو اپنے اختیارات سے کام لینا چاہیئے۔ موجودہ نظام میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ صدر محض نمائندہ ہوتا ہے اور اس طرح ووٹ دیانتداری پر مبنی نہیں ہوتے۔ محض پارٹی بازی کے لیے ووٹ بڑھائے جاتے ہیں۔ صدر کو آخری اختیارات تفویض کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ پارٹی بازی ختم ہو جائے گی۔

[2] اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبیؐ انتہا درجہ کا دیانت دار ہوتا ہے۔ اس کی طرف ادنیٰ خیانت کا انتساب بھی گناہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض شرفاء نے خواہش کی تھی کہ ہمیں ہمارے مقررہ حق سے کچھ زاید دیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبیؐ اس نوع کی غیر منصفانہ تقسیم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ لفظ غلول کی بہر حال عام ہے۔ نبیؐ ہر نوع کی خیانت سے بالا ہے۔

حلِّ لغات

يَغُلَّ۔ مصدر غلول۔ خیانت۔ بد دیانتی۔
بَاۗءَ۔ لوٹا۔ پھرا۔
مَاْوٰى۔ ٹھکانا۔ جگہ۔

۱۶۳- هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○

۱۶۳- خدا کے نزدیک ان لوگوں کے درجے ہیں۔ اور جو وہ کرتے ہیں، خدا دیکھتا ہے[1] ○

۱۶۴- لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

۱۶۴- بے شک خدا نے مومنوں پر احسان کیا کہ اُن میں اُنہیں کے درمیان سے ایک رسول ؐ اُٹھایا کہ اُس کی آیتیں اُن پر پڑھتا ہے۔ اور اُنہیں پاک کرتا اور کتاب اور کام کی بات سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ پہلے صریح گمراہی میں تھے[2] ○

۱۶۵- اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

۱۶۵- کیا تم کو جب ایک مصیبت پہنچی اور تم اُن کو (یعنی کفارِ مکہ کو) دو چند (یعنی قتل و قید) پہنچا چکے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی۔ تو کہہ کہ یہ تمہاری جانوں کی طرف سے آئی۔ بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے ○

النصف

ف۱ اس آیت میں بتایا ہے کہ مجاہدین جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے ہیں، وہ اُن سے یقیناً بہتر ہیں جو گھروں میں بیٹھے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

مجاہدین کی نسبت ارشاد ہے کہ هُمْ دَرَجٰتٌ یعنی وہ اپنی جانفروشیوں کی قیمت آپ ہیں۔ وہ مجسمۂ اجر و ثواب ہیں۔

ف۲ اس آیت میں اللہ نے اس احسانِ عظیم کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے کونین کی لذتوں کو حاصل کیا۔

نوعِ انسانی کا سب سے بڑا محسن

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے پہلے مطلعِ عالم پر جہل و جمود کے تاریک بادل چھا رہے تھے۔ دنیا اخلاقی برائیوں کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ ایران سے لے کر رُوم تک انسانیت کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ ہندوستان جو حکمت و دانائی کے لئے ہمیشہ سے "مشہور ہے" اُس وقت عقیم ہو چکا تھا۔ زبردست زیردستوں کا خون چُوس رہے تھے اور زیردست نہایت انکسار کے ساتھ زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ علم کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ سارے عرب میں چند لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ باقی سارا جزیرہ جہل و نادانی کے اتھاہ سمندر میں غرق تھا۔ اِن حالات میں دنیا کا ہر ذرّہ ایک آفتابِ ہدایت کا منتظر تھا۔ جو آئے اور دُنیا والوں کو نُور و عرفان سے مجلّیٰ کر دے۔ چنانچہ وہ آیا۔ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہُوا۔ رات کی ظلمت دن کی تابندگی سے بدل گئی۔ خلاق و اصلاح کا غوغا بلند ہُوا۔ امن و صلحِ عام کی طرح ڈالی گئی اور ایک دفعہ پھر انسانیت کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا گیا۔ ساری دنیا حکمت و معرفت کے نشے میں چُور ہو گئی۔ زیردست زبردست ہو گئے اور علم کا پرچم نہایت شان سے لہرانے لگا۔ یہ کیوں ہُوا؟ اس لئے کہ جو رسول ؐ آیا، وہ کامل تھا۔ جہاں اُس نے اللہ کی آیات کی تفصیل و توضیح کی، وہاں تزکیہ و تطہیر سے بھی کام لیا۔ جہاں دماغوں کو روشنی بخشی، وہاں دلوں کی دنیا کو بھی جلوؤں سے معمُور کر دیا۔

حلِّ لُغات

مَنَّ۔ احسان کیا۔

۱۶۶- وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

۱۶۶- اور دو فوجوں کے مقابلہ کے دن جو مصیبت تم پر آئی، خدا کے حکم سے آئی تھی اور اس لئے کہ خدا ایمان داروں کو ظاہر کر دے ؎۱ ۝

۱۶۷- وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ۚ

۱۶۷- نیز اُن لوگوں کو ظاہر کرے جو منافق ہوئے اور انہیں کہا گیا کہ آؤ خدا کی راہ میں لڑو۔ یا دشمنوں کو دفع کرو تو کہنے لگے۔ اگر ہم لڑائی جانتے تو ضرور تم تمہارے ساتھ چلتے۔ اُس دن وہ لوگ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ؎۲ تھے۔ اپنے مُنہ سے وُہ کچھ کہتے ہیں جو اُن کے دِلوں میں نہیں ہے اور خُدا خوب جانتا ہے جو وُہ چھپاتے ہیں ۝

۱۶۸- اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا

۱۶۸- وہ لوگ جو آپ بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کو کہا کہ اگر وُہ ہماری مانتے تو مارے نہ جاتے۔ تُو کہہ

ف اِن آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ عارضی شکست پر گھبراؤ نہیں۔ یہ سب کچھ خدائے متعال کی مرضی و ارادے سے ہُوا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ایمان دار اور منافق میں امتیاز ہو جائے اور تم دوست اور دشمن کو پہچان لو۔

ف۲ اس آیت میں ترک جہاد کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو وقت آنے پر حیل و تدابیر تراشتے رہتے ہیں اُن کی فروں ہمتی انہیں میدانِ جہاد میں نکلنے نہیں دیتی۔ اُنہیں اپنے ایمان کی تجدید کرنا چاہیئے۔ مسلمان روزِ ازل سے توحید کا اقرار کر چکا ہے۔ اس کے لئے ناممکن ہے کہ ایک لمحہ بھی کفر سے موالات رکھے۔ کم از کم اس کے دل میں ضرور کفر و استبداد کے خلاف جذباتِ نفرت و حقارت موجزن رہتے ہیں اور اگر یہ بھی نہیں تو قرآن حمید کی یہ ڈانٹ سُن رکھیں۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ

یعنی

اُس دِن وہ لوگ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔

عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اب تم اپنی جانوں پر سے موت کو ہٹا دینا۔ اگر تم سچے ہو[1] ۝

۱۶۹- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

۱۶۹- اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں اُن کو مُردے نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں[2]۔ اپنے رب کے پاس رزق کھاتے ہیں ۝

۱۷۰- فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

۱۷۰- جو چیز اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں دی ہے اُس پر خوش ہیں اور اُن کی طرف سے جو اُن کے پیچھے ہیں اور اب تک اُن میں نہیں ملے خوشخبری لیتے ہیں یہ کہ نہ اُن پر کچھ خوف ہے اور نہ اُن کو کچھ غم ہے ۝

وقف لازم

۱۷۱- يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

۱۷۱- وہ خدا کی طرف سے نعمت اور فضل سے

ف[1] قُعُوْد استعارہ ہے تخلف عن الجہاد سے یعنی وہ مُنافقین جو جہاد میں شریک نہیں ہوتے اور طرح طرح کے فلسفے چھانٹتے ہیں۔ جن کی حیثیت فریب نفس سے زیادہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر مجاہدین جہاد میں شرکت نہ اختیار کرتے تو ضرور بچ جاتے۔

آج بھی منافقین اور پست ہمت لوگوں کا یہی وطیرہ ہے۔ جہاد اور قربانی کے نام سے کانپ اُٹھتے ہیں اور جب مجُاہدین پا بجولاں کشاں کشاں جیلوں میں جاتے ہیں تو یہ ناصح مشفق بن کر نہایت ہمدردانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اس شورش کا کیا صلہ ملا؟ یہی نا کہ یہ لوگ قید و بند کی سختیاں جھیلیں گے۔

قرآن حمید نے اِن کے اِن اعذارِ باردہ کو اِس لئے دوبارہ سہ بارہ ذکر کیا ہے، تاکہ مسلمان ہر زمانہ میں مُنافقین کی وسوسہ پردازیوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ یہ گروہ دشمنوں سے بھی زیادہ مضر ہے۔ دشمن تو واشگاف طور پر مقابلہ پر آتا ہے۔ یہ مسلمان بن کر شجرِ اسلامی کی بیخ کنی میں مصروف رہتے ہیں۔ جو سامنے سے آئے، اُس کا علاج تو ممکن ہے۔ مگر گھن کا کیا علاج۔ اس لئے اس گروہ سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

شہید زندہ ہیں

ف[2] منافقین نے جب عام مسلمانوں میں موت کا ڈر پیدا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے شہداء کو حیاتِ جاوید کی خوش خبری سنائی اور مُنافقین کو بتایا کہ جس کو تم موت سمجھتے ہو وہ قابلِ صد رشک زندگی ہے اور تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم انہیں عام انسانوں کی طرح مُردہ قرار دو۔ جو لوگ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیتے ہیں، خدا انہیں بہترین زندگی سے نوازتا ہے اور وہ صبح و مسا اللہ تعالیٰ کے حضور میں انواع و اقسام کے مرزُوقات سے کام و دہن کی تواضع کرتے رہتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ شہید جس نوع کی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ ہماری زندگی سے مختلف ہے۔ اتنا تو مسلّم ہے کہ شہداء مرنے کے بعد شہید قرار پاتے ہیں اس لئے انہیں یہ کہنا کہ وہ مرے ہی نہیں یہ سراسر غلط ہے۔ البتہ مرنے کے بعد ان کی رُوحانی زندگی اتنی پاکیزہ، بلند اور شان دار ہے کہ اسے عام موت سے تعبیر کرنا جس سے تحقیر و توہین ٹپکتی ہو، گناہ ہے۔

شہید زندہ ہیں، خدا کے حضور میں، تاریخ کے اوراق میں اور لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حلِّ لُغات

فَرِحِيْنَ۔ جمع فَرِحٌ۔ خُوش و خرّم۔

وَفَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

خوش وقت ہوتے ہیں اور اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا[1] ۝

۱۷۲- اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

۱۷۲- زخم کھانے کے بعد جن لوگوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا۔ خصوصاً اُن کے لئے جو اُن میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں، بڑا ثواب ہے[2] ۝

۱۷۳- اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝

۱۷۳- جنہیں لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے لئے لوگوں نے لشکر جمع کیا ہے تو تم اُن سے ڈرو۔ اس بات نے اُن کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے[3] ۝

۱۷۴- فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

۱۷۴- سو وہ خدا کے فضل اور نعمت کے ساتھ واپس آئے اور اُن کو کسی طرح کی بُرائی نہ پہنچی اور وہ اللہ کی مرضی پر چلے اور اللہ کا فضل بہت

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کی سبک رُوحیں طیورِ خوش منظر کی شکل میں شاداں و فرحاں جنت کے آبِ رواں پر مصروفِ پرواز رہتی ہیں۔ اس وقت انہیں احساس ہوتا ہے کہ اے کاش ہم اس حیاتِ جاوداں کے کوائف رُوح پرور کو اپنے اعزہ و اقربا تک پہنچا سکتے اور اُن کے دل میں بھی شہادت کے جامِ ارغوانی کے لئے گدگدی پیدا کرسکتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ انہیں بھی اس زندگی سے مطلع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ان کی خواہشوں میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔

[2] مسلمان جب غزوۂ اُحد سے واپس ہوئے ہیں۔ ابوسفیانؓ کو خیال آیا کہ ہم نے کیوں نہ مسلمانوں کو بالکل مار ڈالا۔ اس نے ارادہ کیا کہ چل کر ایک دفعہ پھر مسلمانوں سے جنگ ہو اور جو بچے کھچے رہ گئے ہیں، انہیں بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ارادہ کی اطلاع ہوگئی۔ آپؐ نے چند جانباز صحابہؓ کو بلایا اور کہا۔ وہی لوگ میرے ساتھ نکلیں جو پہلے ثابت قدم رہے ہیں۔ اس پر مسلمان باوجودیکہ مجروح تھے اور زخموں سے چور چور تھے، اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی شانِ منفعت نشان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہدین کا نعرۂ مستانہ

[3] بدر صغریٰ کا واقعہ ہے۔ ابوسفیان نے جب محسوس کیا کہ حسبِ وعدہ مسلمان مقامِ جنگ تک پہنچ جائیں گے تو اُس نے نعیم کو بھیجا۔ تاکہ مدینہ میں جاکر مسلمانوں کو مرعوب کرے۔ اُس نے آکر کہا۔ مسلمانو! تم کیا غضب کر رہے ہو۔ ابوسفیان پوری تیاری کے ساتھ آرہا ہے۔ مدینہ سے باہر قدم رکھا تو یاد رکھو، ایک بھی تم میں سے بچ کر نہیں آسکے گا۔ مگر مسلمان مجاہدانہ نکلے اور سالم و غانم واپس مدینہ لوٹے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ فوج کی کثرت، ساز و سامان کی چمک دمک مسلمان کے لئے مرعوب کُن نہیں ہوسکتی۔ اس سے تو اس کے دل میں اور قوت و توانائی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ کا نعرۂ مستانہ لگا کر میدانِ جنگ میں کود پڑتا ہے۔

حلِ لغات

اِسْتَجَابُوْا۔ قبول کیا۔ مان لیا۔ لبیک کہا
اَلْقَرْحُ۔ زخم۔
حَسْبُنَا۔ ہمیں بس ہے۔ ہمارے لئے کافی ہے۔
سُوْٓءٌ۔ تکلیف۔

عَظِيْمٌ ۝

بڑا ہے ۝

۱۷۵۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

۱۷۵۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ تمہیں اپنے دوستو
سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے
ڈرو۔ اگر ایمان دار ہو[1] ۝

۱۷۶۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

۱۷۶۔ اور تو اُن کی طرف سے جو کفر میں دوڑتے ہی
غمگین نہ ہو۔ وہ ہرگز خدا کو کچھ ضرر نہ پہنچ
سکیں گے۔ خدا چاہتا ہے کہ انہیں آخرت
میں کچھ حصّہ نہ دے اور اُن کے لئے بڑ
عذاب ہے[2] ۝

۱۷۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

۱۷۷۔ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا۔ وُ
ہرگز خدا کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اُ
کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے ۝

۱۷۸۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا

۱۷۸۔ اور کافر یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو اُنہیں ڈھیـ

[1] اِس آیت میں بتایا ہے کہ خوف و حُزن شیطان کی طرف سے ہے۔ وہ رگوں کو بزدل بنا دیتا ہے اور عواقب و نتائج کی بھیانک اور خوفناک تصویر پیش کر کے کم حوصلہ اور پست ہمت لوگوں کو ولولۂ جہاد سے روک دیتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو خدا پرست ہیں، وہ بجُز احکم الحاکمین کے اور کسی سے نہیں ڈرتے۔ اُن کا دل ہر قسم کے خوف و ہراس اور ہر نوع کے حُزن سے پاک ہوتا ہے۔ وہ دُنیا میں پوری بے خوفی سے رہتے ہیں۔ وہ انجام سے بے پروا ہوتے ہیں۔ وہ صرف یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ فی الحال اُن کے فرائض کیا ہیں وہ اس چیز کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتے کہ انہیں اس کے بعد کن نتائج و عواقب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ پورا پورا یقین رکھتے ہیں کہ خدا اُن کا ہر آن معاون و مددگار ہے۔

[2] انبیاء علیہم السلام کو جو محبت اپنی قوم کے ساتھ ہوتی ہے، اُس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر وقت قوم کے درد میں بے چین رہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب یہ دیکھتے کہ باوجود میری ہر ممکن سعی اصلاح کے یہ لوگ کفر و طغیان کی جانب زیادہ مائل ہیں اور بُرے کاموں سے انہیں زیادہ رغبت ہے تو مارے دُکھ اور تکلیف کے بے قرار ہو جاتے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے بطور تسلی فرمایا کہ آپ بے کل نہ ہوں۔ یہ لوگ اپنی معاندانہ روش سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ جس مشن کو لے کر اُٹھے ہیں، ضرور کامیابی عنایت ہوگی اور لوگ جوق در جوق دینِ حنیف کو قبول کریں گے اور بہت سی سعید رُوحیں ایسی ہیں جو اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ یہ اگر نہیں مانتے تو نہ سہی۔ ان کا اپنا ہی نقصان ہے۔

حلِ لُغات

اَوْلِيَآءَ۔ دوست۔ بھائی بند۔
حَظًّا۔ حصّہ۔ بہرہ بخرہ۔

نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

۱۷۹- مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

دیتے ہیں، وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم تو انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھتے جائیں اور اُن کے لئے رسوائی والا عذاب ہے ○

۱۷۹- اور خدا ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑے رکھے جس پر تم اب ہو۔ یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے۔ اور خدا ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے[ف] لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کی خبر کے لئے) چن لیتا ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے ○

امتیازِ حق و باطل [ف] یہ آیت بھی سیاق اُحد میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ تمام مصائب جو اس جنگ میں برداشت کرنے پڑے ہیں، یہ سب اس لئے تھے، تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ زیادہ دیر تک منافقین و کم ہمت لوگ مسلمانوں میں ملے جلے رہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ دونوں فریق الگ الگ اور ممتاز ہو جائیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ مخلص و غیر مخلص میں جو اختلاف ہے، یہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کون دل میں ایمان کی پونجی مستتر رکھتا ہے اور کون ہے جس کا دل خبث و نفاق سے متعفن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے تمہیں آگاہ کیا اور یہ خدا کا قانون ہے کہ وہ پیغمبرؐ کی وساطت سے ہی امورِ غیب کی اطلاع دیا کرتا ہے۔ اس سے مقصود پیغمبرؐ کی اہمیت محسوس کرانا ہے کہ اس کا وجودِ مسعود کتنا باعثِ برکت و سعادت ہے۔

اس آیت میں چند نکات قابلِ غور ہیں:-

۱- یہ کہ رسولؐ بجائے خود حجت و دلیل ہے۔ اس کی وساطت تشریحاتِ غیبیہ کے لئے از بس ضروری ہے۔ اس کا ہر قول اور ہر فعل شریعت و قانون ہے جس سے بے نیازی الحاد ہے۔

۲- یہ کہ نبوت اجتباءِ الٰہی کا ثمرہ و نتیجہ ہے، کسب و اجتہاد کا نہیں۔

۳- یہ کہ بجز رسولؐ کے "اطلاع علی الغیب" یقینی و حتمی طور پر اور کسی کے لئے نہ ماننا چاہئے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ میں عام دعوتِ ایمان ہے۔ رُسُل کو بصیغۂ جمع رکھنے میں مصلحت یہ پیشِ نظر ہے کہ اسلام انبیاءؑ میں تفریق کو پسند نہیں کرتا۔ وہ بیک وقت اسلام اور تمام انبیاءؑ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ایک سچے نبی کا انکار تمام انبیاءؑ کا انکار ہے۔ فاضل رازی کہتے ہیں۔ فَمَنْ اَقَرَّ بِنُبُوَّةِ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ بِنُبُوَّةِ الْكُلِّ۔

بعض فریب خوردہ جہلا نے یہ سمجھا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی فرقانِ حمید کے نظامِ عقائد کے خلاف ہے۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر نبوت کے دروازوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیا گیا ہے۔

اَلْغَيْب کے معنی قرآن کی اصطلاح میں امورِ شرعیہ ہیں جو عام انسان اپنی عقل و تدبیر سے نہیں جان سکتے۔ مطلقاً امور کون مراد نہیں کیونکہ ان کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں۔ وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا هُوَ۔

حلِ لغات

نُمْلِيْ۔ مصدر املاء۔ ڈھیل دینا + اَلْخَبِيْث۔ ناپاک۔

۱۸۰- وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۟ع

۱۸۰- اور جنہیں خدا نے کچھ اپنے فضل سے دیا ہے اور وہ اُس میں بخل کرتے ہیں، نہ سمجھیں کہ یہ اُن کے حق میں بہتر ہے۔ بلکہ یہ اُن کے حق میں بُرا ہے۔ جس پر وہ بخل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اُن کے گلے کا طوق ہوگا[1] اور زمین و آسمان کی میراث اللہ کی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبر دار ہے[2] ۝

۱۸۱- لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

۱۸۱- خدا نے ان کی بات جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں، سُن لی۔ اب ہم جو انہوں نے کہا ہے، لکھ رکھیں گے۔ اور نبیوں کا ناحق قتل کرنا بھی۔ اور ہم کہیں گے جلن کا عذاب چکھو[3] ۝

۱۸۲- ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

۱۸۲- یہ اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۝

[1] ان آیات میں سرمایہ داری کی مخالفت نہایت مؤثر انداز میں بیان کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ مال و دولت کا وہ حصّہ جو خدا کی راہ میں خرچ نہ ہو، قیامت کے دن اُن کے لئے طوق و سلاسل ہو جائے گا۔

[2] اس آیت میں اشتراکیت کا وہ بلند اصُول بتایا گیا ہے جس تک ہنوز ہمارے سوشلسٹ نہیں پہنچ سکے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ میراث و ملک حقیقۃً صرف رب السّمٰوٰت کے لئے ہے۔ البتہ دنیا داروں کو بطورِ امانت کے سپرد کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ اُس کا صحیح استعمال کریں۔

[3] بعض دفعہ یہودی سرمایہ داری کے نشے میں بے خُود ہو کر ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں جس سے خُداوندِ ذوالجلال کی توہین مترشح ہوتی۔ مثلاً جب حضرت ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دعوت نامہ دے کر قبیلۂ بنی قینقاع کی طرف بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ تم اسلام قبول کر لو اور صلوٰۃ و زکوٰۃ ادا کرو۔ تو انہوں نے ازراہِ مزاح کہا "کیا خدا فقیر ہے کہ اُسے ہمارے صدقات کی ضرُورت ہے"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سخت گستاخی ہے۔ یاد رکھو تمہاری اس گستاخی کا علاج سخت ترین عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ جلال میں اس نوع کے کلمات بہت بُرے ہیں۔

حلِ لغات

يُطَوَّقُوْنَ۔ مادہ تطویق۔ طوق پہنانا۔

بِغَيْرِ حَقٍّ۔ نادرست طور پر۔ ناحق۔ ناجائز۔

۱۸۳۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

۱۸۳۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ خدا نے ہم سے عہد کر لیا ہے کہ ہم کسی رسول کو یقین نہ کریں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی (اللہ کو) نہ چڑھائے کہ اُس کو آگ کھا جائے۔ تو کہہ مجھ سے پہلے کتنے رسول کُھلے نشان اور یہی چیز (یعنی قربانی مذکورہ) جو تم کہتے ہو لے کے تمہارے پاس آچکے ہیں۔ پھر تم نے اُن کو قتل کیوں کیا تھا؟ اگر تم سچے ہو ○

۱۸۴۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○

۱۸۴۔ پھر اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے کتنے رسولؑ کہ نشانیاں اور ورق اور چمکتی کتاب لے کے آئے تھے، جھٹلائے گئے ہیں ○

سوختنی قربانی

ف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعب اشرف، کعب بن اسد اور دُوسرے اکابر یہود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ توراۃ میں لکھا ہے جب تک کوئی نبی سوختنی قربانی کا معجزہ نہ دکھلائے، قابل تسلیم نہیں۔ اور اس کی صُورت یہ ہے کہ ذبیحہ ایک مخصوص مکان میں رکھا جائے جس کی چھت نہ ہو۔ آسمان سے آگ نازل ہو جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور وہ آکر اس ذبیحہ کو جلا دے۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس نوع کا مطالبہ یہودیوں کی طرف سے بعید نہیں۔ اس لئے کہ وہ سخت جامد اور اوہام پرست تھے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ توراۃ میں سرے سے نبوّت کا یہ معیار ہی مذکور نہیں اور قرآن حکیم کے الفاظ یہ ہیں کہ یہودی کہتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں کو اپنے مذہبی عقیدہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کے متعلق شبہ تھا۔ مگر وہ مذہبی عقیدہ کیا تھا؟ اس کی پُوری تفصیل قرآن حکیم میں مذکور نہیں۔ توراۃ کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوختنی قربانی کا یہودیوں میں بہت رواج تھا۔ ممکن ہے یہودیوں نے جب یہ دیکھا ہو کہ مسلمان قربانی کو جلاتے نہیں، کھاتے ہیں تو اُن کے دل میں شبہ پیدا ہُوا ہو کہ یہ ہماری روایاتِ مذہبی کے خلاف ہے ۔۔۔ لئے صحیح نہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں آگ کے آسمان سے اُترنے کا کہیں ذکر نہیں اور نہ کسی صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ پہلے آگ آسمان سے اُترا کرتی تھی (بجز اس قسم کی روایات کے جو تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں اور مستند نہیں) اس لئے صاف ظاہر معنی یہ ہوں گے کہ یہودیوں کا مطالبہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوختنی قربانی کو اُن کے سامنے پیش کریں۔

اس شبہ کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ تم ان سے پُوچھو کہ اُنہوں نے پہلے انبیاءؑ کا کیوں انکار کیا؟ حالانکہ انہوں نے اُن کے عام مطالبات کو پورا کیا تھا۔

بات یہ ہے کہ لوگ انکار کرنے کے بعد دل کو تسلّی دینے کے لئے اس قبیل کے بہلانے گھڑ لیتے ہیں۔ ورنہ خدا کے سچّے پیغمبروںؑ نے اُن کے اطمینان کے لئے کیا کیا نہیں کیا۔ دلائل و براہین کا انبار لگا دیا۔ معجزات و خوارق سے یہ ورطۂ حیرت میں گم ہو گئے مگر پھر بھی انکار بدستور رہا اور یہی کہتے رہے۔ یہ جادُو ہے اور ہماری آنکھیں عملِ سحر سے متاثر کر لی گئی ہیں۔

حلِ لُغات

تَاْكُلُهُ النَّارُ۔ آگ نے اُسے بھسم کر دیا۔ جلا دیا۔
زُبُرِ۔ کتابیں۔ صحیفے۔

۱۸۵۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ○

۱۸۵۔ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم کو پُورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن۔ سو جو دوزخ سے دُور کیا گیا اور جنّت میں داخل کیا گیا، وہی مُراد کو پہنچا۔ اور دُنیا کی زندگی صرف غرور کی پُونجی ہے[۱] ○

۱۸۶۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوٓا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○

۱۸۶۔ تم اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں آزمائے جاؤ گے۔ اور تم ضرور اہلِ کتاب سے اور مُشرکین سے ایذا کی بہت سی باتیں سُنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگار رہو تو یہ ہمّت کے کاموں میں سے ہے[۲] ○

۱۸۷۔ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ

۱۸۷۔ اور جب خدا نے اہلِ کتاب سے عہد

[۱]

اِس آیت میں حیاتِ فانی کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا ہے کہ ہر شخص جُرعۂ موت سے کام و دہن تر کرے گا۔ اس لئے وہ جو مقصودِ اصلی ہے، نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ عمرِ عزیز کا ایک ایک لمحہ نصب العین کی طرف اقدام میں صرف ہو۔ وہ شخص جو دائمی و اُخروی زندگی میں آگ کے عذاب سے بچ گیا اور جنّت کے زینوں پر چڑھ گیا۔ جان لیجئے کہ وہ کامیاب ہے اور وہ جس کی ساری تگ و دَو دُنیا کے حصول تک محدود رہی، وہ دھوکے میں ہے۔

دنیا کو مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کہنا درست واقعہ ہے۔ بڑے بڑے سمجھدار لوگ دُنیا کی صحیح حیثیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قرآنِ حکیم کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے، بلکہ یہ ہے کہ دنیا کو نصب العین کا درجہ نہ دیا جائے۔ جس کی تشریح آیندہ آیات میں مذکور ہے۔

[۲]

یعنی مال و دولت کا حصول گناہ نہیں۔ البتّہ اللہ کے امتحانوں میں پُورا نہ اترنا معصیت و کجروی ہے۔

اللہ تعالیٰ اِن آیات میں فرماتا ہے کہ مُسلمان کے لئے کڑی مصیبتیں آئیں گی۔ وہ مجبور ہے کہ برداشت کرے۔ شرک و کفر کے حلقوں سے اُسے دُکھ پہنچے گا۔ مگر وہ صبر اور استقامت سے کام لے۔ یہی بات اللہ کو پسند ہے اور یہی عزیمت ہے۔

حلِّ لُغات

زُحْزِحَ۔ دُور کیا گیا۔ ہٹا دیا۔
مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ فریب والا سودا۔

أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○

لیا تھا کہ تم اس کتاب کا بیان لوگوں سے کرو گے اور اُسے نہ چھپاؤ۔ سو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اُس کے مقابلہ میں حقیر قیمت[۱] خریدی۔ سو انہوں نے کیسی بُری شئے خریدی ○

۱۸۸۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

۱۸۸۔ وہ جو اپنے کئے پر خوش ہوتے اور جو نہیں کیا اس پر اپنی تعریف[۲] چاہتے ہیں۔ اُن کو عذاب سے چھوٹا ہوا نہ جان۔ اور اُن کو دُکھ دینے والا عذاب ہے[۳] ○

۱۸۹۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ ع

۱۸۹۔ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت خدا ہی کی ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے ○ ع

۱۹۰۔ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

۱۹۰۔ بے شک آسمان کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے

ف۱

اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر اہلِ کتاب مکلّف ہے کہ خدا کے احکام کو با لوضاحت دوسروں تک پہنچائے اور کسی قسم کی تحریف سے کام نہ لے۔ مگر یہودیوں نے محض اس لئے حقائق کو بدل دیا کہ اس سے ان کا دنیوی مفاد متعلق تھا۔
ہر معاوضہ جو حق وصداقت کے بدلے قبول کیا جائے، قرآن مجید کی اصطلاح میں وہ ثمنِ قلیل ہے یعنی ایک ایسی حقیر رقم جو بمقابلہ اُخروی انعام کے نہایت کم ہے۔

ف۲

آیت کے نزول میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جیسے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد محرفین یہود ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا ہر بد باطن اور بُرا آدمی قدرتی طور پر چاہتا ہے کہ میرے ایمان کی تعریف کی جائے۔ قرآن نے درحقیقت اسی نفسیتِ ستائش طلب کی توضیح کی ہے اور بتایا ہے کہ اہلِ حق وصداقت سے ان لوگوں کی اس قسم کی توقعات ناجائز ہیں۔ وہ ان کے نفاق، تحریف اور مداہنت کی تعریف نہیں کر سکتے۔

ف۳

مقصد یہ ہے کہ خدا کی قدرتیں نہایت وسیع ہیں۔ یہ لوگ دھوکے میں نہ رہیں۔ وہ ان کے حالات کو خوب جانتا ہے اور اس میں یہ طاقت ہے کہ ایک لمحہ میں زمین و آسمان کو اُلٹ دے اور اُن کو پیس کر رکھ دے۔

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

۱۹۱- اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

۱۹۲- رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

۱۹۳- رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ

نشان ہیں ف۱ ۝

۱۹۱- اُن کے لئے جو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے خُدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور آسمان و زمین کی پیدائش میں دھیان کرتے ہیں کہ اے ربّ! تُو نے یہ عبث پیدا نہیں کیا۔ تُو پاک ہے۔ سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ف۲ ۝

۱۹۲- اے ہمارے ربّ! جسے تُو نے دوزخ میں ڈالا۔ اُس کو تُو نے رُسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۝

۱۹۳- اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا جو ایمان کے لئے پکارتا ہے کہ اپنے ربّ پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے ربّ! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری بدیوں کو دُور کر اور ہمیں نیک

ف۱ یعنی جس طرح نظام کواکب میں ہر آن تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور وقت و زمانہ صبح و مسا کے تغیرات سے محفوظ نہیں۔ اسی طرح کفر و ایمان میں باہمی آویزش ہے اور ضرور ہے کہ کفر کی تاریکی کے بعد ایمان کی روشنی کا زمانہ آئے۔ اور پھر جس طرح رات اور دن میں اختلاف ہے، اسی طرح حق و باطل میں بیّن اور واضح امتیاز ہے اور جس طرح رات کے بعد سپیدۂ سحر نمودار ہوتا ہے، اسی طرح مایوسیوں کے بعد اُمیدوں کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور جس طرح یہ درست ہے کہ تاریکیاں اُجالے سے بدل جاتی ہیں، اسی طرح موت کے اندھیرے حیاتِ مابعد کی صُورت اختیار کریں گے اور جس طرح یہ حقیقت ہے کہ آفتابِ صبح کے طلُوع ہونے کے بعد آسمان پر کوئی ستارہ نہیں چمکتا اسی طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جو خاورِ نبوّت ہیں آسمانِ ہدایت پر کوئی اور ستارہ طلوع نہیں ہوگا۔

اسی طرح کے کئی دلائل و شواہد ہیں جو روزمرّہ کے اختلافِ لیل و نہار میں مخفی ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اہلِ عقل و دانش اس جانب متوجّہ ہوں۔

یہ قرآنِ حکیم کا اعجازِ بیان ہے کہ وہ ایک جملہ میں معارف و نکات کا دریا بہا دیتا ہے۔

فلسفۂ مذہب ف۲ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ عقل مند اور خورد و دانش وہ لوگ ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور ہر حالت میں خدائے ذوالجلال کی تعریف و توصیف میں رطبُ اللسان رہتے ہیں۔ جو آسمان و زمین کے اسرار و خفایا کے متعلق غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ اے ربّ! تُو نے کسی چیز کو بے کار نہیں پیدا کیا۔ اور اس کے بعد وہ اپنی زندگی بالکل قدرتی اور طبعی بنا لیتے ہیں۔ تاکہ عذاب و سخطِ الٰہی سے بچ جائیں۔

مقصد یہ ہے کہ طبیعات اور ناموساتِ الٰہیّہ میں غور و فکر انسان کو خدا پرست بنا دیتا ہے اور اس میں یہ یقین پیدا کر دیتا ہے کہ کائنات کی چیزیں بخت و اتّفاق کا نتیجہ نہیں، بلکہ زبردست قدرت و عقل کا کرشمہ ہیں۔ اور وہ لوگ جو حکمت و فلسفہ کو مذہب کے منافی خیال کرتے ہیں، وہ یا تو مذہب کی رُوح سے ناواقف ہیں یا عقل و فکر کی حدُود سے نابلد اور بے بہرہ!

الْاَبْرَارِ ۝

۱۹۴- رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

۱۹۵- فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

۱۹۶- لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کرداروں کے ساتھ وفات دے ۝

۱۹۴- اے ہمارے رب! جو تو نے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا ہے، وہ ہمیں عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے ۝

۱۹۵- پھر اُن کے ربّ نے اُن کی دُعا قبول کی کہ مَیں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک ہو۔ پھر وہ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے۔ اور لڑے اور مارے گئے، مَیں ضرور اُن کی بدیوں کو دُور کروں گا اور اُن کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، داخل کروں گا۔ یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے ۝

۱۹۶- (اے محمدؐ) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا

دعوتِ ایمان ف ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ آسمان و زمین کے متعلق صحیح غور و فکر ذوقِ عبادت و ایمان کی رُوح پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کو اُٹھتے، آسمان کی طرف چشمِ بصیرت سے دیکھتے اور غور و فکر کی وجہ سے بے اختیار پکار اُٹھتے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ اور سوچو کیا یہی وہ نتیجہ نہیں جو ایک مفکرِ طبیعات کے دماغ میں پہلے پہل چمکتا ہے تم خود کائنات کے اسرار و خفایا کے متعلق حکیمانہ تدبّر سے کام لو۔ ذرہ ذرہ سے یہی صدا سُنائی دے گی۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ

قرآنِ حکیم کا یہ مخصوص انداز و دلائل ہے کہ وہ ایسے حقائق پیش کرتا ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہی غور و فکر کے نتائج ہیں۔ یہ آیات فلسفہ و مذہب کے قریب ترین حدود سے ہمارا تعارف کراتی ہے۔ ہر صحیح الدماغ اور عقل مند انسان جب دعوتِ ایمان و ایقان پر غور کرتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے اٰمَنَّا کہ اے ربّ! ہم نے تیری طرف بُلانے والے کی آواز کو سُنا۔ اس لئے ہم آج سے ایمان کے شیدائی ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مطالبۂ استغفار و تکفیرِ گناہ ہے۔ اور خدا کا وعدہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو ضائع نہیں کریں گے تمہیں جنّت میں جگہ دیں گے اور تمام گناہوں کو معاف کر دیں گے یہ اس لئے کہ تم نے صرف ہماری خاطر آرام و آسائش کو چھوڑا۔ ہجرت اختیار کی اور کڑی سے کڑی مصیبتیں جھیلیں۔ اہلِ کفر سے لڑے اور جامِ شہادت نوش کیا یعنی حُسنِ مآب یا بہترین زندگی ایثار و قربانی ہی سے حاصل ہوتی ہے اور صحیح ایمان وہی ہے جو مسلمان کو کفر و الحاد پر آتش زیر پا کر دے۔ وہ مجبور ہو جائے کہ اس سے لڑے۔

حلِ لُغات:- اَلْاَبْرَارِ- نیک- صالح-

فِي الْبِلَادِ ۝

١٩٧- مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

١٩٨- لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝

١٩٩- وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

تجھے دھوکے میں نہ ڈالے [ف۱] ۝

١٩٧- یہ اُن کے لئے تھوڑا سا فائدہ ہے پھر اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا بچھونا ہے ۝

١٩٨- لیکن جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مہمانی ہے خدا کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس موجود ہے، وہ نیکوں کے لئے بہتر ہے ۝

١٩٩- اور اہلِ کتاب میں سے بعض ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے اور اُس پر بھی جو تم (مسلمانوں) پر نازل ہُوا اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل ہُوا۔ خدا کے آگے ڈرتے ہیں اور خدا کی آیتوں پر حقیر قیمت نہیں لیتے۔ انہیں کو اُن کے ربّ سے بدلہ ملے گا۔ بے شک خدا جلد حساب لینے والا ہے [ف۲] ۝

ف یعنی اہل کفر کا مختلف شہروں میں رہنا۔ اُن کی وسعتِ مادی۔ ساز و سامان کی کثرت درحقیقت کوئی چیز نہیں۔

بات یہ تھی کہ قریش مکّہ تجارت کے سلسلہ میں سارے ملک میں گھومتے پھرتے۔ یہودی بھی دولت مند ہونے کی وجہ سے عیش و عشرت سے بسر کرتے تھے۔ مسلمان جب دیکھتے تو انہیں خیال ہوتا کہ ہم خدا کو ماننے والے ہیں اور عسرت و تنگ دستی میں بسر کرتے ہیں اور وہ جو مستحق عذاب ہیں، رفاہت سے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ چند دنوں تک ایسا ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ ان کی امارت و تموّل برباد ہو گیا۔ اور نہایت ذلت اور مسکنت سے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اہلِ کفر کو اُس وقت تک ڈھیل دیتے ہیں جب تک وہ معصیت و سرکشی کی حدود سے نہیں گزر جاتے اور جب تک کہ وہ خود اپنی ہلاکت کا سامان پیدا انہیں کر لیتے۔ اور جب وہ بالکل آمادۂ موت ہوتے ہیں تو زمانہ کی ایک ہی گردش سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتے ہیں۔

ف۲ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بعض اہلِ کتاب ایسے بھی ہیں جو قطعاً متعصّب نہیں۔ وہ جب کتاب اللہ کو سُنتے اور سمجھتے ہیں تو ایمان لے آنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ جن آیات میں اہلِ کتاب کے ایمان لے آنے کا ذکر ہے، اس سے مُراد کامل اسلام قبول کرنا ہے نہ کہ صرف ایمان باللہ۔ کیونکہ اس آیت میں وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ کی تصریح موجود ہے۔

حلِّ لغات

تَقَلُّبُ۔ چلنا پھرنا۔

نُزُلٌ۔ مہمانی۔ جو شے سب سے پہلے مہمان کے سامنے رکھی جائے۔ اہلِ جنّت کو مہمان کہنے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح مہمان کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا جاتا، اسی طرح یہ لوگ مہمانوں کی طرح خدا کے ہاں رہیں گے۔

۲۰۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ع

۲۰۰۔ مومنو! ثابت قدم رہو اور مضبوطی پکڑو اور (جہاد میں) لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ شاید تم اپنی مراد کو پہنچو۔ ۝ [ف۱]

اٰیاتُہا ۱۷۶	(۴) سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ	رکوعاتہا ۲۴

(۴) سُورۂ نساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

(شروع) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ۝

۱۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝

۱۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص (یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا [ف۲] اور اُسی سے جوڑا بنایا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اور اُس سے ڈرو جس کے نام سے تم سوال کرتے ہو اور ڈرو قرابت والوں سے۔ بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے ۝

ف۱ اِس آیت پر سُورۃ آلِ عمران کا اختتام ہے اور اس میں تقریباً تمام اُن اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے جو کامیاب انسان کے لئے ضروری ہیں۔ صبر، مصابرہ اور رباط۔ یہ تین چیزیں ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ صبر کے معنی حسب ذیل ہیں:۔
(۱) توحید و معرفت میں غور و فکر (۲) فرائض و مندوبات پر مداومت (۳) مشتبہات سے احتراز۔
کیونکہ ان ہر سہ معانی میں مشقت و کوفت ہے جس کا برداشت کر لینا صبر ہے۔ وقتِ نظر کی مشکلات سے کون ناواقف ہے۔ فرائض و مندوبات پر مداومت بھی دشوار ہے اور منہیات سے احتراز تو بہت ہی مشکل امر ہے۔
اس کے بعد "مصابرہ" کا درجہ ہے۔ مصابرہ کہتے ہیں ہر اُس تکلیف کے برداشت کرنے کو جس کا تعلق دُوسرے نفس سے ہے۔ یعنی اعزّہ و اقارب کی تکلیفیں، اہلِ ملک و ملت کی تکلیفیں اور مخالفین غیر حکومت کے مصائب و مظالم۔ جو شخص ان مشکلات کو برداشت کر لے وہ مصابر ہے۔
اس کے بعد "رباط" کی تلقین ہے۔ رباط لُغتہً گھوڑے باندھنے کو کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مخالفین کے لئے ہر وقت خیل و حشم کے ساتھ تیار رہو۔

سُورۂ نساء یہ سُورۃ مدنی ہے جس فلسفۂ تدبیرِ منزل سے بحث ہے اور بتایا ہے کہ وہ کون سے رشتے ہیں جو قابلِ لحاظ و مُروّت ہیں اور عورتوں کے حقوق و واجبات کیا ہیں۔ درمیان میں کئی مسائل آ گئے مگر چونکہ سُورت کا اہم مضمون عورتوں کا منصب و درجہ کی تعیین ہے، اس لئے سُورت کا نام ہی نساء رکھ دیا قرآنِ حکیم اس حیثیت سے دنیائے مذاہب کی پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں بالخصوص عورتوں کو قابلِ درجہ درجہ دیا گیا ہے اور ان کے نام پر قرآن مجید کا ایک حصّہ موسوم کر دیا گیا ہے۔
ف۲ اس آیت میں اس عظیم حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ سارا عالمِ انسانیت ایک کنبہ ہے جس کے تمام افراد مرد و عورت اور اطفال اولاد کی شکل میں زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ بندوں پر شفقت کا جذبہ بھی موجود رہے۔ اور دین و مذہب کا منشاء اس وقت تک پُورا نہیں ہوتا جب تک کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال نہ رکھا جائے۔ اسلام نے اس مسئلہ پر بڑا زور دیا ہے کہ مذہب کے مفہوم کو صرف عبادت پر محصور و موقوف نہ سمجھا جائے، بلکہ اس میں اتنی وسعت دے کہ تمام تمدنی ضروریات سما جائیں۔
حلِ لغات:۔ رَقِيْبًا۔ نگہبان اور محافظ۔

۲- وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

۲- اور یتیموں کو اُن کے مال دے دو اور پاک سے ناپاک کو نہ بدلو۔ اور اُن کے مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ۔ بیشک یہ بڑا گناہ ہے[ف۱] ۝

۳- وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

۳- اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں میں عدل نہ کر سکو گے تو سوائے اُن کے عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں، دو دو، تین تین، چار چار نکاح میں لاؤ اور اگر خوف ہو کہ برابری نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا وہ جو تمہارے ہاتھوں کا مال ہُوا (یعنی باندی) اس دستور سے قریب ہے کہ تم ایک طرف جھک پڑو[ف۲] ۝

ف۱ اس آیت میں یتامیٰ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تعلیم ہے۔ لوگ عام طور پر تربیت کے نام پر اُن کا مال کھاتے یا بدل لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور بتایا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

تعدّد ازدواج

ف۲ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا کا قانون حیران و ششدر ہے۔ اُس نے اس کا درجہ اتنا بلند اور رفیع قرار دیا ہے کہ وہاں تک غیر مُسلم عورتوں کی رسائی ناممکن ہے۔ مگر تعدّدِ ازدواج ایک مسئلہ ہے جو بظاہر عقل و انصاف رکھنے والوں کے دل میں کھٹکتا ہے اور غیر مُسلم دنیا کے دل میں عورت کی حیثیت کی نسبت شکوک پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ یہ دیکھ کر کہ اسلام بیک وقت چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے، کہہ اُٹھتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں سے کوئی اچھا سلوک روا نہیں رکھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ تعدّدِ ازدواج کے متعلق مندرجۂ ذیل حقائق سامنے رکھنے چاہئیں۔

اسلام سے پہلے کثرتِ بعول اور کثرتِ ازدواج کی بلا تعین اجازت تھی۔ یعنی مرد جس قدر چاہتے، عورتیں نکاح میں رکھتے اور اسی طرح عورتیں جس قدر چاہتیں، خاوند بنا لیتیں۔

۱- اسلام نے کثرتِ بعول کی جو درحقیقت غیر مہذب زمانے کی رسم ہے بکلّی ممانعت کر دی اور کثرتِ ازدواج کی تحدید کر دی۔ اس لئے اسلام تعدّدِ ازدواج کا حامی بصورتِ تعیین ہے، نہ موجد و مخترع کی حیثیت سے۔

۲- اسلام سے پہلے عدل و انصاف کی شرط غیر ضروری تھی۔ اسلام نے اس شرط کو ضروری قرار دیا۔

۳- تعدّدِ ازدواج کو ہر حالت میں اسلام نے اچھا نہیں سمجھا۔ البتہ حالات کے مطابق اس کو موزوں قرار دیا۔

۴- مرد بالطبع تنوع پسند ہے اور یہی وجہ ہے، یورپ میں وحدتِ زوج کی سکیم کامیاب نہیں رہی۔

۵- عورت ایک آلۂ تولید ہے جس کی کثرت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۶- مرد مادی حیثیت سے اتنا قوی ہے کہ بعض اوقات وہ ایک عورت پر اکتفا نہیں کر سکتا۔

۷- ملکی حالات بعض دفعہ مجبور کر دیتے ہیں کہ کثرتِ ازدواج کی رسم کو جاری کیا جائے۔ جیسے یورپ میں جنگِ عظیم کے بعد۔ کیا اِن حقائق کی روشنی میں کثرتِ ازدواج کی اجازت نہ دینا انسانیت پر بہت بڑا ظلم نہیں؟ اور آج جب کہ "اقلیت و اکثریت" کا مسئلہ دنیا کی سیاسیات کا اہم عنصر ہے، تعدّدِ ازدواج کی خوبیوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ہندوستان میں اگر مسلمان کثرتِ ازدواج پر عمل کرنے لگیں تو صرف پچاس سال کے بعد اقلیت بغیر کسی تبلیغ کے مبدل بہ اکثریت ہو جائے۔

عورت کی صنفی کمزوریاں اور بیماریاں بجائے خود تعدّدِ ازدواج کی دعوت ہیں۔ مگر چونکہ ہندوستان میں اس کا رواج نہیں۔ اس لئے ہم اسے اچھا نہیں سمجھتے اور یہ ہماری غلطی ہے۔ یورپ آج کثرتِ اولاد پر بڑا زور دے رہا ہے۔ مگر اسلام نے پہلے سے لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی ہے اور اس کی صورت تعدّدِ ازدواج ہے۔

(باقی صفحہ ۱۸۳ پر)

حلِّ لُغات:۔ حُوبٌ۔ گناہ۔

۴ - وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ○

۵ - وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○

۶ - وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○

۴ - اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی [ف۱] سے ادا کرو۔ پھر اگر وہ دل کی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو تم اُس کو لذّت اور مزے سے کھاؤ ○

۵ - اور اپنے مال جو اللہ نے تمہاری گُذران ٹھہرائے ہیں، بے وقوفوں کو نہ دو۔ ہاں اُس میں سے اُنہیں کھلاؤ پہناؤ اور اُن سے مُناسب بات بولو ○

۶ - اور یتیموں کو آزماؤ [ف۲] یہاں تک کہ وہ نکاح کی حد کو پہنچیں۔ اگر تم اُن میں ہوشیاری پاؤ تو اُن کے مال اُن کو دے دو اور اس خوف سے کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں، اُن (مالوں) کو ضرورت سے زیادہ اور جلدی سے نہ کھاؤ۔ اور جو کفیل غنی ہو، اُس کو چاہیے کہ بچتا رہے اور جو محتاج ہو تو وہ موافق دستور کے کھائے۔ پھر جب تم یتیموں کا مال انہیں دو تو اُن پر گواہ مقرّر کر لو۔ اور خدا کافی حساب لینے والا ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲)

عام عورتوں میں کوئی خاص تعداد معیّن نہیں۔

اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم یتیم عورتوں کو اپنے عقد میں لا کر انصاف نہ کر سکو تو پھر دوسری عورتوں کے ساتھ جو تمہیں پسند ہوں، نکاح کر لو۔ تاکہ بے انصافی کا موقع نہ رہے۔

مَا طَابَ میں بتایا ہے کہ جو عورت جسم و رُوح دونوں کے لحاظ سے تمہیں اچھی معلوم ہو، وہ اس قابل ہے کہ رفیقہ حیات بنائی جائے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

شادی کا تحفہ [ف۱] اسلام جس حسنِ سلوک کو میاں بیوی میں دیکھنا چاہتا ہے، اس کا اندازہ رسم "صداق" سے ہو سکتا ہے۔ یعنی عہدِ مؤدت و صداقت کی یادگار۔ مسلمان شوہر مجبور ہے کہ حسبِ توفیق عورت کو شادی کا تحفہ یعنی مہر دے۔

[ف۲] ان آیات میں بھی یتامیٰ کے ساتھ بہتر سلوک کی تعلیم دی ہے اور ہدایت کی ہے کہ اُن کے مال کو حتی الامکان نقصان نہ پہنچایا جائے اور اُس وقت تک انہیں ان کا مال واپس نہ دیا جائے، جب تک کہ وہ خود اس سے استفادہ کے قابل نہ ہو جائیں اور صاحبِ حیثیت اُمراء اگر بہت کم ضروریات پر اُن کا مال صرف کریں اور خود اُس میں سے کچھ نہ لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اور جب مال دیں تو گواہ مقرر کر لیں۔ تاکہ آیندہ چل کر کوئی خرابی نہ نکلے۔

۷ ۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ○

۷ ۔ جو کچھ والدین اور ناتے والے چھوڑ مریں اُس میں مردوں کا حصّہ ہے اور جو کچھ والدین اُس میں عورتوں کا حصّہ ہے۔ مال تھوڑا ہو یا بہت ، یہ حصّہ مقرّر کیا ہُوا ہے ف۱ ○

۸ ۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○

۸ ۔ اور تقسیم (میراث) کے وقت جب قرابتی اور یتیم محتاج حاضر ہوں تو اُس مال میں سے اُنہیں کچھ دو اور اُن سے اچھی بات ف۲ بولو ○

۹ ۔ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا

۹ ۔ اور چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر پیچھے ناتوان اولاد چھوڑیں تو اُن پر اندیشہ کریں (یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال اُن کا ہوگا) پس چاہیئے کہ وہ خدا سے ڈریں

اِسلام اور تقسیمِ میراث

ف۱ نوعِ انسانی کے لئے اجتماعی زندگی میں ایسے روابط کی سخت ضرورت ہے جو باہمی تعاون و توافق کے زیادہ سے زیادہ ترغیب کا باعث ہو سکیں اور جو یہ بتا سکیں کہ انسانی عائلہ کس طریق پر ایک دُوسرے سے وابستہ ہے اور ان کے آپس کے تعلقات کس درجہ فطری اور طبعی ہیں۔ اسلام جو اجتماعی فلاح و سعادت کا سب سے بڑا حامی ہے، کیونکر ایسے اہم رشتے کو فراموش کر سکتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے باہمی اُنس و تعاون کی بُنیاد ڈالی اور ہر مسلمان کو "وصیّت" پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اوّل اوّل لوگ اپنے مال سے کچھ حصّہ بطور "وصیّت" کے بلا تخصیص قرابت وضع کر جاتے جو اُن کے بعد ان لوگوں کو ملتا جن کے حق میں وصیّت کی جاتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس جذبۂ تعاون و توافق کی اہمیت کو محسُوس کریں۔ بعد میں میراث کی آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں قرابت والوں کے حصّے بیان کئے گئے اور یہ اُس وقت نازل ہوئیں جب فتوحاتِ اسلامی بہت وسیع ہو گئیں اور مسلمان خاصے مال دار ہو گئے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک عام انسانی تعلق زیادہ قابلِ اعتناء ہے۔

زمانۂ جاہلیّت میں عورتیں حقوقِ میراث سے محروم قرار دی جاتیں۔ عرب کہتے تھے، میراث کا وہ حق دار ہے جو میدانِ جنگ میں قومی عزّت کے لئے لڑے اور مالِ غنیمت جمع کرے۔ عورتیں ہرگز اس کی مستحق نہیں۔

موجودہ کتب مذہبی بھی تقریبًا تمام عورتوں کو حقوقِ میراث سے محروم رکھتی ہیں۔ قرآن مجید نے بیان کیا کہ عورتیں بھی اسی طرح حق دار ہیں جس طرح مَرد۔ اس لئے کہ فطرت نے سوا جنسی عوارض ولوازم کے عورت اور مرد میں اور کوئی تقسیم جائز نہیں رکھّی۔ تمام عورتیں نفسِ انسانیت میں مَرد کے برابر ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انہیں اس انسانی حق سے محروم رکھا جائے۔

وہ مذاہب جو عورت کے اس طبعی و فطری حق کے حامی نہیں، وہ کس مُنہ سے اس کے احترام کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب نے مرد اور عورت کے صحیح معنوں کو نہیں سمجھا۔

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ بانٹتے وقت اگر کچھ لوگ اپنے عزیز یا دُوسرے محتاج و مستحق جمع ہو جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دو، تاکہ وہ دل شکستہ نہ ہو جائیں اور اُن سے اس طرح پیش آؤ جس سے کہ اُن کے وقار اور ناموس کو ٹھیس نہ پہنچے۔

حَلِّ لُغات

نَصِيْبٌ ۔ حِصّہ۔

مَفْرُوْضًا ۔ مقرّر و متعیّن۔ غیر مشکوک۔

قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

اور سیدھی بات بولیں[1] ۝

۱۰- اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ع ۱۲

۱۰- جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں[2] گے ۝

۱۱- يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ

۱۱- تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ[3] دو عورتوں کے برابر ہے اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو کل ترکہ سے دو تہائیاں ملیں گی۔ اور جو صرف ایک لڑکی ہو تو آدھا ملے گا۔ اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کو اس کے ترکے میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔ بشرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو۔ اور اگر اولاد نہ ہو

[1] یہ خطاب اُن لوگوں سے ہے جو مریض کے پاس بیٹھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ وصیت لکھوالیں اور اصل ورثا کو محروم رکھیں۔ فرمایا، یہ حرکت نہایت مذموم ہے۔ اُن کو سوچنا چاہیئے کہ اگر یہی پوزیشن اُن کی ہو تو وہ کیا کریں۔ یعنی اگر ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو کیا یہ گوارا کریں گے کہ اُن کے لئے کچھ نہ چھوڑ جائیں۔

[2] ان آیات میں بتایا ہے کہ یتیموں سے ناجائز وسائل کی بنا پر مال حاصل نہ کیا جائے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ یتامیٰ کو وراثت سے محروم رکھنے کے لئے طرح طرح کی چالیں چلی جاتی ہیں۔ فرمایا، جو یتیموں کے مال کو کھائے گا، اُسے یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ جہنم کی آگ نگل رہا ہے۔ یعنی اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو گا کہ تم اُن لوگوں کو نقصان پہنچاؤ جو بچے سرپرستوں کو ضائع کر چکے ہیں۔ اُن کے ماں باپ زندہ نہیں اور تم بجائے اس کے کہ اُن کا خیال رکھو، اُن کو لوٹتے ہو۔

تقسیم حصص

[3] حضرت سعد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اُن کی دو بچیاں، ایک بیوہ اور ایک بھائی زندہ تھے۔ بھائی نے تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ سعدؓ کی بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت لے کر آئیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ انتظار کر۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ تقسیم جائیداد بھی ایک اہم ضرورت دینی ہے اور وہ لوگ جو اس میں تساہل و تغافل برتتے ہیں یقیناً اللہ کے ہاں مجرم ہیں۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ لڑکیاں تقسیم میراث کے سلسلہ میں اصل و معیار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۸۶ پر)

حل لغات

قَوْلًا سَدِيْدًا۔ ڈھب کی بات۔
حَظٌّ۔ حصہ۔

وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○

اور اُس کے ماں باپ اُس کے وارث ہوں تو اُس کی ماں کا تیسرا حصّہ ہے! اور اگر میّت کے کئی بھائی ہوں تو اُس کی ماں کا چھٹا حصّہ ہے پیچھے (ادا کرنے) قرضہ اور وصیّت کے جو میّت کر گیا ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور بیٹوں میں سے کون تمہارے نفع کے لئے نزدیک تر ہے! اللہ نے حصّہ مقرر کیا ہے۔ بیشک خدا جاننے والا حکمت والا ہے ○

۱۲- وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا

۱۲- اور جو کچھ تمہاری عورتیں چھوڑ مریں اس کا نصف تمہارا ہے اگر اُن کے اولاد نہ ہو۔ پھر اگر اُن کے اولاد ہو تو تمہیں اُن کے ترکے سے چوتھا حصّہ ملے گا پیچھے (ادا کرنے) قرضہ یا وصیّت کے جو وہ کر گئی ہوں۔ اور جو کچھ تم چھوڑ مرو اُس میں سے عورتوں کو چوتھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵)

زمانہ جاہلیت میں جس طرح عورتیں زندگی کے تمام لوازم سے محروم تھیں اسی طرح حق وراثت سے بھی محروم تھیں۔ اسلام جب دُنیا میں آیا ہے اور اس کا آفتاب نصف شعار چمکا ہے تو تاریکیاں چھٹ گئیں اور عدل و انصاف دَور دَورہ ہوا۔ اسلام نے آکر بتایا کہ لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی تمہاری جائیداد میں شریک ہیں اور انہیں جائیداد سے محروم رکھنا کسی طرح زیبا و درست نہیں۔

آج بھی بعض سرمایہ دار زمیندار زمانہ جاہلیت کی نخوت و بغاوت اپنے سینوں میں مضمر رکھتے ہیں اور عدالتوں میں جا کر صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کو شریعت پر مقدم سمجھتے ہیں۔ یہ کھلا ارتداد ہے۔ ان کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ یا تو اسلام کو پوری طرح قبول کر لیں اور لڑکیوں کو حصّہ دیں اور یا اسلام کو چھوڑ دیں۔ تیسری کوئی راہ نہیں۔ یہ بے وقوف یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح ہماری جائیداد دوسروں کے گھروں میں جائیگی اسی طرح دوسروں کی جائیداد بھی تو تمہارے ہاں آئیگی۔ ضرورت شریعت کے احکام کو رواج دینے کی ہے۔

اس سے کوئی شخص گھاٹے میں نہیں رہتا۔

لڑکی کا حصّہ لڑکے سے آدھا ہوتا ہے! اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام کے نزدیک لڑکیاں سرے سے احترام و عزت کی مستحق ہی نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ اسلام کے سامنے چونکہ ہر طرح کی مشکلات ہیں جن سے مرد دوچار ہوتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، اس لئے ان سے لڑکوں کو زیادہ حصّہ دلایا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ کے معنی یہ ہیں کہ مالِ موروثہ اس وقت تک تقسیم نہ ہو سکے گا جب تک کہ میّت کے سر سے قرض نہ اُتر جائے۔ وصیّت و قرض کے بعد جو مال بچے گا، اس میں ورثا کو تقسیم کا حق ہے۔

قرآنِ حکیم نے جو [illegible] مقرر فرمائے ہیں، ضرور حکیمانہ ہیں اور ان میں ہر ایک [illegible] کی ایک وجہ ہے۔ مگر ہمارا تجربہ چونکہ محدود ہے اور ہمارا علم قاصر، اس لئے ہم قطعی اور حتمی رائے نہیں قائم کر [illegible]تے۔ اس لئے فرمایا۔ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا یعنی تم نہیں جانتے تمہارے لئے کون زیادہ مفید ہے اور کس کو زیادہ حصّہ دیا جائے۔ یعنی حصص کی تقسیم توفیقی ہے منطقی نہیں۔

تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

حصّہ ملے گا، اگر تمہارے اولاد نہ ہو۔ پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے عورتوں کو آٹھواں حصّہ ملے گا۔ بعد (ادا کرنے) قرضہ یا وصیّت کے جو تم کر جاؤ گے۔ اور اگر جس مَرد کی مِیراث ہے، باپ بیٹا نہیں رکھتا اور اُس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ ہے۔ پھر اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں برابر کے شریک ہیں۔ بعد (ادا کرنے) قرضہ یا وصیّت کے جو کہ کی گئی ہو۔ جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جاننے والا تحمّل والا ہے ۝

۱۳ - تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

۱۳ - یہ اللہ کی حدّیں ہیں ف۔ اور جو اللہ اور رسُول کی اطاعت کرے گا، اللہ اُسے اُن باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہیں میں وہ

ف اِن آیات میں اللہ کے احکام و نواہی کو حدُود سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان حدُود سے تجاوز کرنا گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ فرائض و منکرات حق و باطل اور جنّت و دوزخ کے درمیان بطور حدُود کے ہیں کہ وہ لوگ جو ان کا خیال رکھتے ہیں اور ہر لحظہ خدا اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت میں مصروف رہتے ہیں، وہ فوزِ عظیم پا لیتے ہیں اور وہ جن کے خمیر میں معصیت و کبر سرشت ہے، وہ انکار کر دیتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

حلِ لُغات

كَلٰلَةً۔ اُس مَرد یا عورت کو کہتے ہیں جس کا کوئی اصل و فرع موجُود نہ ہو۔

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی مُراد ملنی ہے ○

۱۴- وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

۱۴- اور جو اللہ اور اُس کے رسُول کی نافرمانی کرے گا، اور خُدا کی حدّوں سے بڑھے گا، اُسے خُدا آگ میں ڈالے گا۔ اُس میں وُہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کے لئے رُسوائی کا عذاب ہے ○

۱۵- وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ○

۱۵- اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں اُن پر تم اپنے مسلمانوں میں سے چار گواہ طلب کرو۔ پھر اگر وہ گواہی دیں تو اُن عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ اُن کو موت اُٹھالے۔ یا اللہ اُن کے لئے کوئی راہ نکالے [۱] ○

۱۶- وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا

۱۶- اور جو تم میں سے دو مَرد وُہی کام کریں تو اُن

فاحشہ کی سزا

[۱] اس آیت میں فاحشہ کی سزا کا ذکر ہے کہ اگر کوئی عورت فحش کا ارتکاب کرے اور ثابت ہوجائے تو اُسے گھر میں بند کر دو۔ تاکہ آئندہ فتنہ کی گنجائش نہ رہے۔

اور اگر مرد بُرائی کا ارتکاب کرے تو اُسے سزا دو۔ تا آنکہ وہ توبہ کرلے پھر اس سے تعرض نہ کرو۔

ان ہر دو آیات کے مصداق و محل میں اختلاف ہے جمہور مفسّرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد زانی مرد اور عورت ہے اور یہ حکم تقررِ حد سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ جب حد کا تقرر ہُوا تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا کہ آؤ میں بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے فیصلہ کی سبیل بتا دی ہے۔ اس صُورت میں یہ حدیث آیت کی مخصص ہوجائے گی۔

ابو مسلم کہتے ہیں۔ یہ دونوں آیتیں تفاحش جنسی کے بیان میں ہیں۔ اس میں زنا کا ذکر نہیں۔ یعنی اگر دو عورتیں مل کر ارتکاب فحش کریں اور شہادت ہوجائے تو پھر انہیں بطور سزا کے گھروں میں محبوس رکھا جائے۔ اور اگر مرد شہوت جنسی کا ارتکاب کرے تو اُسے سزا دی جائے۔ مگر یہ تاویل گو چلتی ہوئی ہے۔ لیکن درست نہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں توضیح آچکی ہے اور اس لئے بھی کہ زانیہ کے لئے تو گواہوں کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تو ذرا سختی کے ساتھ تادیب کافی ہے۔

حلِّ لغات

اَلْفَاحِشَةَ۔ برائی۔ زنا۔

فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور دُرست ہو جائیں تو اُن کا خیال چھوڑ دو۔ بے شک خُدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے [ف۱] ۝

۱۷- اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

۱۷- خُدا کو ضرور انہیں لوگوں کی توبہ قبول کرنی ہے جو نادانی سے گناہ کرتے اور پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ متوجّہ ہوتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [ف۲] ۝

۱۸- وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ

۱۸- اور اُن کی توبہ کچھ نہیں جو بدیاں کرتے رہتے ہیں [ف۳] یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کو موت سامنے آجائے تو کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی اور اُن کی توبہ بھی کچھ

نفسیاتِ اخلاق کا باریک نُکتہ

ف۱ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا میں اخلاق کے اس دقیق نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بعض دفعہ حد سے زیادہ سزا اور ملامت ذوقِ گناہ کو اور بھڑکا دیتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجرموں کے دل میں شدید احساس پیدا کر دیا جائے اور بس۔ جب یہ پیدا ہو جائے تو انہیں زیادہ تنگ نہ کرنا چاہیئے۔ اس طرح وہ خُود بخود رُک جاتے ہیں۔

ف۲ فرمایا۔ تائب وہ ہے جو نادانستہ گناہ کر بیٹھے اور پھر فوراً ہی جان لینے کے بعد توبہ کر لے۔ وہ نہیں جو عمداً توبہ کے بھروسے پر گناہ کرے۔

حدیث میں آیا ہے۔ التائبُ من الذّنب کمن لا ذنب له۔ کہ صحیح معنوں میں توبہ کرنے والا بالکل معصوم انسان کی طرح ہو جاتا ہے۔

توبہ کا وقت ف۳ فحش و حرام کاری کے بعد ضروری تھا کہ فلسفۂ توبہ پر روشنی ڈالی جائے۔ اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ توبہ اُس وقت مفید ہو سکتی ہے جب گناہ کے ارتکاب کی پُوری ہمّت موجود ہو اور وقت مساعد ہو۔ ورنہ اُس وقت جب کارواں منزل تک پہنچ چکا ہو اور ہمّت و قوّت جواب دے چکی ہو، توبہ سے کیا حاصل؟ اس وقت کی توبہ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اپنے گناہوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جب زندگی ہی نہیں تو ارتکاب گناہ کیسا؟

بات یہ ہے کہ اسلامی فرائض و مناہی استدلال و منطق پر مبنی ہیں اور جب عالمِ غیب کی بہت سی چیزیں بلا غور و فکر کیئے آنکھوں کے سامنے آموجُود ہوں اور فطرت کے رازہائے سربستہ خود اپنی چہرہ کشائی پر آمادہ ہوں تو اس وقت خیر و شر میں تمیز کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

حلِّ لُغات

اٰذُوْهُمَا۔ تکلیف دو۔ سزا دو۔ مادہ ایذا۔
اَعْرَضُوْا۔ پیچھا چھوڑ دو۔

أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

نہیں جو کافر ہی مرجاتے ہیں۔ اُن کے لئے ہم نے دکھ کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

۱۹۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

۱۹۔ مومنو! تمہیں زبردستی عورتوں کا وارث بننا حلال نہیں وا اور نہ یہ کہ اُنہیں بند رکھو تاکہ اپنا دیا ہُوا کچھ اُن سے چھین لو۔ ہاں جب وُہ آشکارا بے حیائی کریں (تو مضائقہ نہیں) اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح رہا کرو۔ پھر اگر وہ تمہیں بُری معلوم ہوں تو شاید کہ تم کسی شئے کو بُرا سمجھو اور خُدا اُس میں سے بُہت بھلائی پیدا کرے ۝

۲۰۔ وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ

۲۰۔ اگر تم بجائے ایک عورت کے دُوسری عورت سے (نکاح) کرنا چاہو اور اُن میں سے کسی کو ڈھیر

عورتیں مال ڈھور نہیں

وا جاہلیت میں عورت مال ڈھور کی طرح قابلِ بیع و شرا تھی اور جب کوئی آدمی مرجاتا تو اس کی سوتیلی اولاد اس کی وارث ٹھہرتی۔ ان آیات میں بتایا کہ تم ان پر جبر و ستم روا نہیں رکھ سکتے۔ وہ تمہاری طرح جذبۂ عزتِ نفس سے بہرہ ور ہیں اور انہیں بھی تمہاری طرح پوری عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ہے اور یہ طریق بالکل ناجائز ہے کہ تم انہیں محض اس لئے تنگ رکھو کہ وہ تمہیں کچھ دے کر طلاق حاصل کریں۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ کے معنی یہ ہیں کہ عورت سے حُسنِ سلوک از قبیلِ فرائض و واجبات ہے۔

فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا میں ازدواجی زندگی کا ایک بیش قیمت نکتہ بیان فرمایا ہے یعنی بیوی میں اگر کوئی امر نقیض نہ ہو تو حتی الوسع چشم پوشی اور ایثار سے کام لینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا یہ ایثار بیوی کے دل میں تمہارے لئے بہت زیادہ احترام پیدا کردے جس سے تمہاری زندگی مزے سے کٹے گی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اکثر اس بات سے ملول رہتے ہیں کہ اُن کی بیوی ان کے معیار کے مطابق قبول صورت نہیں یا اتنی مالدار نہیں جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔ اور یا وہ اس درجہ تعلیم یافتہ نہیں جو اُن کے لئے باعثِ فخر ہو سکے۔ یہ لوگ اگر تھوڑے سے ایثار سے کام لیں تو یہ ملال دُور ہوسکتا ہے۔ کیا ان لوگوں نے کبھی یہ غور کیا ہے کہ خود ان کی کیا قوت ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی شریف اور اطاعت گزار عورتیں بدصورتی، غربت اور بدوضعی کے تمام عیوب کے باوجود اپنے خاوندوں سے محبت رکھتی ہیں۔ کیا یہ رویہ قابلِ صد تحسین نہیں۔

حلِّ لُغات

كَرْهًا۔ بجبر۔ زبردستی۔

قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝

مال کا دے چکے ہو تو اُس میں سے کچھ نہ لو۔ کیا تم ناحق اور صریح گناہ سے لیا چاہتے ہو ۝

۲۱۔ وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۝

۲۱۔ اور تم کیونکر لیتے ہو جب کہ تم آپس میں مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں ۝

۲۲۔ وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ۝

۲۲۔ اور اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں۔ مگر جو آگے ہو گیا سو ہو گیا۔ یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بُرا چلن ہے ۝

۲۳۔ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَ

۲۳۔ تمہارے اُوپر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور

مہر واپس نہ لو!

ف اس آیت میں بتایا ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد مہر یا وہ تحائف جو تم نے وقتاً فوقتاً اُسے دیئے ہیں، واپس نہ لو کہ یہ مُروت اور حُسنِ معاشرت کے منافی ہے۔ یعنی طلاق کے معنی باقاعدہ اور آداب کے مطابق علیحدگی کے ہیں، نہ اظہارِ بُغض و عداوت کے۔

اسلام نے ہر مرحلہ پر انسان کو اخلاق کی بلند شاہراہ پر قائم رہنے کی تلقین کی ہے۔ اسی لئے وُہ کہتا ہے کہ تم طلاق و علیحدگی کے بعد بھی حُسنِ سلوک کے اصول کو نہ بھولو۔

کن کن عورتوں سے نکاح دُرست نہیں؟

ف اسلام میں خُوبی یہ ہے کہ وُہ الٰہیات کی مشکل گتھیاں بھی سُلجھاتا ہے اور معاشرت کے نکات بھی اس کے ریاضِ توحید میں عالمِ غیب کے اسرار بھی ہیں اور عالمِ شہود کے واقعات بھی۔ اخلاق کے دقیق ابواب معاشرت کے چھوٹے چھوٹے مسائل تک بہ پہ وبود ہے اور بہر حال یہ دعویٰ درست ہے کہ ایک کامل و مفصل مذہب ہے۔ یہ بات کتنی افسوسناک ہے کہ وہ مذاہب جن میں الٰہیات کے اسرار و غوامض پر تو بحث ہے مگر روز مرہ کے واقعات سے تعرض نہیں، عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور وہ مسلک جس میں جامعیت و کمال تا بحدِّ مبالغہ ہے، بدنام ہے۔

ان آیات میں محرمۃ النکاح عورتوں کا بیان ہے۔ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح دُرست نہیں۔

(باقی صفحہ ۱۹۲ پر)

حلِ لغات

قِنۡطَارًا۔ مالِ کثیر۔
اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ سے مُراد ہے تعلقاتِ جنسی۔
سَلَفَ۔ جو گزر چکا۔ جو ہو چکا۔
مَقۡتًا۔ نفرت و ناراضی۔

بَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۷ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۙ

بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں، جنہوں نے تم کو دُودھ پلایا اور تمہاری بہنیں اور تمہاری ساسیں اور تمہاری عورتوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں تمہاری اُن عورتوں سے جن کے ساتھ تم ہم بستر ہو چکے ہو۔ لیکن اگر تم اُن کے ساتھ ہم بستر نہیں ہُوئے تو تم پر کچھ گُناہ نہیں۔ اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں۔ اور یہ کہ دو بہنوں کو جمع کرو۔ مگر آگے جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱)

اور وہ یہ ہیں :-

۱۔ منکوحۂ اَب۔ یعنی باپ کی بیوی۔ امام ابُوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں "مزنیہ اَب" بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے صرف جائز ازدواج تک محدُود رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ سے امام ابُوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی تائید ہوتی ہے اور مفہوم ومنشاً کے اعتبار سے امام شافعیؒ کی۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ سے مُراد صرف یہ ہے کہ گزشتہ واقعات اِس تعزیر میں شامل نہیں۔ جو ہو چُکا سو ہو چکا۔ مگر نزول کے بعد ایسی شادیاں ناجائز ہیں اس لئے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بہت سے ایسے واقعات میں تفریق کرادی۔

۲۔ مائیں۔ بیٹیاں۔ بہنیں۔ پھُوپھیاں۔ خالائیں۔ بھتیجیاں اور بھانجیاں، اس لئے کہ فطرتِ انسانی اِن رشتوں کو احترام وشفقت کی نظر سے دیکھتی ہے، اس لئے طبیعت اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔

۳۔ رضاعی رشتے۔ یعنی وہ عورتیں جن سے دُودھ کا رشتہ ہو۔ ظاہر ہے رضاعت سے لڑکے کے دل میں وہی جذبات پیدا ہو جاتے ہیں جو حقیقی ماں کی نسبت اس لئے ان رشتوں کو بھی احترام وعزّت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔

۴۔ ساس۔ اس لئے کہ ساس بھی بمنزلہ ماں کے ہے۔

۵۔ ربائب۔ یعنی وہ زیرِ تربیت بچّیاں جو تمہاری بیویوں کی آغوشِ شفقت میں رہی ہوں۔ حُرمت کی وجہ ظاہر ہے۔

۶۔ بہو۔

۷۔ جَمْعَ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں فطرت نے جو دو بہنوں میں محبت رکھّی ہے، وہ رقابت کے بدترین جذبے سے بدل جائے گی اور اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی تعلق کسی بدمزگی کا باعث ہو۔ اسلام تو دنیا میں محبت ورفاہیّت پیدا کرنے آیا ہے نہ رقابت ودشمنی کے لئے۔

حَلِّ لُغات

حُجُوْرٌ۔ جمع حجرٌ۔ گود۔

حَلَآئِلُ۔ جمع حلیلۃ۔ بمعنی بیوی۔

۲۴- وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○

۲۴- اور شوہر والی عورتوں کا نکاح میں لانا بھی حرام ہے۔ مگر جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہو جائیں۔ یہ اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے اور ان کے سوا سب عورتیں (نکاح کرنے کو) حلال ہیں۔ یُوں کہ تم اپنے مال دے کر طلب کرو۔ بحالیکہ تم قید میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے۔ پس جو مال کہ فائدہ اُٹھایا ہے تم نے بدلے اُس کے اُن سے۔ سو دو اُن کو حق اُن کا موافق مقرر کے۔ اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بعد مُقرّر کرنے مہر کے کسی بات پر آپس میں راضی ہو جاؤ۔ بے شک خُدا جاننے والا حکمت والا ہے ○

مُتعہ حرام ہے

ف ان آیات میں بتایا ہے کہ شادی شدہ عورتیں کسی طرح بھی دُوسروں کے لئے جائز نہیں۔ البتہ مملوکہ عورتیں چونکہ بوجہ عین بمنزلہ منکوحات کے ہیں اور ان کا سابقہ نکاح فسخ ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ "محصنات" کی فہرست میں داخل نہیں۔

ذیل کے الفاظ سے بعض لوگوں نے مُتعہ کا جواز نکالا ہے۔ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ حالانکہ آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ بیان نکاح کا ہو رہا ہے جس کے معنی دائماً کسی کو حبالۂ عقد میں لے آنے کے ہیں نہ متعہ کا۔ جو وقتی جذبات کے ماتحت یکسر حیوانی حرکت ہے۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی تصریح ہرگز کسی شک و شبہ کی متحمل نہیں۔ اس میں واضح طور پر مفہوم مضمر ہے کہ مرد اور عورت کا تعلق باہمی یا بصُورتِ احصانٌ دوام ہے اور یا بصُورتِ زنا و سفلح۔ تیسری کوئی صُورت نہیں۔ یہ دُرست ہے کہ زمانہ جاہلیت میں متعہ کا عام رواج تھا اور عہدِ نبوی میں بھی بعض لوگ اسے جائز جانتے ہے۔ مگر قرآن حکیم کا ایسے طرزِ ازدواج کو پیش کرنا جو دائمی ہو جس میں عورت کو تمام حقوقِ زوجیت حاصل ہوں۔ جس میں عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کی تلقین ہو، صاف طور پر مُتعہ کی مخالفت ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ قرآنِ حکیم میں مُتعہ کی ممانعت موجُود نہیں، تجاہل ہے۔

زیرِ خط الفاظ اُس وقت موجب وہم و شک ہو سکتے ہیں جب پہلے سے ذہن میں مُتعہ کے جواز کا خیال ہو۔ ورنہ ظاہر ہے۔ اِبْتغآء بِالْمَالِ تمتع اور اجور۔ اِن میں کوئی شے بھی مُتعہ کے ساتھ مختص نہیں۔ نکاح میں بھی روپیہ خرچ ہوتا ہے اور مُتعہ میں بھی۔ مَہر "صداق" جس میں ہدیۂ محبت و صداقت ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک قسم کا اجر بھی یعنی حلیہ مہر و وفا بھی! اور تمتع تو ظاہر ہے جس قدر نکاح میں ہے مُتعہ میں نہیں۔ پھر یہ کہاں سے لازم آگیا کہ ان الفاظ سے مُتعہ ثابت ہے۔ اِن الفاظ میں تو نکاح کے لوازم سے بحث ہے۔

اصل میں غلط فہمی کا منبع یہ مسئلہ ہے کہ مَہر بدلِ استحلال ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ مَہر تو شادی کا تحفہ ہے۔ فقہاء نے اسے خواہ مخواہ "معاوضۂ حیوانیت" سمجھ لیا ہے جس سے اس کی پاکیزگی میں فرق پڑ گیا ہے اور اسی بنا پر حضرات تشیع نے مُتعہ کا جواز نکالا ہے کہ چونکہ اُجرت متحقق ہے۔ اس لئے تمتع ازدواج کا حق ثابت ہُوا۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اسلام اس سے بہت بلند ہے کہ صرف چند نقرئی سکوں کے معاوضہ میں استحلال کا حق دے دے۔ گو وہ اسے لازمی قرار دیتا ہے مگر اسے "معاوضۂ حیوانیت" قرار نہیں دیتا۔

اسلام جس شکلِ اتحاد کو پیش کرتا ہے، وہ نہایت بلند اخلاق اساسوں پر قائم ہے۔ اس میں دوام اور توریث شرط ہے۔

حلِ لُغات

اَلْمُحْصَنٰتُ۔ آزاد، شادی شدہ، عفیف اور مسلمان عورتیں۔ قرآن حکیم نے چاروں معنوں میں اس کا اطلاق فرمایا ہے + مُسٰفِحِيْنَ۔ مادہ سَفَحٌ بمعنی بہانا + طَوْلٌ۔ مقدور۔ گنجائش اور وسعت۔

۲۵۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

۲۵۔ اور جو تم سے مُسلمان (آزاد) بیبیوں کے ساتھ نکاح کا مقدُور نہ رکھتا ہو وہ تمہاری مُسلمان باندیوں کے ساتھ جو تمہاری مِلک ہوں نکاح کرلے اور خُدا تمہارے ایمان کو خُوب جانتا ہے۔ تم آپس میں ایک ہو سو باندیوں سے نکاح اُن کے مالکوں کی اجازت سے کرو اور دستور کے مطابق اُن کو اُن کے مَہر دو۔ جب کہ باندیاں قیدِ نکاح میں آنے والیاں ہوں نہ کہ مستی نکالنے والیاں اور نہ پوشیدہ یار رکھنے والیاں۔ پھر جب وہ قیدِ نکاح میں آجائیں، پھر زنا کریں تو جس قدر عذاب آزاد عورت کے لئے مقرر ہے اُس کا نصف اُن پر ہوگا۔ یہ حکم اُن کے لئے ہے جو تم میں بدکاری سے ڈرے اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور خُدا بخشنے والا مہربان ہے ۝

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ

ف اِن آیات میں بتایا ہے کہ جو لوگ آزاد عورتوں سے قلتِ سرمایہ کی وجہ سے نکاح نہ کرسکیں، وہ غلام عورتوں سے نکاح کریں۔ کیونکہ وہ سستے داموں رشتۂ ازدواجی میں منسلک ہو جاتی ہیں۔ مگر اس میں چار باتیں ملحوظ رکھیئے:۔

(۱) مومن ہو۔

(۲) مالک کی اجازت حاصل کرلی جائے۔

(۳) اُنہیں مَہر دیا جائے۔

(۴) اور یہ کہ وہ مالک سے الگ آشنا نہ رکھتی ہوں۔

یعنی وہ عورتیں جو مالک کے سوا اور احباب دوست بھی رکھتی ہیں، اُن سے رشتۂ مناکحت دُرست نہیں۔ موجودہ تمدن اس دفعہ کی مکمل تشریح ہے۔ فرق یہ ہے کہ اُس زمانے میں شرفا کی عورتیں اس سے محفوظ تھیں۔ اب شریف وہ ہے جو دس پانچ دوست رکھتی ہو۔ اللہ اکبر! اخلاق کی دُنیا میں کتنا بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہر برائی شرافت و تہذیب کے نام پر جائز ہے۔

لونڈی کی سزا نصف اس لئے رکھی ہے کہ اُسے بُرائی سے بچنے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ اب بھی وہ عورتیں جو گھروں میں کام کاج کرتی ہیں بمشکل بُرائی سے محفوظ رہتی ہیں اور وہ عورتیں جو کونسلوں، کلبوں اور ایوانوں میں مَردوں کے پہلو بہ پہلو مل کر بیٹھتی ہیں کیونکر رداءِ عصمت کو بچاسکتی ہیں؟

یہ حقیقت ہے کہ مرد و عورت کا اجتماع کسی صورت میں بھی خوش آئند نہیں۔ وہ لوگ جو اس کا دعویٰ کرتے ہیں فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ مَیں نہیں کہتا کہ اس میں عورت کا قصور ہے اور نہ مرد کو ملزم ٹھہراتا ہوں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ہر مرد اور عورت کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حلِّ لُغات

اَخْدَانٍ جمع خِدْنٌ۔ خفیہ آشنا۔ دوست۔ اَلْعَنَتَ۔ بدکاری۔

۲۶- يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

۲۶- خدا چاہتا ہے کہ تمہیں بیان سُنائے اور اگلوں کی راہوں پر تمہیں چلائے۔ تمہیں معاف کرے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[۱] ○

۲۷- وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ○

۲۷- اور خدا تم پر متوجہ ہونا چاہتا ہے اور جو لوگ اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وُہ چاہتے ہیں کہ تم مُڑ جاؤ راہ سے بہت دُور ○

۲۸- يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○

۲۸- خدا تمہارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

۲۹- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○

۲۹- مومنو! ایک دُوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔ لیکن آپس کی رضامندی سے سَودا ہو تو مضائقہ نہیں اور باہم خُونریزی نہ کرو بے شک خُدا تم پر مہربان ہے[۲] ○

[۱] ان آیات میں بتایا ہے کہ اسلام کوئی الگ صحیفۂ شریعت نہیں۔ اس میں وہی قواعد بتائے گئے ہیں جن کو بار بار دُہرایا گیا ہے۔ یہ وہی صداقتِ قدیمہ ہے، جسے زمانہ کی ہر کروٹ کے ساتھ پرکھا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم لوگ اسے قبول کر کے اللہ کی وسیع رحمتوں میں شامل ہو جاؤ۔ شہوات سے بچو اور اپنی جبلّی و فطری کمزوریوں کا خیال رکھو۔ بجُز خدا کے فضل و عفو کے تم بُرائیوں سے نہیں بچ سکتے۔ اس لئے اس راستہ پر مضبوطی سے گامزن ہو جاؤ جو خدائے غفور و رحیم نے تمہارے لئے تجویز کیا ہے۔

[۲] اس آیت میں بتایا ہے کہ ناجائز وسائل سے مال حاصل کرنا گناہ ہے۔ البتہ باہم رضامندی سے تجارت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یعنی تجارت کل حلال کا بہترین ذریعہ ہے۔ افسوس! آج مسلمان تجارت نہ کر کے دُنیا بھر میں ذلیل و رُسوا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے مسلمان کو تاجر پیدا کیا تھا۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ عام طور پر چونکہ جعل و فریب سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اس لئے تم ایک دُوسرے کو دھوکا نہ دو اور باہمی رضا جُوئی سے کام لو اور یا یہ کہ جو قوم تجارت کو ترک کر دیتی ہے وہ مُردہ ہے۔ اس میں کوئی زندگی باقی نہیں رہتی۔

دیکھ لیجئے۔ آج مسلمان کیا محض اس لئے حقیر نہیں شمار کئے جاتے کہ ان کے پاس دولت نہیں اور کیا صرف مُردہ قوموں میں ان کا شمار نہیں کہ یہ تہی دست ہیں۔

حلِّ لُغات

يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ تَابَ عَلَيْهِ کے معنی حُسنِ التفات کے ہیں۔

۳۰۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○

۳۰۔ اور جو کوئی زور زبردستی سے ایسا کرے گا، ہم اُسے آگ میں ڈالیں گے اور یہ کام خُدا پر آسان ہے ○

۳۱۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ○

۳۱۔ اگر تم ممنوعات میں سے کبیرہ گُناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہ تم سے دُور کر دیں گے اور تمہیں عزّت کی جگہ داخل کریں گے ف۱ ○

۳۲۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـــَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○

۳۲۔ اور خُدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت بخشی ہے تم اُس کی تمنّا نہ کرو مَردوں کے لئے اُن کی کمائی سے حِصّہ ہے اور عورتوں کے لئے اُن کی کمائی کا حِصّہ ہے اور اللہ سے اُس کا فضل مانگو۔ بے شک اللہ کو سب کچھ معلوم ہے ف۲ ○

اسلامی کفّارہ

ف۱ مذہب کا مقصد یہ ہے کہ گناہگار انسان کو خدا کی بادشاہت تک کامیابی کے ساتھ پہنچا دے اور اُس میں ایسی قابلیت اور استعداد پیدا کر دے کہ وہ خدا کی بخشش بے حد کا مستحق ٹھہرے۔ قرآن حکیم ایک ایسے ہی مسلک کی طرف بُلاتا ہے جو بالکل فطری اور معقول ہے اور جس پر چلنے کے بعد لامحالہ انسان میں "نجات" کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کبائر سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ طے کر لو کہ موٹے موٹے اور عام سمجھ میں آ جانے والے گناہ ہم سے سرزد نہیں ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ طبیعت میں پرہیز و اتقاء کے جذبات پیدا ہونے لگیں گے اور انسان باقاعدہ اور باضابطہ طور پر گناہوں سے نفرت کرنے لگے گا اور اُسے ایک ایسی زندگی عطا ہو گی جو یکسر رُوحانی اور اعلیٰ زندگی ہے۔ یہ اسلامی کفارہ ہے جو بالکل واضح اور یقینی ہے۔

دُوسرا کفّارہ وہ ہے جو عیسائی پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے صلیب پر جان دے کر ہمارے تمام گناہوں کو اپنے اُوپر اُٹھا لیا ہے۔ یہ کس قدر غلط اور غیر منطقی عقیدہ ہے۔ کیا کسی انسان کی موت دُوسروں کے لئے باعثِ نجات ہو سکتی ہے؟ اور کیا کوئی انسان تمام لوگوں کے گناہوں کو اپنے ذمّے لے سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ ایک بُت پرستانہ عقیدہ ہے جو عیش و عشرت کے لئے ایک طرح کی دلیلِ صحت ہے اور بس! یار لوگوں نے مذہب کے نام تعیش و فسق کے لئے ایک وجہ جواز پیدا کر لی ہے۔

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ مرد و عورت کے لئے کسب و اکتساب کا ایک وسیع میدان موجود ہے۔ دونوں کے الگ الگ فرائض ہیں اور الگ الگ دائرۂ عمل۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں خدا کی رضا جوئی مشترکہ طور پر حاصل کریں۔ نہ یہ کہ مرد تانث کے زیور سے آراستہ ہوں اور عورتیں مردانہ اسلحہ سے مسلح۔

حلِّ لُغات

تَجْتَنِبُوْا۔ مصدر و مادہ اجتناب بچنا۔ پہلوتہی کرنا۔
نُكَفِّرْ۔ مادہ تکفیر۔ گناہ مٹانا۔ دُور کرنا۔ بعض لوگ اس لفظ کو "اکفار" بمعنی کافر گردانے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔

۳۳- وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

۳۳- جو کچھ والدین اور قرابتی چھوڑیں اس میں ہر کسی کے وارث ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اقرار باندھا ہے اُن کا حصّہ اُنہیں دو۔ بے شک ہر شئے خُدا کے رُو برُو ہے[۱] ۝

۳۴ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

۳۴- مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے مال میں سے خرچ کرتے ہیں[۲] پس نیک بخت عورتیں فرمانبردار (ہوتی ہیں) اور اللہ کی حفاظت سے شوہروں کی غیبت میں خبرداری کرتی ہیں۔ اور وہ عورتیں جن کی بدخوئی سے تم ڈرتے ہو اُنہیں سمجھاؤ اور خوابگاہوں میں جُدا چھوڑ دو اور اُنہیں مارو پھر اگر وہ تمہارا کہنا مانیں تو اُن پر الزام کی راہ تلاش نہ

[۱] مقصد یہ ہے کہ میراث میں سب کے ورثہ ہیں اور اُن میں باہمی تفاوت ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کون کتنے حصّے کا مستحق ہے۔ تم اُن کا حصّہ بہرحال حسب ہدایت اُن تک پہنچا دو۔

آیت کی ترکیب کچھ اس طرح ہے کہ والدین و اقربا وغیرہ وارث بھی قرار دیئے جا سکتے ہیں اور مورُوث بھی۔ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مُراد میاں بیوی ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ

[۲] قوّام یا قیّم کے معنی ہوتے ہیں مُنصرم یا منتظم کے۔ اس آیت میں فلسفۂ تدبیر منزل کی مشکلات کا حل ہے۔ عائلہ یا فیملی ایک قسم کی چھوٹی سی ریاست ہے جس کے متعدد رکن ہیں سوال یہ ہے کہ ان کا منتظم و منصرم کون ہے۔ قرآن حکیم کا فیصلہ یہ ہے کہ مرد۔ اور اس کی وجہ سے کہ مرد عورت کے لئے آذوقۂ حیات بہم پہنچانے پر مجبور ہے، عورت نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ فطری طور پر مرد میں منتظم بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ درست ہے عورتیں بھی کام کر سکتی ہیں مگر وہ ہر وقت وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔ ان کی جنسی کمزوریاں انہیں بہرحال منصرم رہنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ بخلاف مرد کے کہ وہ کڑی سے کڑی مصیبتیں برداشت کر لیتا ہے۔

پس نیک عورتیں وہ ہیں جو اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتی ہیں اور خاوند کی دل سے قدر کرتی ہیں۔

یہ یاد رہے کہ اس ریاست کا نظام یکسر جمہوری ہے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام بھی بلا مشورہ نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ دُودھ پلانے کا مسئلہ دُوسرے پارے میں گزر چکا ہے کہ وہ بھی باہمی تشاور و تراضی سے ہو۔

حلِ لُغات

مَوَالِيَ جمع مَوْلیٰ۔ آزاد کنندہ۔ آزاد شدہ غلام۔ حلیف۔ ابن عم۔ ولی اور عصبہ۔ تمام معانی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

عَلِيًّا كَبِيرًا ○

کرو۔ بے شک اللہ بلند سب سے بڑا ہے [ف۱] ○

۳۵۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ○

۳۵۔ اور اگر تم ان دونوں (میاں بیوی) کی مخالفتِ درمیانی سے ڈرتے ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے مقرر کرو اور اگر یہ دونوں اُن میں صُلح کا ارادہ کریں گے تو خُدا اُن میں ملاپ کر دیگا بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے [ف۲] ○

۳۶۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي

۳۶۔ اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور والدین اور قرابتیوں، اور یتیموں،

تدبیرِ منزل کے تین زرّین اُصول

ف۱ یہ حقیقت ہے جس کا بارہا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ قرآن حکیم ہماری تمام مشکلات کا حل اس خوب صُورتی اور جامعیت سے پیش کرتا ہے کہ بے اختیار دل سے کلماتِ تحسین نکل جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو معاشرت کے تمام ابواب و فصول ہمارے لئے وا شگاف کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس میں فلسفہ و حکمت کے ساتھ ساتھ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جن پر انسانی سعادت و فلاح کا دارومدار ہے، اس طرح مذکور ہیں کہ قربان جائیے! اور پھر بھی جذبۂ احترام میں کمی نہ پیدا ہو۔

اس آیت میں عورت کے نشوز و تمرّد کا علاج بتایا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو باوجُود تعلیم یافتہ ہونے کے ان رموز و اسرار سے واقف نہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو کافی سرمایہ دار ہیں، لیکن پھر بھی اُن کی بیویاں اُن سے ناراض رہتی ہیں اور وہ نہایت اضطراب و بے چینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

قرآن حکیم ایک طرف تو مرد سے کہتا ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ دوسری طرف عورت کو خاوند کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے لیکن اس کے بعد بھی اگر نشوز و اختلاف کا خوف ہو تو قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ فَعِظُوْهُنَّ۔ سب سے پہلے انہیں "وعظ" سے بدلنے کی کوشش کی جائے "وعظ" سے مُراد ناصحانہ گفتگو ہی نہیں، بلکہ مشفقانہ برتاؤ بھی ہے۔ یعنی اپنے قول و فعل کے لحاظ سے عورت کے لئے اس درجہ محبوب و دل پسند بننے کی کوشش کرو کہ وہ لامحالہ متاثر ہو۔ تمہارے بلند اخلاق اُسے مجبور کر دیں کہ وہ اپنی غلطی کو محسُوس کرے اور عورت اگر اس قدر سمجھ دار نہ ہو تو پھر اُس کے "جذبات" سے اپیل کرو اور اس کا بہترین طریق یہ ہے کہ اُسے بستر پر تنہا چھوڑ دو۔ اور یہ اُس وقت زیادہ موزوں ہوگا جب تم اکٹھا ایک بستر پر استراحت اختیار کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس انقطاع کو برداشت نہیں کرے گی۔

عورت کی یہ فطرت میں داخل ہے کہ وہ ہر چیز برداشت کر سکتی ہے بجز اپنے محبوب کے غصّہ کے۔ اور اگر اس پر بھی تبدیلی نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بالکل عام عورت ہے، اس لئے عامیانہ سلوک کی مستحق ہے۔ اُسے پیٹنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر یہ تیسرا درجہ ہے۔

جو لوگ ان نُکاتِ ازدواج نہیں جانتے، نہایت معمولی باتوں پر اپنے گھر کو دوزخ بنا لیتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ اسلامی اور قرآنی زندگی بسر کریں تو ان کا گھ اس دنیا میں بہشت کا نمونہ بن جائے۔

آخری صُورت

ف۲ اگر میاں بیوی میں اختلاف اس درجہ تک بڑھ جائے کہ دونوں اسے مٹانے پر قادر نہ ہوں تو بہترین طریق یہ ہے کہ وہ حَکَمْ مقرر کریں۔ ایک عورت کا عزیز ہو اور ایک مرد کا۔ دونوں غیر جانبداری سے واقعات کو سُنیں اور معاملہ نپٹانے کی کوشش کریں۔ اگر مسلمان اس تجویز پر عمل پیرا ہو جائیں تو اُن کا بہت سارو پیہ عدالتوں میں برباد ہونے سے بچ جائے۔

حلّ لغات

شِقَاقَ۔ اختلاف۔

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝

اور محتاجوں سے اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور لونڈی غلام سے نیکی کرو۔ خدا کسی اترانے والے اور بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا[۱] ○

۳۷۔ نِ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

۳۷۔ وہ جو بُخل کرتے اور لوگوں کو بُخل سکھلاتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چُھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رُسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے ○

۳۸۔ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝

۳۸۔ اور جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور وہ اللہ اور آخری دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ساتھی شیطان ہوا، اُس کا بہت بُرا ساتھی ہو گیا ○

۳۹۔ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ

۳۹۔ اور اگر وہ اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان لاتے اور جو ہم نے دیا ہے خرچ کرتے تو اُن کا کیا نقصان

[۱] ان آیات میں خدا سے لے کر غلام تک کے ساتھ صحیح تعلق رکھنے کی تلقین ہے کہ جہاں اللہ کی عبادت کرو، وہاں اس کا مظاہرہ تمہارے اعمال سے بھی ہو۔

حلِّ لُغات

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ جو تمہارے قبضہ ملک میں ہوں۔

مُخْتَالًا۔ متکبّر۔

فَخُوْرَ۔ شیخی بگھارنے والا۔

اللّٰہُ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا ۝

۴۰۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝

۴۱۔ فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ ۭ بِشَهِيۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا ۝

۴۲۔ يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰہَ حَدِيۡثًا ۝ ع ۴

ہو جاتا اور اللہ اُن کو جانتا ہے[ف۱] ۝

۴۰۔ بے شک اللہ ایک ذرّہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور اگر نیکی ہو تو اُس کو دو چند کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بڑا ثواب دیتا ہے[ف۲] ۝

۴۱۔ پھر اُس وقت کیا ہو گا جب ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ بُلائیں گے اور تجھے (اے محمدؐ) اِن مسلمانوں کا گواہ لائیں گے[ف۳] ۝

۴۲۔ اُس دن کافر اور رسُول کے نافرمان یُوں آرزو کریں گے کہ کاش وہ زمین میں کسی طرح ملا دیئے جائیں اور خدا سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے[ف۴] ۝

ف۱ اِن آیات میں بتایا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی ریاکاری کو دخل نہ ہو اور نہ کوئی شیطانی جذبہ اس میں کارفرما ہو۔ خالصۃً اللہ کے لئے، اللہ کے بتائے ہوئے طریق کے مُطابق خرچ کیا جائے۔

اگر خدا پر یقین نہ ہو اور آخرت سے دل لرزاں نہ ہوں تو یاد رکھیے کوئی عمل قابلِ قبول نہیں۔

ف۲ خدائے تعالیٰ اس درجہ رؤف و رحیم ہے کہ باوجود حق و اختیار کے وہ کسی کی حق تلفی نہ کرے گا اور نیکیوں کو بڑھاتا رہے گا اور اپنی طرف سے اجرِ عظیم عنایت فرمائے گا یعنی وہ ہمہ احسان و جمال ہے، ہمارے گناہوں کو بنظرِ ترحّم دیکھے گا اور ہماری حسنات کو بہ نگاہِ فضل و امتنان۔

بات یہ ہے کہ اس کی شانِ کریمی بہرحال آمادۂ بخشش ہے وہ نہیں چاہتا کہ اُس کا ایک بھی بندہ جہنّم میں جائے۔ یہ نیکیوں کو بڑھانا اور گناہ کی تکفیر تو بہانے ہیں اور وسائل و ذرائع اپنی آغوشِ رحمت میں لینے کے۔ اور ظاہر ہے جب تک وہ زائد از استحقاق فضل و عنایات سے کام نہ لے، عاصی و گنہگار انسان کے لئے نجات کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ اس کی نعمتیں اس قدر وسیع و بے حد ہیں کہ ساری زندگی کی عبادتیں اور ریاضتیں "شکریہ" کے مرتبے سے آگے نہیں بڑھتیں۔ پھر یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ ہماری حقیر "خدمات" کو درخورِ اعتنا جانتا ہے اور ہمیں بخششِ عام کا مستحق قرار قرار دیتا ہے۔

شاہدِ اکبر

ف۳ اِس آیت میں شانِ رسالت پناہؐ کا ذکرِ جمیل ہے اور آپ کے رُتبۂ ختمیت و کمال کا تذکرہ ہے۔

قیامت کے دن جب تمام لوگ جنابِ باری کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو بطور اتمامِ حجت کے پُوچھا جائے گا کہ بتاؤ تم تک ہمارے احکام پہنچے تھے یا نہیں؟ اور اس کے بعد انبیاء و رسل کی جماعت فرداً فرداً بطور گواہ و شاہد کے پیش ہوگی اور کہے گی کہ خداوندا! ہم نے تیرے احکام بلاکم و کاست تیرے بندوں تک پہنچا دیئے۔ اور اس کے بعد شاہدِ اکبر جلوہ فرما ہوگا۔ یعنی خواجۂ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور گواہی دے گا کہ سارے نبی سچ کہتے ہیں۔ انہوں نے تبلیغِ حق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گویا آپؐ کا وجود بجائے خود تصدیق ہے تمام نبوّتوں کی۔ اور آپؐ نبیوں کے نبی اور تمام رسُولوں کے رسُولؐ ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کے بغیر تمام نبوّتیں ناقص ہیں۔ آپؐ کو درجۂ کمال و ختمیت عطا کیا گیا ہے کہ آخری فیصلہ شہادت پر موقوف ہے۔

ف۴ اس وقت وہ لوگ جنہوں نے آپؐ کے مرتبہ و درجہ کو نہیں پہچانا، پچھتائیں گے اور کھلے لفظوں میں اپنے کتمانِ حق کا اعتراف کریں گے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حلِّ لُغات

شَهِيۡدٌ۔ گواہ۔ مبلغ۔ حاضر۔

۴۳- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

۴۳- مُسلمانو! جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے پاس نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو[ف۱]۔ ورنہ بحالتِ جنابت جب تک غُسل نہ کر لو۔ البتہ اگر مُسافرت میں ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور اگر تم بیمار یا مُسافر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ پھر اپنے مُونہوں اور ہاتھوں پر مسح کر لیا کرو۔ بے شک خدا مُعاف کرنے والا بخشنے والا ہے[ف۲] ۝

۴۴- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ یُرِیْدُوْنَ

۴۴- کیا تُو نے اُن کی طرف نہ دیکھا جنہیں کتاب[ف۳] میں سے ایک حصّہ ملا ہے۔ وُہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے

ف۱ اس آیت میں بتایا ہے کہ نماز کے وقت سُکر و مستی میں نہ رہو۔ بات یہ تھی کہ تحریمِ خمر کی آیات کے نزول سے پہلے شراب عام طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عوفؓ نے صحابہؓ کی دعوت کی اور اس میں شراب کا بھی انتظام کیا۔ سب نے پی اور مست ہو گئے۔ مغرب کی نماز میں امام جب قرآن پڑھنے لگا تو غلط ملط آیات پڑھ گیا۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ الفاظ کی صحت کا خیال رہے اور دُوسرے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھتے وقت نماز کی رُوح و معنویت سے واقف رہنا نہایت ضروری ہے۔ وہ شخص جو نماز کا سادہ سے سادہ ترجمہ بھی نہیں جانتا وہ کیونکر صحیح معنوں میں نماز کے کوائفِ رُوحانیہ سے لطف اندوز ہو سکتا ہے؟ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے، یہ اتنے سخت ہیں کہ بلا ترجمہ و علم نماز پڑھنا قرآن کے نزدیک بمنزلہ سُکر و مستی کے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے اور ہماری نمازوں کو قبول فرمائے۔

فلسفۂ تیمّم

ف۲ معذوری کی حالت میں جب پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لینا کافی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان خدا کی عبادت میں بہرحال کوشاں رہے اور کوئی معذوری اس کے لئے رُکاوٹ کا باعث نہ ہو سکے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو باقاعدہ و باضابطہ رہنے کی تلقین کی ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ بہرحال ضبط و انتظام میں فرق نہ آنے دے۔

تیمّم کے معنی قصد و ارادہ کے ہیں۔ یعنی ضرورت اس بات کی ہے کہ ارادہ پاک و بلند رہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر حالت و کیفیت میں پانی ضروری ہو۔

ف۳ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اہلِ کتاب کے پاس احکامِ خداوندی کا کوئی کامل و صحیح صحیفہ نہیں۔ گردشِ روزگار اور ان کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے چند صداقتیں اور سچائیاں اُن کے پاس محفوظ رہ گئی ہیں۔ مگر یہ ہیں کہ اُن کو بھی پس پشت ڈال رہے ہیں اور دنیا کی جھوٹی خواہشات کے لئے حق و صداقت کو قربان کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ تمہارے اور حق کے لئے کھلے دشمن ہیں۔ یہ جان رکھیں کہ خدائے ذوالجلال تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حلِّ لغات

سُكٰرٰى۔ جمع سُکران۔ بدمست + جُنُبًا۔ جنبی۔ ناپاک + الْغَآىِٕطِ۔ جائے ضرور۔ قضائے حاجت + صَعِیْدًا۔ مٹی۔

اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ○

ہیں کہ تم مسلمان راہ سے بہک جاؤ ○

۴۵۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ○

۴۵۔ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور خدا کافی مددگار اور کافی دوست ہے ○

۴۶۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

۴۶۔ یہودیوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ باتوں کو اُن کے ٹھکانوں ف سے بدل ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے تیرا قول سُنا اور تیرا حکم نہ مانا۔ اور سُن کہ نہ سُنا جائے تُو۔ اور اپنی زبانیں مروڑ کے اور دین میں طعن کر کے راعنا کہتے ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ "ہم نے سُنا اور مانا اور تُو سُن اور ہم پر نظر کر" تو اُن کے لئے بہتر ہوتا اور درست (ہوتا) لیکن خُدا نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کی ہے۔ پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے ○

۴۷۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

۴۷۔ اے کتاب والو! جو ہم نے نازل کیا ہے، اُس پر ایمان لاؤ کہ وہ سچ بتاتا ہے تمہارے پاس

تحریف کلمات

ف اِن آیات میں یہود کی عادتِ تحریف کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ ذوقِ حق سے قطعاً محروم ہیں۔ یہ باتیں سنتے ہیں اور اُسے بالکل بدل دیتے ہیں۔ پھر طبیعتیں اس درجہ مسخ ہو چکی ہیں کہ گستاخی و دل آزاری سے بھی باز نہیں آتے۔

رَاعِنَا کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ان کا مقصد بہرحال ایذاء رسُولؐ اور اپنی گستاخی کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ اس لفظ کو ذرا زبان داب کر کہتے ہیں جس سے ذم کا پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتا اور اتنی سی بات سے خوش ہو جاتے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ ایسے لوگ اللہ کی رحمت سے دُور رہتے ہیں اور بوجہ اپنی گستاخی و ملعونیت کے نورِ ایمان سے ہمیشہ دُور رہتے ہیں۔

حلِّ لُغات

مَوَاضِعَ۔ جمع مَوْضِع۔ جگہ۔ مقام۔

رَاعِنَا۔ ہماری طرف التفات فرمائیے۔ کلمۂ ترغیب ہے۔

اُنْظُرْنَا۔ دیکھیے، ملاحظہ فرمائیے۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

والے کو، پیشتر اس کے کہ ہم بہت سے مُونہوں کو مٹا دیں پھر اُن کو اُن کی پُشت کی طرف پھیر دیں یا ہم اُن پر لعنت کریں جیسے ہم نے ہفتے والوں پر لعنت کی تھی کہ وہ بندر بن گئے اور اللہ کا کام کیا ہوا ہے[ف۱]

۴۸- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

۴۸- بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور اُس کے نیچے جسے چاہے بخش دے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا، اُس نے گناہِ عظیم باندھا[ف۲] ۝

۴۹- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

۴۹- کیا تُو نے اُن کی طرف نہ دیکھا جو اپنی جانوں کو پاک کہتے ہیں (یعنی یہود) بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے[ف۳] اور ایک دھاگے کے برابر اُن پر ظلم نہ ہوگا ۝

ف۱ اِس آیت میں یہود کو دعوتِ ایمان دی ہے اور کہا ہے قرآنِ حکیم سابقہ حقائق و معارف کا مُصدق ہے۔ یہ انہیں معارف و حکم کو پیش کرتا ہے جن سے تمہارے کان آشنا ہیں۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ اس کو مانو اور یاد رکھو، نہ مانو گے تو ایک وقت ایسا آئے گا جب تمہارے چہرے مسخ کر دئے جائیں گے۔

طمس کے معنی مٹانے کے ہیں۔ مَفَازَۃٌ طَامِسَۃٌ اُس جنگل کو کہتے ہیں جس میں کوئی اثر و نشان نہ رہ گیا ہو۔ طمس اللّٰہ علیٰ بصرہٖ سے مُراد ہے خدا نے اس کی بصارت کو ضائع کر دیا۔

وُجُوۡہ۔ وَجہ کی جمع ہے جس کے معنی چہرے کے ہیں۔ کبھی کبھی وُجوہ کا اطلاق اعیان و زعماءِ قوم پر بھی ہوتا ہے۔

اس لئے بعض لوگوں نے اس کے یہ معنی بھی لئے ہیں کہ وقت سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ جب تمہارے اعیان و وجوہ کو ذلت و حقارت سے نکال دیا جائے اور ان کی عزت خاک میں مل جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی پُوری ہو چکی۔ یہود قریظہ و نضیر کو ان کی بستیوں سے نکال کر اذرعات و ایماء میں جلا وطن کر دیا گیا۔

یہ معنی درست ہیں مگر تھوڑے سے تکلف کے ساتھ۔ قرآنِ حکیم کی زبان کی شگفتگی اور سادگی ان معنوں کی زیادہ مؤید نہیں۔

اگر مقصد یہی ہوتا تو فَنَرُدَّهَا کی بجائے فنردھم علیٰ ادبارھم ہونا چاہئے تھا۔

بات یہ ہے کہ قیامت کے دن جو سزائیں مقرر ہیں وہ اعمالِ سیئہ کے بالکل متناسب ہیں۔ دُنیا میں ان لوگوں نے چُوں کہ قرآنِ حکیم کی جانب کوئی توجہ نہیں کی، اس لئے آخرت میں اُن کے چہروں کو مسخ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہی تمہاری عدم توجہی کی عملی سزا ہے۔

ناقابلِ معافی جرم

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی دُوسرے کو شریک و سہیم ٹھہرانا ناقابلِ عفو گناہ ہے۔ سارے گناہ، تمام عیب بخشے جا سکتے ہیں مگر شرک جو اللہ کے جلال و جبرُوت پر کھلا حملہ ہے کسی طرح بھی نہیں بخشا جا سکتا۔

(باقی صفحہ ۲۰۴ پر)

حلِّ لُغات

اَدْبَار۔ جمع دُبر۔ پیچھا۔ پیٹھ ✦ اَصْحٰبَ السَّبْتِ۔ ہفتہ کے دن خدا کی ہدایات کو پسِ پشت ڈالنے والے اسرائیلی۔

۵۰۔ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

۵۰۔ دیکھو اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی صریح گناہ اُس کو کافی ہے ۝

۵۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝

۵۱۔ کیا تُو نے اُن کی طرف نہ دیکھا جنہیں کتاب میں سے حصہ ملا ہے کہ وہ بُتوں اور شیطان پر ایمان لائے ہیں اور وہ کفّار (قریش) کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ مُسلمانوں کی نسبت زیادہ راہ پائے ہوئے ہیں ۝

۵۲۔ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

۵۲۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خُدا نے لعنت کی اور جس پر خُدا نے لعنت کی اُس کے لئے تُو کوئی مددگار نہ پائے گا[ف] ۝

۵۳۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝

۵۳۔ کیا اِن (یہودیوں) کا سلطنت میں کچھ حصہ ہے ؟ پھر تو لوگوں کو ایک تِل برابر بھی نہ دیں گے ۝

۵۴۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ

۵۴۔ کیا لوگوں سے اِس چیز پر حسد کرتے ہیں جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

اعمال کے تمام جرائم لائقِ بخشش ہیں مگر عقیدے کا یہ گناہ ناشائستہ معافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرک ذہن و فکر کی ایسی پستی کا نام ہے جس کے بعد انسانی شرف و فضیلت کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ شرک کے علاوہ جتنے گناہ ہیں وہ حدودِ انسانیت کے اندر ہیں، مگر شرک یکسر غیر انسانی فعل ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے اُونچا درجہ دیا ہے اور اگر یہ اپنی رفعت و عظمت کو محسوس نہ کرے بلکہ پتھروں کے سامنے جھک کر اپنے جوہرِ فضیلت کی توہین کرے تو کیونکر اسے بخشا جا سکتا ہے۔

تین بڑے بڑے عیب

ف۳ یوں تو یہودی دینِ فطرت سے کوسوں دُور تھے اور ان کی کوئی بات بھی دینی اور مذہبی نہ تھی۔ مگر ان کو ہمیشہ یہ وہم رہتا کہ وہ ساری دنیا کے لوگوں سے بہتر و افضل ہیں۔ وہ علی الاعلان کہتے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہ ہم خدا کے فرزند اور قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس تزکیۂ نفس اور کبر کی تمہیں

اجازت نہیں۔

دُوسرا عیب اُن میں یہ تھا کہ وہ اپنی خواہشات نفس کے سا... تورات کے احکام بدل دیتے۔

تیسری بُرائی مداہنت کی بُرائی تھی۔ وہ مشرکین مکہ کے احوا... عواطف کا ہمیشہ ساتھ دیتے اور مسلمانوں کی مخالفت میں اپنے اصولِ دینیہ کی بھی چنداں پرواہ نہ کرتے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف ان آیات میں اس منافقانہ ذہنیت کا اظہار ہے۔ فرمایا کہ یہ خدا کی رحمت سے دُور ہیں اور جو لوگ اس کی رحمت سے دُور رہتے ہیں، ان کا کوئی دوست نہیں۔

حلِّ لُغات

اَلْجِبْتُ ۔ بت ۔
اَلطَّاغُوْتُ ۔ کاہن ۔
نَقِيْرًا ۔ اقل ۔ قلیل ۔

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

خدا نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے۔ سو ہم نے تو ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی اور بڑی سلطنت بخشی تھی ف۱ ۝

۵۵- فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝

۵۵- پھر اُن میں سے کوئی اس کتاب پر ایمان لایا اور کوئی اس سے ہٹا رہا اور جلتا جہنّم کافی ہے ف۲ ۝

۵۶- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

۵۶- جو ہماری آیتوں سے مُنکر ہوئے ہیں اُن کو ہم آگ میں ڈالیں گے۔ جب اُن کا چمڑا گل جائے گا تو ہم اُن کو دُوسرا چمڑا بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں۔ بے شک خدا غالب حکمت والا ہے ف۳ ۝

رازِ حیات ان آیات میں یہودی بخل و حسد کا ذکر ہے کہ یہ قومیں اخلاقِ حسنہ سے بالکل عاری ہیں۔ اسلام کا انکار بھی اسی جذبہ حسد و بخل کے ماتحت ہے۔ یہ نہیں چاہتے کہ دنیا کی کوئی قوم سرفرازی و سربلندی سے مفتخر ہو۔ اس بناء پر جب یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان خدا کے فضل و عنایات سے بہرکیف بہرہ ور ہیں اور دین و دنیا کی نعمتیں اور کرامتیں انہیں حاصل ہیں تو مارے حسد و بخل کے جل اُٹھتے ہیں۔ قرآنِ حکیم ارشاد فرماتا ہے آلِ ابراہیمؑ کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ کیا ہم نے انہیں کتاب و حکمت کے ساتھ ساتھ حکومت و خلافت نہیں بخشی اور کیا وہ وعظ و ارشاد کے علاوہ تاج و تخت کے وارث نہیں تھے؟ پھر تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ مسلمانوں میں جب دُنیا و دین کا اجتماع دیکھتے ہو تو چِلّا اُٹھتے ہو۔ یہ تو ہماری سنّت و طریق ہے کہ جو قوم صحیح معنوں میں ہمارے پیغام کو سمجھ لیتی ہے، ہم انہیں کتابِ حکیم بھی دیتے ہیں اور فتح عظیم بھی۔

بات یہ ہے کہ خدائی احکام و شریعت کا منشا صرف جذبۂ نیازمندی کا امتحان ہی نہیں، بلکہ ہماری تمام قوتوں کو اُبھارنا بھی ہے۔ وہ قومیں جو اس رازِ حیات کو سمجھ لیتی ہیں، ہمیشہ فرازِ ترقی تک پہنچ جاتی ہیں اور جن کے نزدیک مذہب محض جمود و تسفل کا نام ہے وہ نکمے اور ذلیل رہتے ہیں۔ خیر القرون میں دیکھئے کہ ایک نکمی، ذلیل اور جاہل قوم انہیں نمازوں، روزوں اور فرائض و نواہی سے ساری دنیا پر چھا جاتی ہے اور اس کی رگ رگ میں زندگی کا خون دوڑنے لگتا ہے۔ اُن کا دماغی افق اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اقبال و حشمت کا آفتاب انہیں سجدہ کر کے طلوع ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ اُنہوں نے مذہب کی صحیح رُوح کو سمجھا اور اُس پر عمل کیا۔ آج بھی اگر مسلمان اسلام کے صحیح اور سُلجھے ہوئے قانون کو مان لیں تو ان میں وہی پہلی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ جب حق و صداقت کا آفتاب سطحِ ارض پر چمکا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے چشمِ بصیرت سے دیکھا، اور محسوس کیا ہے اور بعض اندھوں نے انکار کیا ہے۔ اس لئے اسلام کے متعلق بھی یہ تقسیم ناگزیر تھی۔ آپ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے انکار و تمرد پر متعجب نہ ہوں۔

ف۳ مقصد یہ ہے کہ مجرموں کی سزائیں تجدید پذیر ہوتی رہیں گی اور ہر گاہ انہیں تکلیف محسوس ہوتی رہے گی۔ قیامت کے دن ہمیں ایک خاص قسم کا جسم عنایت کیا جائے گا جو تشخصات و تعینات کے اعتبار سے بالکل ہمارا ہی جسم ہو گا۔ مگر بعض خصوصیات اس میں زائد ہوں گی اور انہیں خصوصیات کے مطابق جن کی تفصیل ہم اس دنیا میں نہیں جان سکتے۔ وہ اجسام عذاب و ثواب کے متحمل ہوں گے۔

سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ سے مُراد تحقیق و قوع ہے یعنی یہ عذاب ضرور آ کے رہے گا۔ اس کے وقوع و تحقق میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

حلِّ لُغات

مُلْكٌ۔ بادشاہی۔ حکومت + سَعِيْرًا۔ بھڑکتا ہوا +
جُلُوْدًا۔ جمع جلد۔ کھال +

۵۷- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

۵۷- اور وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ ہم اُنہیں باغوں میں داخل کریں گے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے اُن کے لئے وہاں ستھری عورتیں ہوں گی۔ اور ہم انہیں سایہ دار چھاؤں میں داخل کریں گے[ف۱] ۝

۵۸- اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝

۵۸- خُدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو اُن کے اہل کی طرف پہنچا دیا کرو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت دیتا ہے اور اللہ سُنتا، دیکھتا ہے[ف۲] ۝

۵۹- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

۵۹- مُسلمانو! اللہ کی اور رسُولؐ کی اور ان اختیار والوں کی جو تم میں سے ہیں اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی شے میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اُس کو خُدا اور رسُولؐ کی طرف لے جاؤ۔ اگر تم

ف۱ اہلِ ایمان و فلاح کا ذکر ہے کہ انہیں باغات و انہار میں جگہ دی جائے گی اور اُن کے لئے گھنے سائے مہیا کیے جائیں گے۔ یعنی وہاں نظر و قلب کی مسرت کے لئے ہر وہ چیز جو ضروری ہے، حاصل ہو گی اور عرُوسانِ فطرت پُوری طرح بن سنور کر اہلِ جنت حضرات کے لئے جلوہ آراء ہوں گی اور پھر وہاں سب سے بڑی مسرت یہ ہو گی کہ پاک بیویاں بھی زینت دہِ آغوش ہوں گی۔ یعنی دُنیا میں جتنی مسرتیں اور سعادتیں ہیں وہاں سب کا حصول ہو گا اور علیٰ وجہ الکمال کہ کسی طرح کا نقص و تکدر اُن میں موجود نہ ہو۔

اداء امانت

ف۲ امانت کا لفظ جہاں معاملات میں امانۃ حقوق پر بولا جاتا ہے وہاں پُورے دین و ضابطہ شرع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا ۔ یعنی ذمہ داری کا بوجھ جس کا نام اسلام و فطرت ہے، بجز انسانوں کے اور کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔ پس ادائے امانت کے معنی نہایت وسیع و عریض ہیں۔ یعنی ہر حق اور فرض کی ادائیگی۔

اسی لئے اس کی ایک صُورت یہ بیان کی کہ جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ یعنی مسلمان کی ہر بات عادلانہ و منصفانہ ہو۔ بڑی سے بڑی قوت انہیں حق کے اظہار سے مانع نہ ہو۔ کوئی لالچ، کوئی ترغیب اور کوئی ڈر مسلمان کو جور و تعدی پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ مسلمان دنیا میں پیکرِ عدل امانت بن کر آیا ہے۔ اس لئے اس سے کسی مداہنت و منافقت کی توقع اُس کی فطرت کے خلاف ایک مطالبہ ہے جس کی کبھی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

حَلِّ لُغَات

اُولِي الْاَمْرِ۔ صاحب امر و نفوذ جماعت۔ لقد امر امر ابن ابی کبشہ

تَنَازَعْتُمْ۔ مراد اختلاف ہے۔

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اچھا ہے انجام میں ف۱ ۝

٦٠۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

٦٠۔ کیا تُو نے اُن کی طرف نہ دیکھا جن کا یہ دعویٰ ہے کہ جو کلام تجھ پر نازل ہُوا اور جو تجھ سے پہلے نازل ہُوا ہے ہم اُسے مانتے ہیں۔ اُن کا ارادہ ہے کہ شیطان کی طرف فیصلہ کے لئے مقدمہ لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان انہیں گمراہی میں دُور لے جانا چاہتا ہے ف۲ ۝

٦١۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝

٦١۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رسُول کی طرف اور جو خُدا نے نازل کیا ہے اُس کی طرف آؤ تو تُو دیکھتا ہے کہ تیری طرف سے ہٹ کر کے رُک رہتے ہیں ۝

٦٢۔ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا

٦٢۔ سو اُس وقت کیا ہو گا جب اُن کے اعمال کے

جذبۂ اطاعت کا صحیح حل ف۱ اس آیت اطاعت میں اصل اداءِ امانت کی صحیح تشریح مذکور ہے یعنی ہر شخص کے دل میں ایک جذبۂ اطاعت پنہاں ہے۔ ہر انسان فطرتاً چاہتا ہے کہ وہ کسی زبردست کے سامنے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ جھک جائے۔ اُسے ایک ایسے فارقلیط یا تسلی دینے والے کی ضرورت ہے جو ہر اضطراب اور پریشانی کے وقت اس کے لئے سرمایۂ تسکین مہیا کرے۔ یعنی جذبۂ اطاعت وانقیاد کی تکمیل کیونکر ہو؟ یہ ایک سوال ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے آیتِ مذکورۂ میں اس سوال کا جواب دیا ہے۔ فرمایا۔ خدا، رسول اور حاکم عادل جو مسلم ہو، اطاعت کے قابل ہیں۔

یعنی شرعیات واخلاق میں خدا اور رسُولؐ کی باتیں مانو اور وقتی اور ہنگامی مصالح میں اپنے میں سے صاحبِ حکم وامر کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم میں اور حاکم وقت میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر بطور آخری حکم کے صرف اللہ کے رسُول کو سمجھو۔ مقصد یہ ہے کہ بطور حجت وفیصلہ کے مسلمان صرف خدا اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تابع ہے اور اُسے حق حاصل ہے کہ حاکم یا قوتِ حاکمہ سے دیانت داری کے ساتھ اختلاف رکھ سکے۔

اُولُوا الامر کون ہیں اس لفظ کے مصداق ومحمل میں اختلاف ہے اور مندرجہ ذیل معانی مُراد لئے جاتے ہیں:۔

(۱) اجماعِ اُمّت (۲) خلفائے راشدین (۳) سالارِ عسکر (۴) علمائے حق (۵) آئمۂ معصومین۔

اگر تھوڑے سے غور وفکر کو بروئے کار لایا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس سے مراد صاحبِ نفوذ، قوّتِ حاکمہ ہے۔ چاہے وہ بصُورتِ اجماع ہو اور چاہے بصُورتِ حکومت۔ چاہے علمائے حق کو یہ حاصل ہو اور چاہے آئمۂ معصومین کو۔ اس لئے کہ امر کے معنی لغتۃً اثر ونفوذ کی قوّت کے ہیں۔ مطلقاً حاکم وقت اولوالامر نہیں۔ البتہ جائز اُمور میں ان کی اطاعت بحکم اطاعتِ رسول ضروری ہے۔

ف۲ طاغوت سے مراد ہر غیر شرعی ادارۂ حکومت ہے۔ مُسلمان مجبُور ہے کہ اس کی مخالفت کرے۔ البتہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ مُسلمان بُزدل رہے اور اس کی گردن ہمیشہ ماسوی اللہ کے ڈر سے جھکی رہے۔

حلِّ لُغات

تَاْوِيْلٌ۔ انجام۔ نتیجہ۔ صُدُوْدٌ۔ رُکنا۔ ہٹنا۔

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ○

۶۳- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ○

۶۴- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

۶۵- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى

سبب جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اُن پر مصیبت آئے گی پھر تیری طرف اللہ کی قسمیں کھاتے آئیں گے کہ ہمارا مقصد سوائے بھلائی اور ملاپ کے[ف۱] اور کچھ نہیں تھا ○

۶۳- یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے سو تو اُن سے چشم پوشی کر اور انہیں نصیحت کر اور اُن کے حق میں اثر کرنے والی بات کہہ ○

۶۴- اور ہم نے ہر رسول اسی مُراد سے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم سے وہ[ف۲] مانا جائے اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کریں، تیرے پاس چلے آئیں، پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی اُن کے لئے مغفرت چاہے تو وہ خدا کو معاف کرنے والا مہربان پائیں گے ○

سو (اے محمدؐ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان

ف۱ ان آیات میں منافقین کی نفسیات کو بیان کیا ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت سے کتراتے ہیں اور حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں حُبِ رسولؐ کا جذبہ دن بدن کم ہوتا جائے اور جب عنادِ رسولؐ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر اخلاص و مودّت کی قسمیں کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض احسان و توفیق کے حامی ہیں۔ ہماری تمام تگ و دَو اس لئے ہے کہ دونوں گروہوں میں صلح و امن قائم ہو جائے۔

فرمایا، یہ منافقت ہے۔ خدا خوب جانتا ہے۔ اس لئے آپ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) ان سے تعرض نہ کریں اور وعظ و حکمت سے انہیں متاثر کرنے کی کوشش نہ کریں۔

رسولؐ بجائے خود مطاع ہے

ف۲ اس آیت میں بتایا ہے کہ منافقین اگر حضورؐ کے پاس آ کر سچے دل سے طلب مغفرت کریں اور رسولؐ اُن کے خلوص سے متاثر ہو کر اُن کے لئے استغفار کرے تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیں گے۔

یعنی جب تک اُن کے خلوص پر مُہرِ رسالت ثبت نہ ہو اور جب تک خدا کا پیمبر یہ نہ کہہ دے کہ یہ خالصتہً اب میرے ہمنوا ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں عفو و توبہ کا مستحق قرار نہیں دیتا۔ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ سے مراد یہ ہے کہ رسول مطاعِ مطلق ہے۔ اس کا وجود بجائے خود حجت و سند ہے۔ اس کی ہر ادا صبغۃ اللہ میں رنگین ہوتی ہے۔ اس کا ہر قول و فعل مستفاد ہوتا ہے منشائے الٰہی سے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

اس لئے یہ کہنا کہ رسولؐ کی ذات و افعال لازم اطاعت نہیں۔ قرآنِ ناطق کی توہین ہے۔

وہ لوگ جو منصب نبوت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، کسی طرح بھی اُسوۂ حسنہ کو قرآن سے الگ کوئی چیز قرار نہیں دے سکتے۔

يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○

٦٦- وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ○

٦٧- وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ○

٦٨- وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ○

٦٩- وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

نہیں ہو سکتے جب تک اپنے جھگڑے میں تجھے منصف نہ بنائیں پھر جو تُو فیصلہ دے اُس پر اپنے دلوں میں تنگ نہ ہوں اور تابعدار بن کر تسلیم کریں ف۱ ○

٦٦- اور ہم انہیں اگر حکم دیتے کہ اپنے تئیں قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو وہ (مُنافق) نہ کرتے مگر تھوڑے سے۔ اگر وہ کام کرتے جس کی اُن کو نصیحت کی گئی ہے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا دین میں ○

٦٧- اور اس صُورت میں ہم اُنہیں بڑا ثواب دیتے ف۲ ○

٦٨- اور اُنہیں راہِ راست دکھلاتے ○

٦٩- اور جو کوئی اللہ کا اور رسُول کا تابعدار رہا سو وہی لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے

حکمِ مُطلق

ف۱ اس آیت میں ربُوبیتِ مطلقہ کی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ اطاعتِ رسول ؐ لازمی ولابُدی شے ہے۔ یعنی ربوبیتِ عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کے سامنے گردنیں جھک جائیں۔ جب تک اطاعت وتسلیم کا رضا کارانہ جذبہ دلوں میں موجود نہ ہو، ایمان ویقین کی شمع روشن نہیں ہو سکتی۔

قرآنِ حکیم یہی نہیں فرماتا کہ رسُول ؐ کے سامنے اپنی گردنوں کو جھکا دو، بلکہ وہ یہاں تک اس کی تائید وتوثیق فرماتا ہے کہ دل کے کسی گوشے میں بدعقیدگی کی تاریکی موجود نہ رہے۔

یقین وثبات کے پورے جذبات کے ساتھ نیاز مندی وعقیدت کے تمام وَلولوں کے ساتھ مومن کے لئے ضروری ہے کہ آستانۂ رسالت ؐ پر جھک جائے۔ یعنی جوارح واعضاء کے ساتھ دل کا کونا کونا ضیاءِ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بقعۂ نُور بن جائے، ورنہ الحاد وزندقہ کا خطرہ ہے۔

وہ لوگ جو قرآن کو تو بظاہر مانتے ہیں لیکن سُنّت واُسوۂ رسول ؐ کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ نصوص قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں اور وہ اسلام کی اس عملی زندگی سے محرُوم ہیں جو اصل دین ہے۔

ف۲ اِن آیات میں نفاق وایمان کی نفسیات بیان فرمائی ہیں کہ منافق میدانِ جہاد میں سر بکف نہیں نکل سکتے اور تثبت واستقلال کی نعمتوں سے محرُوم ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جہاد وقربانی موقوف ہے جذبۂ ایمان وایقان کی مضبوطی پر اور وہ دل جن میں ایمان کی شمع فروزاں کبھی روشن ہی نہیں ہوئی، کیونکر ایثار وتضحیہ کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ پس جہاد وہجرت اور ایثار وقربانی معیار ہے ایمان کی گہرائیوں کا۔ جس درجہ کوئی نفسِ زکیہ پُر جوش اور مجاہد ہے اسی درجہ اُس کا قلب ایمان کی نعمتوں سے مالا مال ہے اور جس قدر اُس میں دُونِ ہمتی اور بُزدلی ہے وہ نفاق ہے۔

مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۝

اپنا فضل کیا ہے (یعنی) نبیوںؑ اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہوں گے اور یہ عمدہ رفیق ہیں[ف۱] ۝

٧٠۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ۝

٧٠۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے ۝

ع

٧١۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝

٧١۔ مومنو! اپنا بچاؤ کر لو۔ سو جُدی جُدی فوج بن کے کوچ کرو یا اکٹھے نکلو[ف۲] ۝

٧٢۔ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ

٧٢۔ اور تم میں کوئی ایسا ہے کہ نکلنے میں دیر کرتا ہے۔ پھر اگر کوئی مصیبت تم پر آگئی تو کہتا ہے مجھ پر خدا نے فضل کیا کہ مَیں اُن کے ساتھ حاضر

حُسنِ رفاقت

ف۱ آیت کے شانِ نزول میں متعدد واقعات بیان کئے جاتے ہیں

١۔ ثوبانؓ کا اشتیاقِ رفاقت یعنی اس کا دریافت کرنا کہ حضورؐ کیا ہم بھی شرفِ زیارت سے اُس وقت محظوظ ہو سکیں گے جبکہ آپؐ کے لئے "مقامِ محمود" کی بلندیاں مختص ہوں گی؟ ثوبانؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام تھے۔

٢۔ چند انصار کا پوچھنا کہ ہم کیونکر آپؐ کی معیت و رفاقت حاصل کر سکتے ہیں؟

٣۔ ایک عاشقِ رسولؐ انصاری کا کہنا کہ حضورؐ! ہم اس دُنیا میں آپؐ کی ادنیٰ سی مفارقت گوارا نہیں کر سکتے۔ قیامت کے دن کیا ہوگا۔ چہرۂ انور سے اکتسابِ مسرّت کا موقع کیونکر ملے گا؟

٤۔ عام مسلمانوں کا مطالبۂ رفاقت و صحبت۔

مقصد بہر حال یہ ہے کہ جذبۂ اطاعت سے سرشار مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں رفاقت کے بہترین درجے اور مواقع ہیں اور ظاہر ہے، صرف صحبت و رفاقت ہی ایک گراں قیمت اعزاز ہے جو ربِّ ودود کی طرف سے بخشا جائے گا۔ یعنی وہ لوگ جو "صُلحاء" کے درجۂ علیا تک نہیں پہنچے، بجز جذبۂ اطاعت و حُبِّ صلاح صُلحاء کے رفیق ہوں گے اور وہ صُلحاء جنہیں مرتبۂ "صدیقیت" حاصل نہیں ہوا۔ صرف اللہ کے صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔

اور وہ جو "صدیق" تو ہیں مگر جامِ شہادت نوش نہیں کیا، وہ شوقِ شہادت کی وجہ سے شہداء کی پُر انوار محبت سے استفادہ کر سکیں گے اور وہ جو شہید ہیں، پر انبیاء کے مقامِ رفیع کو نہیں پایا، انبیاء کے زمرۂ عالی قدر میں رہیں گے۔

جس طرح ستارے ماہتاب کے جلو میں رہنے سے ماہتاب نہیں بن جاتے اسی طرح محض رفاقت اُنہیں ان درجات پر فائز نہیں کر سکتی اور جس طرح باوجود رفاقت و صحبت کے انجمِ تاباں اور مہرِ منیر میں ایک واضح فرق ہے، اسی طرح ان مدارج میں ایک بیّن امتیاز باقی رہے گا۔

یہاں اعطاءِ مدارج کا سوال نہیں، اعطاءِ رفاقت کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے پہلے انبیاء کا ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ اگر ذکر مراتب و مدارج کا ہوتا تو پہلے صلحاء کا ذکر چاہیئے تھا اور حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا کے معنی تو ہرگز ہرگز کسی سلسلے کے متحمّل نہیں۔

خُذُوْا حِذْرَكُمْ

ف۲ حذر کے معنی علامہ زمخشری نے یہ کہے ہیں کہ وہ ہر شے جو تمہیں دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ چاہے وہ از قبیل تدابیر ہو، چاہے از قسم اسلحہ ــــ یعنی مسلمان بہر حال محتاط، بیدار اور خطرناک ہے۔ دشمن اس کے داب و جلال سے لرزہ براندام ہو۔ آہ! آج مسلمان کا عمل ان آیات پر بالکل نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر نوع کی ذلّتوں اور حقارتوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

حَلِّ لُغَات

لَیُبَطِّئَنَّ۔ کسل اور سستی۔

شَهِيْدًا ○

نہ تھا ○

۷۳۔ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○

۷۳۔ اور جو خدا سے تمہیں کچھ فضل ملا۔ تو ایسی ایسی باتیں کرتا ہے کہ گویا تم میں اور اُس میں کچھ دوستی نہ تھی (یعنی کہتا ہے) کہ اے کاش مَیں بھی اُن کے ساتھ ہوتا اور بڑی مُراد پاتا ○

۷۴۔ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

۷۴۔ جو لوگ حیاتِ دُنیا کو آخرت کے عوض بیچتے ہیں اُن کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں جہاد کریں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑے اور پھر مارا جائے یا غالب ہو، ہم اُسے بڑا ثواب دیں گے ○

۷۵۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

۷۵۔ اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خدا کی راہ میں اور اُن ناتوان مردوں[2] اور عورتوں اور بچوں

ف[1] منافق میں دون ہمتی اور خود غرضی بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے جبکہ جہاد کے مواقع آتے ہیں، یہ عملاً کسل و تاخیر سے کام لیتا ہے اور پھر اگر مسلمانوں کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو خوش ہوتا ہے کہ مَیں اس میں شریک نہیں تھا اور اگر انہیں حرّیت و آزادی کی نعمتوں سے کچھ حصّہ ملے تو یہ بھی اُلجھتا ہے کہ اے کاش میں بھی اُس کے شریکِ حال ہوتا۔
اس آیت میں انہیں منافقین کا حال بیان کیا ہے کہ دیکھئے اپنی اس ذلیل ذہنیت پر کس درجہ قانع ہے۔

نفیرِ عام ف[2] ہجرت کے بعد بعض لوگ مکّہ میں ایسے رہ گئے جو نہ ہجرت پر قادر تھے نہ جہاد پر۔ مکّہ والے انہیں مجبور کرتے کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ اُن کا ایمان انہیں ہر ابتلاء و آزمائش کو برداشت کرلینے کی تلقین کرتا۔ ان آیات میں مسلمانوں کو اعلانِ عام کے ذریعہ سے جہاد پر آمادہ کیا ہے کہ ان کمزور و ناتوان مسلمانوں کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہوجائیں۔ اس لئے کہ مسلمان "مظلوم و ضعیف" ہو کر دنیا میں نہیں رہ سکتا۔ وہ ضعف و ظلم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ بغاوت و انقلاب میں سمویا ہؤا ہے۔ اس کی رگوں میں خون کی جگہ آزادی و خلافت کی بجلیاں دوڑ رہی ہیں۔ ناممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو کمزور و مضمحل دیکھے اور اُس کے دل میں غیرت و غصّہ کا طوفان نہ بپا ہو جائے۔ اس کی فطرت حق و صدق کی تائید کے لئے ہے۔ وہ منصۂ شہود پر آیا ہی اسی لئے ہے کہ اللہ کی نیابت کا حق ادا کرے اور ظلم و عدوان کے خلاف پُرزور آواز بلند کرے۔ بلکہ طغیان و سرکشی کے خلاف خود رعد و صاعقہ بن جائے اور زمین استبداد کے لئے تہلکہ کی شکل اختیار کرلے۔ یہی وہ توقّعات ہیں جو مسلمانوں سے وابستہ ہیں اور اسی لئے خدائے غیوّر کا خطاب ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اے جہاد سے پیچھے رہنے والے انسانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم باوجود مُسلمان ہونے کے اس فریضہ سے غافل ہو گئے ہو۔ گویا ظالموں سے جہاد کرنا مردِ مومن کی شریعت میں داخل ہے جس سے ایک لمحہ بھی تغافل جائز نہیں۔ اس آیت میں تعجب و توبیخ کو باہم ملا دیا ہے۔ وَمَا لَكُمْ کہہ کر اظہارِ تعجب بھی کیا ہے اور ڈانٹا بھی ہے کہ کیوں جہاد پر آمادہ نہیں ہوتے۔

حَلِّ لُغَات۔ فَوْزٌ۔ کامیابی و کامرانی + يَشْرُوْنَ۔ شراء۔ بمعنی بیع بھی آتا ہے۔ ابن مصرع کہتا ہے ؎

وشروا بردا ليتنى من بعد برد كنت هامه

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

کے لئے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس شہر (مکہ) سے نکال جس کے لوگ ظلم کرنے والے ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی حمایتی پیدا کر اور مددگار بھیج ۝

۷۶۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝ ع

۷۶۔ ایمان دار خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کا مکر سست ہے ۝ ف۱

۷۷۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ

۷۷۔ کیا تو نے اُن کی طرف نہ دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھو، اور زکوٰۃ دو۔ پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو اُسی وقت اُن کا ایک فریق لوگوں سے ایسا ڈرا جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے یا اُس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! تُو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں ہمیں تھوڑی سی عمر جینے نہیں دیتا۔ تو کہہ دُنیا کا فائدہ

کیدِ شیطان

ف۱ اس آیت میں بتایا ہے کہ مومن ہمیشہ طاغوت و شیطان کے خلاف صف آرا رہتا ہے اور یہ کہ ظلم و عدوان کے پاؤں نہیں ہوتے۔ بڑے سے بڑا جابر و قاہر مومن کی ایمانی قوتوں کے سامنے محض ناچیز و حقیر ہے۔ بشرطیکہ مومن خود اپنی عظمتوں اور صلاحیتوں سے واقف ہو۔ یعنی مسلمان کو چاہئے کہ وہ کسی نمرود اور کسی فرعون سے مرعوب نہ ہو۔ ایمان وہ قوت ہے جو فولاد سے زیادہ مضبوط اور بارود سے زیادہ موثر ہے۔

حلِ لُغات

کَیْدٌ۔ تدبیر۔ حیلہ۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

تھوڑا ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہتر ہے اور ایک دھاگے کے برابر تم پر ظلم نہ ہوگا ۝ ف۱

۷۸۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝

۷۸۔ جہاں کہیں تم ہوگے تمہیں موت پکڑے گی۔ اگرچہ تم مضبوط برجوں ف۲ میں ہو۔ اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ تو کہہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ اِس قوم کو کیا ہوگیا کہ بات نہیں سمجھتے ف۳ ۝

۷۹۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ

۷۹۔ جو بھلائی تجھے ملتی ہے سو خُدا سے ہے اور جو بُرائی تجھے پہنچتی ہے سو وُہ تیرے نفس کی طرف

ف۱ ان آیات میں بتایا ہے کہ منافقین کی جماعت جب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا، شور مچا رہی تھی کہ ہمیں لڑنے کی اجازت دی جائے۔ اُس وقت انہیں روکا گیا اور کہا گیا کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ ہی پر اپنی تمام قوتیں مرکوز رہنے دو اور جہاد کا مطالبہ نہ کرو۔ کیونکہ یہ ایک ہنگامی و وقتی چیز ہے۔ مگر یہ تھے کہ اظہارِ ایمان و ایقان کے لئے بیقرار تھے اور جب جہاد فرض قرار دیا گیا۔ وقت آگیا کہ کفر کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جائے تو یہ انتہا درجے کے بُزدل ثابت ہوئے ان کے دلوں میں لوگوں کا ڈر اس درجہ سرایت کر گیا کہ یہ بہانے تلاش کرنے لگے۔ حالانکہ مومن سوائے خدا کے اور کسی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمام قوتیں اس سے ڈریں اور مرعوب رہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ خود غیر اللہ اشخاص سے خائف ہو۔ فرضیتِ جہاد کے بعد جس اضطراب اور گھبراہٹ کا اظہار لوگوں نے کیا، قرآنِ حکیم نے بتفصیل اس کا ذکر کیا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی جلد بازی اور وقت پر کم ہمتی ہمیشہ یاد رکھیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ لوگ جو صلح کے زمانے میں زیادہ پُرجوش ہوتے ہیں، جنگ کے زمانے میں نہایت عافیت پسند رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ دیکھو دنیا میں چند دن رہنا ہے۔ اس چند روزہ زندگی کے لئے لیت و لعل نہ کرو۔ وقت آگیا ہے تو کود پڑو۔ انجام و عاقبت ایسے ہی جانبازوں کے لئے ہے۔

موت کی ہمہ گیری

ف۲ اس آیت میں موت کی ہمہ گیری کا تذکرہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ موت کا ڈر وجہ تخلیف نہ ہو۔ موت جھونپڑے سے لے کر قصرِ سفید تک سب کو شامل ہے۔ اس کی فرمانروائی اتنی وسیع ہے کہ وہ لوگ بھی جو ہزاروں قسمتوں کے مالک ہیں، اس سے نہیں بچتے۔

ف۳ منافقین کی بے سمجھی کا ذکر ہے کہ وہ ہر ابتلاء کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشادم پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ کوئی شخص وجہ تشادم و تفاؤل نہیں بن سکتا۔

حلِّ لغات :۔ فَتِيْلًا۔ باریک ریشہ جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے + بُرُوْجٌ۔ جمع بُرج کے معنی ظہر کے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سے مراد نمایاں عمارت ہے۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

سے ہے اور ہم نے تجھے آدمیوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ گواہ کافی ہے ف۱ ۝

۸۰۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

۸۰۔ جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے خدا کا حکم مانا اور جو اُلٹا پھرا تو ہم نے تجھے اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ف۲ ۝

۸۱۔ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْھُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

۸۱۔ اور کہتے ہیں کہ قبول ہے پھر جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک فریق کے لوگ اس کے خلاف جو تو کہتا ہے رات کو مشورہ کرتے ہیں اور خدا لکھ لیتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں۔ سو تو اُن سے تغافل کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ۔ اللہ کارساز کافی ہے ف۳ ۝

رفع تناقض ف۱ ان دو آیتوں میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے کہ مصائب کو من عند اللہ بھی کہا ہے اور من نفسک بھی۔ مگر خدا کا کلام ہر تناقض و تعارض سے پاک ہے۔ پہلی آیت سے تشاؤم کی تردید مقصود ہے۔ دُوسری سے منشا یہ ہے کہ مصائب کے ذمّہ دار خود انسان ہیں۔ جہاں تک کسی واقعہ کے سببِ اوّل کا تعلّق ہے، وہ ظاہر ہے خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور جہاں اسباب قریبہ کا بیان ہے، واضح ہو کہ وہ انسان خود پیدا کرتا ہے۔ یعنی گو ہر مصیبت خدا کی طرف سے ہے مگر ہم حاصل اسے خود اپنے عمل سے کرتے ہیں۔

اِس لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آنے سے تم مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہو تو اس کی وجہ آپؐ کی تشریف آوری نہیں، تمہاری بدبختی اور انکار ہے۔

رسُولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

ف۲ منصبِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو تمام ہو اقتدار کے لئے چُن لیتا ہے۔ اس کی ہر بات منشائے الٰہی میں ڈھل کے نکلتی ہے۔ اس کا دل و دماغ انوار و تجلّیات سے معمُور ہوتا ہے۔ اس کی ہر حرکت ترجمان ہوتی ہے رضائے حق کی۔ اس لئے کسی شخص کو رسول یا نبی کہہ دینا بجائے خود اسے صحت مند قرار دینا ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ذوقِ عربیت سے محرُوم ہیں اور قرآن کے اسلُوبِ بدیع سے محض ناآشنا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کو ضروری نہیں جانتے۔ ان کے خیال میں قرآن حکیم اپنے موجُودہ "الفاظ" کے ساتھ بالکل کافی ہے اور جو وسائل و ذرائع قرآن فہمی کے لئے ضروری ہیں وہ چند لُغت و ادب کی کتابیں ہیں اور بس۔ یہ نادان اتنی سی سمجھ بھی نہیں رکھتے کہ اگر کسی کتاب کو بلا کسی زبردست عمل کے سمجھا جا سکتا ہے تو پھر ابراہیم علیہ السّلام کو آگ میں کُود پڑنے کی تکلیف کیوں دی؟ مُوسٰی علیہ السّلام کو فرعون سے لڑنے کا کیوں حکم ہوُا اور محمد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بدر و حنین کے معرکے کیوں بر رُوئے کار لانا پڑے؟ بات یہ ہے کہ دنیا میں کبھی باتوں اور نظروں سے انقلاب پیدا نہیں ہوُا۔ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے زبردست عملی قوّت کی۔

اس آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ جو شخص آپ کے نقشِ قدم پر چلے گا، صراطِ مستقیم پر گامزن رہے اور جو انکار کرتا ہے وہ جان لے کہ اس کی اپنی بدبختی ہے۔ آپؐ مجبُور نہیں کہ اس کو راہِ راست پہ لے آئیں اور یہ کہ آپ کی اطاعت براہِ راست خدا کی اطاعت ہے۔

ف۳ طَاعَةٌ بصُورتِ رفع اس کے معنی یہ ہیں کہ اطاعتِ کاملہ جس میں کوئی انقطاع و تجدد نہیں یعنی جب کہ منافق آپ کے پاس ہوتے ہیں، اس وقت غیر مشروط اور غیر متغیر اطاعت کا یقین دلاتے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں، اسلام کے خلاف حیل و تدابیر تلاش کرتے ہیں۔ فرمایا آپ ان سے زیادہ تعرض نہ فرمائیں۔ توکّل رکھیں۔ اللہ آپؐ کا ناصر و وکیل ہے۔

حَلِّ لُغات

حَسَنَةٌ سَيِّئَةٌ۔ نیکی اور بُرائی۔ انعام اور مصیبت۔

۸۲- اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○

۸۲- کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا تو وہ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے ○ ف۱

۸۳- وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

۸۳- اور جب اُن کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آجاتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس خبر کو رسولؐ یا اپنے اختیار والوں کی طرف پہلے پہنچاتے تو اُن کے تحقیق کرنے والے اس کا مقصد معلوم کر لیتے۔ اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو سوائے تھوڑوں کے تم شیطان کے تابع ہو جاتے ○ ف۲

۸۴- فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ○

۸۴- سو اے محمدؐ تو خدا کی راہ میں لڑائی کر۔ تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تو ایمانداروں کو لڑائی پر اُبھار قریب ہے کہ خدا کافروں کی لڑائی بند کر دے اور خدا لڑائی میں اور سزا دینے میں بہت سخت ہے ○

ف۱ اس آیت میں دعوتِ تدبّر و تفکر ہے۔ جو شخص قرآن حکیم پر دیانت داری کے ساتھ غور کرے گا۔ ضرور ہے کہ اس کی عظمت و صداقت پر یقین لے آئے سب سے بڑی بات جو قرآن پاک کی معجزانہ دلیل ہے وہ اس کی وحدت و یکسانی ہے۔
سارا قرآن پڑھ جاؤ۔ اس میں ہزاروں نکات و معارف بیان کئے ہیں۔ کہیں تضاد و تعارض کا نام نہیں۔ ایک دریا ہے جو برابر بہتا چلا جاتا ہے اور پڑھنے والے کو بہائے لئے جا رہا ہے۔ اسلوبِ بیان بھی بیسیوں اختیار کئے ہیں مگر سب میں حیران کُن بلاغت ہے کہیں زورِ کلام کم نہیں ہوتا۔ توحید و الٰہیات سے لے کر اخلاق و معاشرت کے باریک اور نازک مسائل تک بیان کئے ہیں مگر کیا مجال ہے جو شگفتگی و پاکیزگی میں فرق آجائے۔ وہی نزاہت و زور جو اس کا مخصوص خاصہ ہے، ہر جگہ نمایاں ہے۔

پروپاغنڈا ف۲ منافقین پروپاغنڈا کی مؤثریت سے خوب واقف تھے۔ جب کبھی کوئی بات اُن کے ہاتھ لگتی، خوب پھیلاتے۔ وہ چاہتے تھے کہ نشر و اشاعت کا یہ طریق نہایت کارگر ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے اثرات کو تسلیم کیا ہے۔ فرمایا۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (یعنی اگر خدا کی رحمتیں مسلمانوں کے شاملِ حال نہ ہوتیں تو وہ بجز چند سمجھ دار انسانوں کے ضرور گمراہ ہو جاتے۔
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکاذیب اراجیف کی اشاعت یکسر شیطانی فعل ہے۔ اسلامی طریقِ اشاعت پروپاغنڈا سے بالکل مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے، عربی میں کوئی لفظ پروپاغنڈا کا مترادف نہیں۔ حالانکہ اس کی وسعت دنیا کی تمام زبانوں سے زیادہ ہے۔

حلِّ لغات

حَرِّضْ۔ مصدر تحریض۔ آمادہ کرنا۔ اُبھارنا۔

۸۵ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝

۸۵ - جو کوئی بھلی بات میں سفارش[1] کرے گا اُس کو اُس میں سے حصّہ ملے گا اور جو کوئی بُری بات میں سفارش کرے گا اس پر اس سے ایک بوجھ ہوگا اور اللہ ہر شے کا نگہبان ہے ۝

۸۶ - وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝

۸۶ - اور جب تم دُعا سلام[2] کئے جاؤ تو اس کا جواب دُعا کے ساتھ اس سے بہتر لفظوں میں دو یا وہی لفظ واپس کرو۔ بیشک خُدا ہر شے کا حساب لینے والا ہے ۝

۸۷ - اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

۸۷ - اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں[3] وہ تم کو قیامت کے دن کہ جس میں شک نہیں ہے جمع کرے گا۔

ف۱ شفع و وتر جوڑا اور اکائی کو کہتے ہیں۔ شفاعت کے معنی ہیں کسی دوسرے کے ساتھ ہو کر کسی مسئلے کو طے کرنے کے۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ اچھی باتوں کی طرف لوگوں کو مائل کرنا اچھی بات ہے اور بُرائی کی طرف دعوت دینا بُرا ہے یعنی جہاد کی ترغیب و اشاعت از قبیلِ حسنات ہے اور وہ لوگ جو مُسلمانوں کو کسل و دُون ہمتی کی تعلیم دیتے ہیں، مُجرم ہیں۔

سَلَامٌ

ف۲ تحیّۃ کے معنی اصل میں کلماتِ دُعائیہ کے ہیں۔ جن میں مخاطب کی درازیٔ عمر مقصود ہو۔

اسلامی اصطلاح میں مراد اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا ہے۔

بات یہ ہے کہ جہاد میں بعض دفعہ مسلمان باوجود اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ سُننے کے مخاطب کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیتے۔ اس شبہ میں کہ یہ کہیں منافق نہ ہو۔

قرآن حکیم نے فرمایا۔ جو شخص تمہیں سلام کہے۔ تمہارا فرض ہے کہ اسے مسلمان سمجھو اور اسے اُس سے بہتر ہدیۂ سلام پیش کرو۔

یعنی مسلمان کو کسی حالت میں بھی زیبا نہیں کہ وہ سُوءِ ظن سے کام لے اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر سمجھے۔ ہر وہ شخص جو اسلام کا اظہار کرتا ہے، مسلمان ہے۔

باہمی مُلاقات کے وقت یہ لفظ اسلام نے ایسا تجویز کیا ہے جو بے حد موزُون ہے اور مشرقی لٹریچر کا جُزو بن گیا ہے۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اسلام دُنیا کا کامل ترین مذہب ہے۔

شغلِ تکفیر

ف۳ اس آیت کا ماقبل کے ساتھ ایک لطیف ربط ہے اور وہ یہ کہ سابقہ آیت میں شغلِ تکفیر سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو ہدیۂ سلام پیش کرتا ہے، زائد از زائد عزّت و اکرام کا مستحق ہے۔ تم مجاز نہیں کہ اُسے غیر مُسلم یا منافق سمجھو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہہ کر اس مفہوم کی تائید فرمائی ہے یعنی جب خُدا وہ ہے جس کی پرستش ضروری ہے اور جو علّام الغیُوب ہے تو تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ کسی کے باطن کے متعلق فیصلہ کرو اور خواہ مخواہ ناجائز بدظنی سے کام لو۔ تم کسی کے خدا نہیں کہ جسے کافر کہہ دو، کافر ہو جائے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں زجر و توبیخ ہے اُن لوگوں کے لئے جو خُدائی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کفر و اسلام کا صحیح اور سچا فیصلہ خُدا کے ہاتھ میں ہے، اس لئے تکفیر میں حتی الوسع محتاط رہنا چاہئے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے؟ ۝

٨٨- فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

٨٨- سو تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقوں کے بارہ میں دو فریق ہو گئے اور خدا نے اُن کے کاموں کے سبب اُنہیں اُلٹ دیا ہے۔ کیا تم اُسے ہدایت پر لانا چاہتے ہو جسے خدا نے گمراہ کیا اور جسے خدا گمراہ کرے تو تو اُس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ۝ ؈

٨٩- وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

٨٩- چاہتے ہیں کہ کاش تم کافر ہو جاؤ۔ سو تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔ سو تم اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ خدا کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو اُنہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں پاؤ اور اُن میں سے کسی کو رفیق نہ بناؤ اور نہ مددگار ۝ ؁

مُنافق گمراہ ہیں

؈ اس آیت میں بتایا ہے کہ منافق گمراہ ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے نفاق کی شہادت خود خدا نے دی ہے۔ ان کے متعلق مسلمانوں کو دو گونہ حکمتِ عملی سے کام لینا چاہئے۔ یہ کھلے کافر ہیں۔

البتہ فرقِ اسلام جو دیانت داری کے ساتھ جزئیاتِ اسلام میں مختلف ہیں، اُن کی تکفیر و تفسیق دُرست نہیں۔ اگر اصول و نصوص میں اتفاق ہے، جزئیات کا اختلاف کوئی وزنی چیز نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو مسلّہ نصوص و حقائق کے متوازی الگ اصول و اساس کو مانتے ہیں وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ اگرچہ اُن کو دعوائے اسلام ہی کیوں نہ ہو۔

جہاد و ہجرت

؁ اِن آیات میں بتایا ہے کہ اِن کفار کی جو تم سے برسرِ پیکار ہیں، خواہشات کیا ہیں؟ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنی طرح کفر و ظلمت کی وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے دیکھیں۔ ایسے لوگ ہرگز کسی دوستی اور تعلق کا استحقاق نہیں رکھتے۔ یہ اس قابل ہیں کہ ان سے کامل بیزاری کا اظہار کیا جائے۔

ہجرت سے مُراد ان آیات میں مخلصانہ اسلام کو قبول کرنا ہے۔ اسلام و ہجرت باہم اس لئے لازم ہیں کہ قبولِ حق و حقانیت کے بعد باطل سے جنگ قطعی اور واجبی ہے۔

وہ لوگ جو اسلام قبول کرکے بھی کفر و شرک میں بھرے رہتے ہیں، درحقیقت مسلمان نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ اَقَامَ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

مجبوری اور اضطرار دُوسری بات ہے۔ دل میں کفر کے خلاف زبردست غصہ و غضب موجود ہونا چاہئے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ۔ (باقی صفحہ ٢١٨ پر)

حلِّ لغات

فِئَتَيْنِ۔ دو گروہ۔ واحد فئة۔

اَرْكَسَ۔ مادہ ارکاس۔ اوندھا گرنا۔

۹۰ - اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

۹۱ - سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا

۹۰ - مگر اُن لوگوں کو (قتل نہ کرو) جو جا ملیں ایک قوم سے کہ تم میں اور اُن میں عہد ہے یا تمہاری یا اپنی قوم کی لڑائی سے دل تنگ ہو کر تمہارے پاس آئیں (یعنی بنی مدلج) اور اگر اللہ چاہتا تو اُنہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے۔ پھر اگر یہ منافق تم سے یکسو ہوں اور جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صُلح کا پیغام ڈالیں (تو سمجھ لو) کہ خدا نے اُن پر تمہیں راہ نہیں دی[1]

۹۱ - اب تم ایک دُوسری قوم کو پاؤ گے کہ وہ تم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں۔ اُن کا یہ حال ہے کہ جب وہ فساد کرنے کے لئے بُلائے جاتے ہیں تو اس ہنگامہ میں اُلٹ پڑتے ہیں پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۷)

یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کا اب کوئی موقع نہیں۔ مگر دل میں مجاہدانہ ولولے ضرور موجزن رہیں اور قصد و ارادہ میں زورِ ہجرت باقی ہو۔

مسلمان کسی حالت میں بھی جمود و تسفل کی زندگی پر قانع نہیں رہتا۔ وہ مجسم بے چینی اور اضطراب ہے۔ اُس کے نزدیک اِس نوع کی قناعت کفر ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ پوری آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ کفر اُسے دیکھ دیکھ کر جلے۔ شرک اس کے موحدانہ اقدامات سے کانپ اُٹھے۔ ظلمت و تاریکیاں اس کے نام سے کافور ہو جائیں۔ یعنی اس کا وجود ہمہ قہر و غلبہ ہے۔ وہ مقہور ہونا جانتا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے بعض حالات کی موجودگی وہ ہاتھ میں تلوار نہ لے سکے۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کا دل ظلم و تسلط کو برداشت کرلے۔ وہ آزاد [illegible] اور حاکم و مسلط رہ کر جیتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] اس آیت میں بتایا ہے کہ مسلمان جہاں بہادر و غیور ہے، وہاں منصف و روادار بھی ہے۔ اس لئے وہ عہد و ذمہ داری کی ہر رعایت کو ملحوظ رکھتا ہے اور کسی طرح بھی صلح جُو انسانوں کو جنگ کی آگ میں نہیں ڈالتا۔

حلِ لُغات

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ۔ یعنی وہ جو لڑتے ہچکچاتے ہیں۔ حصر کے اصلی معنی رُکنے کے ہیں۔

اَلسَّلَمَ۔ صلح و صفائی۔

إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ۝

اور تم سے صُلح کا پیغام نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ تم سے نہ روکیں تو اُن کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے اُن پر تمہیں ظاہر غلبہ دیا ہے[ف۱] ۝

۹۲۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ فَدِيَةٌ

۹۲۔ اور کسی مُسلمان کو لائق نہیں کہ وہ کسی مُسلمان کو قتل کرے مگر بھول چُوک سے اور جو کوئی مُسلمان کو بھول سے قتل کرے[ف۲] تو اُس کو ایک مُسلمان گردن آزاد کرنا اور مقتول کے گھر والوں کو خُونبہا دینا چاہئے۔ مگر یہ اُس کے وارث خیرات کر دیں۔ پھر اگر مقتول مومن تمہاری دشمن قوم سے ہو تو صرف ایک مسلمان گردن آزاد کرنا ہے اور اگر مقتول اُس قوم میں سے ہو جس کے ساتھ تمہارا عہد ہے تب اُس کے

ف۱ ان آیات میں اُن لوگوں سے جنگ کی اجازت دی ہے جو بظاہر امن پسند ہیں۔ مگر موقع پیدا ہونے پر ہمیشہ کفر کا ساتھ دیتے ہیں اور جانب داری سے باز نہیں آتے۔ ایسے لوگ قطعی سزا کے مستحق ہیں۔

خوں بہا

ف۲ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ کے معنی یہ ہیں کہ مُسلمان کی شان کے شایاں نہیں کہ اُس کا ہاتھ کسی مُسلمان پر اُٹھے۔ بھول چُوک ہو جائے تو دُوسری بات ہے ورنہ مُسلمان ہرگز مُسلمان پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ جہاں وہ کُفر کے لئے صاعقۂ جاں سوز ہوتا ہے۔ مُسلمان کے لئے نسیم جاں فزا۔ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

اس کی ساری تندخوئیں اور دشمنیاں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں اور مسلمان کے لئے اس کا وجود رافت و رحمت ہے۔ حتی الوسع وہ کوشش کرتا ہے کہ مسلمان کے ساتھ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔

قتل کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) عمد (۲) شبہ عمد (۳) خطاء۔ عمد سے مُراد یہ ہے کہ قصداً آلات قتل سے مارا جائے۔

شبہ عمد سے مقصد یہ ہے کہ مارے تو قصداً، مگر آلۂ ضرب مقتضی الی الموت نہ ہو۔

خطاء سے مُراد یہ ہے کہ بھول چُوک سے قتل کیا جائے۔ یہاں مُراد خطاء ہے۔

چونکہ خون بہر حال گراں قیمت ہے اس لئے اس کا ضیاع و فقدان کسی صورت میں بلا کفارے کے نہیں رکھا۔

دیت تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ ہے۔

حَلِّ لُغات:۔ سُلْطَانٌ۔ دلیل۔ حجت۔ غلبہ ✦ تَحْرِيرٌ۔ آزاد کرنا ✦ رَقَبَةٍ۔ گردن۔ یعنی وہ غلام جس کی گردن میں غلامی کا جُوا پڑا ہے۔

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ○

وارثوں کو خُون بہا دینا ہے اور مُسلمان گردن بھی آزاد کرنا۔ پھر جس کو مُیسّر نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتا روزے رکھے۔ یہ خُدا سے گناہ بخشوانے کو ہے اور خُدا جاننے والا حکمت والا ہے ○

۹۳۔ وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ○

۹۳۔ اور جو مُسلمان کو عمداً قتل کرے، اُس کا بدلہ دوزخ ہے۔ اُس میں وُہ ہمیشہ رہے گا اور قاتل پر خُدا کا غضب اور اُس کی لعنت ہے اور خُدا نے اُس کے لئے بڑا عذاب[1] تیار کیا ہے ○

۹۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰٓى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ

۹۴۔ مسلمانو! جب تم خدا کی راہ میں (یعنی جہاد میں) سفر کرو تو خُوب دریافت کرو اور جو کوئی تمہیں سلام علیک کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تُو مسلمان نہیں ہے تم دنیا کی زندگی کے لئے سامان کی تلاش میں ہو (کہ اُسے لُوٹو) سو خُدا کے پاس بہت سی غنیمتیں[2] ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پ

خُونِ مُسلم کی گرانمایگی

[1] اس آیت میں بتایا ہے کہ خُونِ مُسلم اس قدر گرانمایہ ہے کہ اس کا ضیاع و سفک موجب خلود نار ہے۔ یعنی بلا وجہ مشروع مسلمان کا قتل اتنا بڑا گناہ ہے کہ قابلِ عفو نہیں۔ یہ اس لئے کہ مومن و مُسلم دنیا میں حق کا علمبردار ہے۔ خدا کی خلافت و نیابت اس سے وابستہ ہے۔ وہ اس لئے زندہ ہے کہ خدا کے نام کو بلند کرے۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینِ فطرت کی خدمت و اعلاء کے لئے خریدا جا چکا ہے۔ اس کا ہر سانس خدائے ذوالجلال کی صداقت و حقانیت کا اعلان ہے اور وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے کے آخری وقت تک وقف ہے۔ اس کا قتل خدا سے بغاوت ہے۔ حق و صداقت میں جنگ ہے۔ انسانیتِ عظمیٰ کی توہین ہے اور حقوقِ الٰہیہ میں زبردست خیانت۔

[2] اس آیت میں بتایا ہے کہ جہاد کے سلسلہ میں بعض دفعہ ایسے لوگ مل جاتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے اور وہ اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کہتے ہیں اور تم مالِ غنیمت کی ہوس میں انہیں کافر سمجھ کر قتل کر دیتے ہو۔ یہ دُرست نہیں۔ مسلمان کے متعلق پُوری احتیاط چاہئے خوب دیکھ بھال لو کہ کوئی شخص تمہاری بدظنی کا شکار نہ ہو جائے تھوڑی سی غفلت میں ایک مسلمان کا خُون نہ بہہ جائے۔ فَتَبَيَّنُوۡا میں ایک باریک نکتہ بھی مضمر ہے کہ بدظنی بُری چیز ہے۔ مگر حُسنِ ظن کے معنی کامل اطمینان کے نہیں۔ باوجود مشتبہ آدمی کو مسلمان سمجھنے کے تحقیقات و تجسس جاری رکھو۔

حَلِّ لُغات

تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ یہاں توبہ سے مُراد تخفیف ہے۔

عَرَضٌ۔ سامان۔ مَغَانِمُ۔ غنیمتیں۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

فضل کیا پس خوب تحقیق کرو۔ خدا تمہارے کاموں سے خبردار ہے ○

۹۵۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

۹۵۔ معذوروں کے سوا جنگ سے بیٹھ رہنے والے مسلمان اور خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں اُن کو خدا نے بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں بزرگی دی ہے اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور بیٹھ رہنے والوں کی نسبت مجاہدین کے لئے اجرِ عظیم زیادہ کیا ہے ○

۹۶۔ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ

۹۶۔ اس کی طرف سے درجے ہیں بخشش اور مہربانی ہے

ف پیشتر آیات میں قتل خطا و عمد کی بُرائی بیان فرمائی تھی۔ اِس کے بعد جہاد کے لئے سفر کا تذکرہ ہے۔ ان آیات میں براہِ راست مجاہد کے فضائل کا احصار ہے۔

مجاہد کے معنی جدّ و جہد اور کوشش کے ہیں۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں ضعف و اضمحلال کے خلاف مؤثر احتجاج کا نام جہاد ہے۔ یعنی وہ لوگ مجاہد ہیں جو قوم میں قوت اور رفعت پیدا کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔

قاعدین کی جماعت وہ ہے جو عافیت کوش ہیں جن کے دل میں ضعف اور بے بسی کے خلاف کوئی جذبۂ نفرت نہیں۔ ظاہر ہے پُرجوش مجاہدین کے مقابلہ میں کاہل اور کم ہمت بزدل کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان آیات میں اسی حقیقت جاں بخش کا اظہار ہے کہ خدائے قوی و توانا نے باہمت اور بہادر انسانوں کو بے غیرت اور بے حس لوگوں پر ترجیح دی ہے اور آخرت و عقبیٰ کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے درجات و فضائل کے بے شمار انواع ہیں۔

اُولِي الضَّرَرِ سے مُراد وہ معذور لوگ ہیں جو جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی شرط کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں یعنی ان کے دل میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے بے پناہ اخلاص ہے۔ ایسے لوگ مجاہدین کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ انھیں بھی مجاہدین کا سا درجہ ملے گا۔

حلِّ لُغات

مَنَّ۔ احسان و امتنان فرمانا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝

۹۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

۹۷۔ جن لوگوں کی رُوح فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں، اُن سے فرشتے پُوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین (مکہ) میں عاجز پڑے تھے فرشتے کہتے ہیں کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے سو ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے[1] ۝

۹۸۔ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝

۹۸۔ مگر وہ ناتوان مرد اور عورتیں اور بچّے کہ نہ حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ راہ پا سکتے ہیں[2] ۝

غُلامی عذاب ہے

ف۱ ان آیات میں بتایا ہے کہ غلامی و بے بسی اللہ کا عذاب ہے اور وہ لوگ سخت ظالم ہیں جو حُرّیت و آزادی جیسی نعمت سے محرُوم ہیں۔ یہ وہ بخشش ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو عطا کر رکھی ہے۔ فرشتے موت کا پیغام لاتے وقت ایسے لوگوں سے پوچھیں گے بتاؤ تم نے اس ضعف و بے بسی کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا؟ اور تم کیوں آزاد مطلق العنان ہو کر نہ رہے؟ وہ کہیں گے۔ ہمارے پاس جُرأت و جسارت نہ تھی۔ ہم ایسے مُلک میں رہتے تھے جہاں رہ کر مقابلہ ناممکن تھا۔ فرشتوں کا یہ جواب ہوگا۔ کیا خدا کی ساری زمین تمہارے ارادوں کی تکمیل کے لئے ناکافی تھی؟ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ تم اس مُلک و قوم کو چھوڑ دیتے جو تمہیں غلام رکھے ہوئے ہے اور وہاں جا بستے جہاں آزادی کے ساتھ تم اعلاء کلمۃ اللہ کے فریضے کو ادا کر سکتے۔

بات یہ ہے کہ اسلام ایک زندہ و کامل نظامِ عمل اپنے ساتھ لایا ہے اور اس وقت تک اس کی برکات سے پوری طرح متمتّع نہیں ہُوا جا سکتا جب تک اس کے لئے آزاد فضا نہ پیدا کر دی جائے اس لئے جہاد خارجی یا غیر متعلق مسئلہ نہیں، بلکہ اسلامی نشو و نما اور تبلیغ و اشاعت کے لئے اساس و اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

غیر مُستطیع کون ہیں؟

ف۲ ہجرت سے وہ لوگ معذور سمجھے جا سکتے ہیں جو غیر مستطیع ہوں۔ یعنی ہجرت کے لئے کوئی حیلہ و امکان اُن کے بس میں نہ ہو اور کاملاً ان کی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں ہو یا وہ جسمانی طور پر اس قابل نہ ہوں کہ ہجرت کر سکیں۔ مگر جسمانی ضعف و اضمحلال کا معیار کیا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے کیجیے :۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکّہ میں بچے کھچے لوگوں کو پیغامِ ہجرت بھیجا اور کہا تم مکہ چھوڑ دو۔ یہ آیاتِ ہجرت ان کو پہنچیں۔ جندب بن حمزہؓ جو شیخ فانی تھے، شوقِ ہجرت میں بے تاب ہو گئے۔ کہنے لگے۔ بچو! مجھے چارپائی پر لاد کر مدینے لے چلو۔ میں غیر مستطیع نہیں ہُوں۔

بوڑھے صحابی کا یہ ولولۂ ایمان کیا ہمارے نوجوانوں کو نہ شرمائے گا؟

۹۹۔ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○

۹۹۔ پس ایسوں کو اُمید ہے کہ اللہ مُعاف کرے اور اللہ مُعاف کرنے والا بخشنے والا ہے ○

۱۰۰۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ع

۱۰۰۔ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی آرامگاہیں اور فراخی پائے گا۔ اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسُول کی طرف ہجرت کرکے نکلے پھر (راہ میں) اُس کو موت آپکڑے تو اللہ پر اُس کا اجر ثابت ہو چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

۱۰۱۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ

۱۰۱۔ اور جب تم زمین میں سفر کرو اور کافروں کی طرف سے فتنہ میں پڑنے کا تمہیں خوف ہو تو نماز میں سے کچھ کم کر دینا گناہ نہیں ہے۔

ف مراغم کا اشتقاق رغم سے ہے جس کے معنی خاک آلودہ کرنے کے ہیں۔ علیٰ رغم الف فلاں کا محاورہ اسی سے ماخوذ ہے۔ یعنی مہاجرین جب ظلم و استبداد کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ملک چھوڑ دیں گے تو انہیں ایسی جگہیں مل جائیں گی جو دشمنوں کی پائمالی اور تحقیر کا باعث بنیں گی اور جس کی وجہ سے ظالم و سرکش کا تمام کبر و غرور خاک میں مل جائے گا۔

ہجرت کے معنی جہاں یہ ہیں کہ بطور احتجاج کے ظالم و مستبد حکومت کا ملک چھوڑ دیا جائے، وہاں یہ بھی ہیں کہ مسلمان نہایت شریف النفس اور آزاد قوم ہے۔ ضمیر و مذہب کی غلامی اس کے نزدیک بدترین گناہ ہے مسلمان اجنبی ممالک میں رہ کر تکلیف و تنگ دستی کے مصائب کو برداشت کر سکتا ہے مگر ایک لمحہ کی غلامی اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ سے مُراد یہ ہے کہ اصل میں جہاد و ہجرت کا تعلق قلب و دماغ کی بے چینی سے ہے۔ وہ لوگ جو احساسات و خیالات میں کفر کے لئے سخت اضطراب و نفرت پنہاں رکھتے ہیں، وہ مجاہد ہیں۔ گو حالات انہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کی اجازت نہ دیں۔

حلِّ لُغات

عَفُوّ۔ بدرجۂ قصویٰ معاف کرنے والا۔

مُرٰغَمًا۔ ایسی جگہ جو دشمنوں کے لئے باعثِ توہین و تحقیر ثابت ہو۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

بے شک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں ۝

۱۰۲ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ

۱۰۲۔ اور جب تُو (اے محمدؐ) اُن میں ہو اور اُن کے لئے نماز قائم کرے تو چاہیئے کہ ایک جماعت مُسلمانوں کی ہتھیار بند ہو کر تیرے پاس کھڑی ہو پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہاری پُشت پر (حفاظت کے لئے) جائیں اور دُوسری جماعت آجائے جس نے نماز نہیں پڑھی۔ اب وہ تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں۔ کافروں کی آرزو ہے کہ کاش تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ اور

فلسفۂ صلوٰۃِ خوف

(۱) ان آیات میں صلوٰۃ خوف کا ذکر ہے کہ جب میدانِ جنگ ہو۔ دُشمن کی طرف سے زبردست خطرہ ہو تو اُس وقت فریضہ نماز کس طرح ادا کیا جائے؟

مقصد یہ ہے کہ جنگ و جہاد مقصود بالذات نہیں۔ دین کا اصل و اساس عبادت و نیازمندی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نماز و عبادت کو بہرحال محفوظ رکھا جائے۔ جہاد تو اس لئے ہے کہ مسلمان کو خدا کی عبادت کا آزادانہ حق حاصل ہو۔ یعنی مسلمان میدانِ جنگ میں نماز پڑھ کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ بجز خدائے قہار کے اور کسی کے سامنے نہیں جھکتا اور کوئی جنگ اور لڑائی اُسے غیر اللہ کی پرستش پر مجبور نہیں کر سکتی۔

صلوٰۃ خوف کا فلسفہ یہ بھی ہے کہ مسلمان میں اُس وقت جب حیوانی قوتیں بزور ہوتی ہیں اور جب دونوں طرف غیظ و غضب کے شعلے اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اتنا خدا پرست اور حق و انصاف کے سامنے جھک جانے والا ہوتا ہے کہ "نماز" کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اُس کا دل ان حالات میں بھی ملکی قوتوں سے معمور ہوتا ہے۔

جس مذہب میں تلوار کے سایہ میں بھی شوقِ عبادت کی تکمیل ضروری ہو کیا وہ مادّی و حیوانی مذہب ہو سکتا ہے؟

حلِ لُغات

طَآئِفَةٌ۔ گروہ۔

فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ○

تم پر یکبارگی دھاوا کر دیں۔ اور اگر تم بارش کی تکلیف یا بیماری کے سبب اپنے ہتھیار اُتار رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ البتہ اپنا بچاؤ رکھو۔ اللہ نے کافروں کے لئے رُسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ [1]

۱۰۳۔ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ○

۱۰۳۔ پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خُدا کو یاد کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو تو پوری نماز پڑھو۔ بے شک مسلمانوں پر اوقاتِ معینہ (مقررہ وقتوں) میں نماز فرض کی گئی ہے ○ [2]

مُسلح رہو!

[1] وَخُذُوا حِذْرَكُمْ میں یہ بتایا ہے کہ بجز عُذر کے ہر وقت تمہیں مُسلح رہنا چاہئے۔ تاکہ سپاہیانہ زندگی تم میں ہر وقت محسُوس کی جائے۔

مطلقاً سفر میں بھی قصر درست ہے۔

اِنْ اور اِذَا کی قیود اظہارِ واقعہ کے لئے ہیں، تحدیدِ حکم کے لئے نہیں۔ سفر کی حد میں اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک پُورے دن کا سفر، سفر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، دن اور رات دونوں ہوں تو سفر کا اطلاق ہوگا۔ انسؓ بن مالک کہتے ہیں، پانچ فرسخ کا اعتبار ہے۔ حضرت امام حسینؓ کا ارشاد ہے۔ دو راتیں ہونا چاہئیں۔ شعبی، نخعی اور سعید بن جبیرؓ کا قول ہے۔ کوفہ سے مدائن تک کا فاصلہ سفر ہے یعنی تقریباً تین دن کا سفر۔

غرضیکہ سفر کی تعریف میں اختلاف صاف صاف بتا رہا ہے کہ ان بزرگوں کے سامنے کوئی متفقہ فیصلہ نہیں۔ جس جس نے عرف سفر کا مطلب سمجھا، کہہ دیا۔ بات بھی یہی ہے۔ اصل میں اعتبار صرف عُرف کو حاصل ہے۔

نماز فرض موقوت ہے

[2] اس آیت میں بتایا ہے کہ نماز فرض موقوت ہے۔ اس کا مقصد یاد وقت احساس [illegible] ہے اور جب ہی حاصل ہوتا ہے جب پوری پابندی کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

۱۰۴- وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۠

۱۰۴- اور اُن کا پیچھا کرنے سے سُست نہ رہو۔ اگر تم بے چین ہو تو وہ بھی بے چین ہیں، جیسے کہ تم بے چین ہو۔ اور تمہیں خُدا سے وہ اُمید ہے جو اُنہیں نہیں ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ف۱ ○

۱۰۵- اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا ۙ

۱۰۵- ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ جو کچھ خدا تجھے سمجھائے اُس سے تو لوگوں کے درمیان انصاف کرے اور تو خیانتیوں کا حمایتی نہ ہو ف۲ ○

۱۰۶- وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۚ

۱۰۶- اور خُدا سے بخشش مانگ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

وَلَا تَهِنُوْا

ف۱ مقصد یہ ہے کہ مسلمان جہاد و جنگ میں دلیر اور بہادر ثابت ہو۔ اس لئے کہ اس کے سامنے جو نصب العین ہے، وہ زیادہ بلند اور پاکیزہ ہے۔

کفار دُنیائے دُوں کے لئے لڑتے ہیں اور مُسلمان اعلاءِ حق کے لئے۔

مسلمان کے سامنے توقعات و یقین کا انبار ہے اور کافر عقبیٰ کی جانب یکسر مایوس۔

قرآن حقائق محسوسہ کا نام ہے

ف۲ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اُفقِ اعلیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اقدس پر نازل ہوا ہے وہ حق یعنی قطعی صلت وصفائے حالات و ظروف کے بالکل مطابق ہے، علوم و محسوسات کے موافق ہے اور کوئی چیز اس میں غیر موزون اور غیر متناسب نہیں۔

بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ سے مُراد یہ ہے یہ قرآن تمام وسعت و مشاہدہ کے ہم پلہ ہے۔ اس کی قطعیت میں کوئی احتمال شک و شبہ نہیں۔ یہ محسوس حقیقت ہے جس کی تجلیات قلب اطہر پر جلوہ کناں ہیں۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا اور اس قبیل کی تمام آیات جو اس کے بعد مذکور ہیں، منصب نبوت کی توضیح کے لئے ہیں یعنی بتانا یہ مقصود ہے کہ نبی دنیا میں سچا حکم ہو کر آتا ہے۔ اس سے غدر و خیانت کی توقعات اس کے منصب کی توہین ہے۔ وہ ہر وقت جناب باری سے طالب عفو و برکات رہتا ہے۔ وہ کبھی خائن اور جھوٹے گروہ کی حمایت نہیں کرتا۔ مگر اندازِ بیان اس نوع کا اختیار ہے جس سے وہ لوگ جو قرآن کے اسالیب بیان کی حکمتوں اور لطافتوں سے واقف نہیں، بدظن ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں، دیکھئے آپ کے پیغمبر معصوم نہیں۔ قرآن حکیم آپ کو استغفار دے رہا ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ عصمت و محفوظیت تو شرط اول ہے۔

کسی بشر کا عہدۂ نبوت پر سرفراز ہونا اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اب وہ لوگوں کو گناہوں سے پاک کرے گا اور معصوم بنائے گا وَیُزَكِّیْهِمْ کے عمل تطہیر سے دلوں کی پاکیزگی اور نیکی سے معمور کر دے گا۔ اس لئے خود اس کے متعلق عصمت کا درجہ ثابت کرنا ایسا ہی ہے جیسے خدا کے لئے کامل علم و حکمت یا توحید و تفرید۔ کیونکہ خدا تو کہتے ہی اُس ذات والا صفات کو ہیں جو علیم و حکیم ہو اور جس کا کوئی شریک نہ ہو۔

نبی کا اشتقاق نُبُوۃٌ سے ہے جس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۲۷)

۱۰۷۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِـيْمًا ○

۱۰۷۔ اور جو لوگ اپنے دلوں میں دغا رکھتے ہیں، اُن کی طرف ہو کر تو جھگڑا نہ کر۔ خُدا دغا باز گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا ○

۱۰۸۔ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ○

۱۰۸۔ لوگوں سے باتیں چھپاتے ہیں۔ خُدا سے نہیں چھپا سکتے اور وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں ہیں اور جو وہ کرتے ہیں خُدا کے قابو میں ہے ○

۱۰۹۔ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○

۱۰۹۔ سُنتے ہو تم وہ لوگ ہو کہ دُنیاوی زندگی میں تم نے اُن کی طرف سے جھگڑ لیا۔ لیکن قیامت کے دن اُن کی طرف سے کون جھگڑے گا یا کون اُن کا وہاں کام بنانے والا ہوگا ○

۱۱۰۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

۱۱۰۔ اور جو کوئی بُرا کام کرے یا اپنی جان پر ستم کرے۔ پھر خدا سے مغفرت مانگے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان[ف] پائے گا ○

۱۱۱۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا

۱۱۱۔ اور جو کوئی بدی کماتا ہے اپنی جان پر کماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶)

یعنی وہ انسان جو عام انسانوں سے بہت بلند و ارفع ہے۔

اصل میں ان آیات میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ طعمہ ایک شخص تھا جس نے ایک زرہ چرائی اور کہا کہ یہودی نے چرائی ہے اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو آمادہ کر لیا کہ وہ اس کی برأت کا اظہار کریں اور یہودی کو متہم ٹھہرائیں۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی۔ آپ متامل رہے تا آنکہ یہ آیات نازل ہوئیں جس سے طعمہ اور اُس کے گروہ کو کامل مایوسی ہوئی۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

ف اس آیت میں ترغیب استغفار ہے یعنی ہر گناہ بارگاہِ عفو میں قابلِ بخشش ہے۔ ضرورت صرف اقدام توبہ کی ہے۔ ایک دفعہ گناہوں سے نفرت ہو جائے اور نیکی کے لئے مضبوط عہد کر لے۔ پھر فکر تعزیر نہیں۔ خدا غفور اور رحیم ہے۔

حلِ لغات

خَصِيْمٌ۔ جھگڑالو۔ جھگڑا کرنے والا۔

يَخْتَانُوْنَ بمصدر اختیان۔ خیانت کرنا۔ نقصان پہنچانا۔

خَوَّانٌ۔ بہت خیانت کرنے والا۔

اَثِيْمٌ۔ مجرم۔

حَكِيمًا ۝ ہے[1] ۝

۱۱۲- وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

۱۱۲- اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے۔ پھر اُس کو بے قصور کے ذمّے لگائے تو اُس نے صریح گناہ اور بُہتان کو آپ اُٹھایا ہے[2] ۝

۱۱۳- وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

۱۱۳- اور اگر خدا کا فضل اور رحم تجھ پر نہ ہوتا تو اُن میں کا ایک فریق تجھے گمراہ کرنے کا قصد کر ہی چکے تھے حالانکہ وہ اپنی ہی جانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تجھے وہ بات سکھائی ہے جو تُو نہ جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے[3] ۝

۱۱۴- لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ

۱۱۴- اُن کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں خیر نہیں ہے

گُناہ کی حقیقت!

[1] اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ گناہ چونکہ ذاتِ باری سے متعلق نہیں اور اس کا نقصان صرف انسان کی اپنی ذات تک محدود ہے، اس لئے تلافی ناممکن ہے۔ یہ غلط عقیدہ ہے کہ گناہ بہرحال قابلِ تعزیر ہے اور خدا گناہوں کو بوجہ عادل و منصف ہونے کے بخش نہیں سکتا۔ اس طرح کے عقیدے سے ایک طرف تو کامل مایوسی پیدا ہوتی ہے اور دوسری جانب خدا کی توہین لازم آتی ہے۔ کیونکہ وہ قادر و مختار [کر]یم ہر وقت ہمارے گناہوں پر خطِ تنسیخ کھینچ سکتا ہے۔ [اس] کا رحم و کرم ہر آن اسے بخشش و عفو پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی ادنیٰ توجہ ہمارے دفترِ عصیاں کو پاکیزہ کر سکتی ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ "قانونِ عدل و انصاف" کی قوت اس سے زیادہ بڑی ہے۔ حالانکہ عدل و انصاف کا مطلب محض خدا کا حکم و ارادہ ہے۔ جو کہہ دے وہ انصاف ہے اور جو کر دے وہ عدل۔ کوئی قانون و ضابطہ ایسا نہیں، جسے وہ ماننے کے لئے مجبور ہو۔ وہ بے نیاز و متعال ہے۔ وہ مقنن اور قانون ساز ہے۔ اور کوئی بات ایسی نہیں جو اس کی ذاتِ عالیہ سے بالا ہو۔

[2] اس آیت میں اتہام کے متعلق فرمایا ہے کہ کھلا گناہ ہے۔

[3] مقصد یہ ہے کہ طعمہ اور اس کی جماعت چاہتی یہ تھی کہ آپ خائن لوگوں کی حمایت کریں اور یہودی کو محض اس لئے کہ وہ یہودی ہے، مجرم قرار دیں۔ مگر اس لئے کہ آپ وحی و الہام اور تعلیم و اکتشاف کی نعمتوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے، اُن کے فریب سے سراسر پاک دامن رہے۔

حلِّ لُغات

يَرْمِ۔ باب رمیٰ یرمی۔ مصدر رمی بمعنی پھینکنا۔ ڈالنا۔

نجویٰ۔ سرگوشی۔ کانا پھوسی۔

إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○

مگر اس بات میں کہ کوئی خیرات کا یا کسی بھلی[1] بات کا یا آپس میں صلح کروانے کا حکم دے اور جو کوئی مرضئ خدا ڈھونڈنے کو ایسا کرے گا ہم اُسے بڑا اجر دیں گے ○

۱۱۵- وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ ع

۱۱۵- اور جو کوئی بعد اس کے کہ اُس پر ہدایت ظاہر ہوگئی رسول کی مخالفت کریگا اور مُسلمانوں کی راہ کے سوا کسی اور راہ کا پیرو ہوگا تو ہم اُسے جس راہ پر وہ گیا ہے اُسی راہ کے حوالہ کر دیں گے اور اُسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے[2] ○

۱۱۶- إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ

۱۱۶- بے شک اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے نیچے جو گناہ ہے جسے چاہے بخش دیتا ہے[3] اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا

ف[1] اس آیت میں منافقانہ سرگرمیوں سے روکا ہے۔ منافقین کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ حیلے اور تدبیریں سوچتے رہتے۔ قرآن حکیم نے فرمایا کہ کوئی اہم نیکی کی بات ہو تو اس کے اخفا میں مضائقہ نہیں۔ اور نہ عام سرگوشیاں اور کانا پھوسیاں ممنوع ہیں۔

الحاد

ف[2] طعمہ بن ابیرق نے جب دیکھا کہ قرآن حکیم نے ہماری تمام چالوں کو واشگاف طور پر بیان کر دیا ہے تو مرتد ہوگیا اور مکہ میں جا کر مر گیا۔ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ وہ ہیں جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں۔

آیت کا عام مفہوم یہ ہے کہ قرآن حکیم اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہدایت و رُشد کے تمام طرق واضح ہو چکے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ہر شخص کتاب و سُنّت کے مستحکم اصول سے تمسک اختیار کرے اور اس سلسلے میں جمہور مسلمانوں کے خلاف الگ عقائد و آراء نہ رکھے۔

غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ سے مُراد مُسلمانوں کے مُتفقہ اور متحدہ نظامِ عقائد و عمل کے خلاف الگ راستہ تجویز کرنا ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کی روشِ عام کے متضاد و متوازی عقائد الحاد و زندقہ کے مترادف ہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔

غیر مغفور گُناہ

ف[3] اس آیت میں واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ شرک ناقابلِ عفو گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ گمراہ کن جاذبِ اوہام اور کوئی عقیدہ نہیں۔ فطرتِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اتنا پاکیزہ اور بلند پیدا کیا ہے کہ وہ کسی طرح بھی شرک جیسی ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

حلِّ لُغات

مَرْضَاتِ اللَّهِ۔ خدا کی رضامندیاں۔

ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○

وہ بڑی دُور کی گمراہی میں جا پڑا ○

۱۱۷۔ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ○

۱۱۷۔ مُشرک لوگ خدا کے سوا انہیں پکارتے، مگر عورتوں اور شیطان سرکش کو ○ ف۱

۱۱۸۔ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○

۱۱۸۔ جس پر خدا نے لعنت کی۔ اور اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرّرہ حصّہ لے لوں گا ○

۱۱۹۔ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ○

۱۱۹۔ اور انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور باطل اُمیدوں میں ڈالوں گا اور اُن میں حکمرانی کروں گا۔ پس وہ چارپایوں کے کان چیرا کریں گے اور میں اُنہیں حکم دوں گا سو وہ خدا کی پیدائش تبدیل کریں گے اور جس نے خدا کے سوا شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں جا پڑا ○ ف۲

۱۲۰۔ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ

۱۲۰۔ شیطان اُنہیں وعدے دیتا اور آرزوئیں بندھواتا ہے

ف۱ جہالت کی حد کہ پوجتے بھی ہیں تو اناث کو، جیسے لات، عزّیٰ، منات۔ یعنی ذہنی پستی کی یہ آخری مثال ہے کہ شرک نے اُن کے دماغوں کو ماؤف کر دیا ہے۔ اب اُنہیں دیویاں بھی خدا نظر آتی ہیں۔ حالانکہ خدا کے لئے غلبہ وقوت ایسے خصائل ہیں جو بدیہی ہیں۔

اِناث کے معنی بعض لوگوں نے بتوں کے بھی لئے ہیں۔ قال الحسن لم یکن حیّ من احیاء العرب الا ولھم صنم یعبدونه ویسمونه انثیٰ بن فلان۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قراءت میں اوثانا بھی آیا ہے، مگر صحیح وہی معنی ہیں جو قراءت متواترہ میں مذکور ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ وحضرت حسنؓ نے اوثانا کو بطور تشریح معنی کے لکھا ہو۔

ف۲ ان آیات میں شیطان کے کام بتائے ہیں کہ وہ گمراہی کے کیا کیا وسائل اختیار کرتا ہے۔ کہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے۔ کہیں تبرک وقربانی کے لئے جانوروں کے کان، ناک چھدواتا ہے۔ کہیں تغییرِ خلق وتبدیلِ فطرت پر آمادہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ ایسے لوگ جو اُس کے جھانسے میں آگئے ہیں، صریح گھاٹے میں ہیں اور اُن کے لئے قیامت کے دن جہنم ٹھکانا ہے۔

حلِّ لُغات

اِنَاثٌ۔ جمع اُنثیٰ۔ مادہ۔ عورت۔

مَرِيْدٌ۔ سرکش۔

يُبَتِّكُنَّ۔ کان کاٹ دینا۔ مشرکین مکّہ کا قاعدہ تھا کہ جب اُونٹنی پانچ بچّے دے اور پانچواں بچّہ نر ہو تو وہ اُس کا کان چیر دیتے تھے اور اُسے عزّت وحرمت کے قابل سمجھتے تھے۔ اُس پر سوار نہ ہوتے تھے۔ اس لفظ سے اسی رسم کی طرف اشارہ ہے۔

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۝

لیکن جو وعدے اُن کو دیتا ہے وہ سب فریب ہیں۝

۱۲۱- اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا۝

۱۲۱- ایسوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اُس سے کہیں بھاگنے کو جگہ نہ پائیں گے۝

۱۲۲- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝

۱۲۲- اور وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ہم انہیں جنت کے باغوں میں داخل کریں گے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ خُدا نے سچّا وعدہ کیا ہے اور قول میں خُدا سے زیادہ سچّا کون ہے۝

۱۲۳- لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۝

۱۲۳- معاملہ نہ تو تم مسلمانوں کی آرزو کے موافق ہوگا نہ اہلِ کتاب کی آرزو کے موافق۔ جو کوئی بدی کریگا اُس کی سزا پائے گا اور اپنے لئے خُدا کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا۝

۱۲۴- وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ

۱۲۴- اور عورت ہو یا مرد جس نے نیک کام کئے

معیارِ نجات

(۱) اسلام اور دیگر مذاہب کے تصورِ نجات میں بڑا فرق ہے۔ سب مذاہب میں نجات کہتے ہیں رُوحانی مسرت اور عقبیٰ کی کامیابی کو۔ مگر اسلام کے نزدیک نجات ایک ارتقائی صورتِ فلاح کا نام ہے جس میں ولادت سے لے کر موت کی آغوش تک کا سامانِ آسائش پنہاں ہے۔ وہ مذہب جو عقبیٰ کی بخششوں کا تو ذمہ دار ہے، مگر دنیا کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتا، وہ غلط ہے۔ اسلام کہتا ہے۔ تمہاری نجات اسی دُنیا سے شروع ہوتی ہے۔ جو یہاں خوش ہے اُس کے لئے آسمانوں میں بھی مسرتِ بے پایاں کے سامان موجود ہیں اور جو یہاں مطمئن نہیں اس میں قطعاً استعداد نہیں کہ وہ اُخری کی نعمت ہائے جاودانی سے بہرہ وافر حاصل کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام جب نجات و کامیابی کی دعوت دیتا ہے تو صرف عقائد و اعتراف پر زور نہیں دیتا، بلکہ عملِ صالح اس کے نزدیک بمنزلہ اساس و اصل کے ہے۔ اس لئے کہ یہی ایک طریق ہے جو بالکل منطقی اور واضح ہے۔ بغیر عملِ صالح کے نجات ایسے ہی ناممکن ہے جیسے بغیر وسائل طبعی کے کامیابی۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ کہہ کر گویا ہر نوع کے غرور مذہبی ونسبی کا خاتمہ کر دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ خدا کی پیش گاہِ عدل و انصاف میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔

مَنْ يَّعْمَلْ کی تعمیم کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام عورت و مرد میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ دونوں رُوحانیت و سلوک کے بلند ترین مدارج تک پہنچ سکتے ہیں اور دونوں اس قابل ہیں کہ زہد و عرفان کے انتہائی زینوں پر چڑھ جائیں۔ دونوں کی رُوح پاک ہے۔ دونوں میں یکساں استعدادِ عمل ہے۔

حلِ لغات

مَحِيْصًا۔ جائے فرار۔

اَمَانِيّ۔ جمع امنیہ۔ خواہشِ دل۔ آرزو۔

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا○

اور وہ مسلمان ہے۔ سو وہی بہشت میں جائیں گے اور اُن پر تل بھر بھی ظلم نہ ہوگا○

۱۲۵- وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا○

۱۲۵- اور دین میں اُس وا سے بہتر کون ہے جس نے اپنا مُنہ اطاعتِ خُدا میں دیا ہو اور وہ نیکی کرنے والا ہو اور ابراہیمؑ کے دین کا تابع ہو جو ایک طرف کا تھا۔ اس لئے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست ٹھہرا لیا ہے○

۱۲۶- وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا○

۱۲۶- اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، اللہ کا ہے اور خدا ہر شے پر محیط ہے○

ع ۱۸ ۱۵

۱۲۷- وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ

۱۲۷- وہ تجھ سے عورتوں کے بارہ میں وا فتویٰ مانگتے ہیں۔ تُو کہہ اُن کے بارہ میں خُدا تمہیں فتویٰ دیتا ہے اور جو کچھ تم پر پڑھا جاتا ہے کتاب میں اُن یتیم عورتوں

اچھا دین

وا اسلام کے معنی پُوری توجّہ اور پُورے التفات کے ساتھ بارگاہِ جلال میں جُھک جانے کے ہیں۔

اُس کے سارے احکام، پُورا نظامِ عمل، اطاعت و تسلیم کا مرقع ہے۔

اس کی تعلیمات کا مقصد عطر اسوۂ ابراہیمؑ کی اشاعت ہے۔ یعنی تمام خواہشاتِ نام و نمود کو پسِ پُشت ڈال کر کفر و طاغوت کی بستی میں جلنا، ایمان و توحید کے قیامِ دین کے سلسلہ میں ہر مصیبت و ابتلاء کو برداشت کرنا، نمرود سے اُلجھنا اور نارِ ذا الّتہاب سے کھیل جانا۔ ملّتِ ابراہیمی نام ہے سرفروشی و جانبازی کا، ایثار و خلوص کا، توحید و معرفت کی مئے آتشین کے جامہائے لبالب کا۔

پس وہ دین جو ہمہ جہاد و حریّت ہو، وہ ملّت جو جانبازوں اور جانثاروں کا عظیم گروہ ہو، اس قابل ہے کہ شائستہ تسلیم ہو۔

کیا اسلام کے سوا کوئی اور دین ایسا اچھا دین ہے اور کیا ملّتِ ابراہیمی کے علاوہ کہیں مجاہدوں اور مُخلصوں کا کوئی

اور گروہ تمہیں نظر آتا ہے جو خُدا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دے۔

وا مقصد یہ ہے کہ عورتوں اور یتیم بچّوں کے ساتھ بُرا سلوک اس بات کا متقاضی ہے کہ خاص ہدایات نازل کی جائیں، جس میں مسلمانوں کو حُسنِ معاشرت کا درس دیا جائے۔

یہ ضروری نہیں کہ جہاں قرآنِ حکیم میں استفتاء یا سوال کا ذکر ہے وہاں درحقیقت سائلین کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کا طرزِ بیان ہے کہ وہ سوال طلب حالات کو استفتاء سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ طبیعتوں میں چونکہ تشویشِ استفسار کی بیّن علامتیں موجود ہیں، اس لئے اس کا جواب یہ ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ سے مُراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بجائے خود حجّت و سند ہوتے ہیں اور اُن کی یہ حیثیت اس قدر واضح ہے کہ غیر مسلم تک معترف ہیں۔

حلِ لُغات

نَقِيْرٌ- حقیر ترین۔ ذرہ برابر۔
خَلِيْلٌ- دوست۔

لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ○

کی بابت جن کے لکھے (ہوئے) حقوق تم نہیں دیتے اور اُن سے نکاح کرنے پر راغب ہو اور ناتوان لڑکوں کے بارہ میں اور وہ یہ کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اُس کو خوب جانتا ہے ○ ف۱

۱۲۸- وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

۱۲۸- اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے اُس کے لڑنے یا مُنہ پھیر لینے سے ڈرے تو اُن دونوں میاں بیوی پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح صُلح کرلیں اور صُلح بہتر ہے! اور دلوں میں حرص رکھی گئی ہے۔ اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو تو خدا تمہارے کاموں سے خبردار ہے ○ ف۲

ف۱ عرب نہایت حریص و طماع تھے۔ یتامیٰ کی تربیت محض اس لئے اپنے ذمہ لیتے تاکہ اُن کے مال و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے اور اس کی کئی صورتیں تھیں۔ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ کہہ کر عدل و انصاف پر آمادہ کیا ہے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ میں یہ بتایا ہے کہ تمہیں تو یتیم بچوں اور بچیوں سے عدل و انصاف کے علاوہ حسنِ سلوک اختیار کرنا چاہئے تھا۔ نہ کہ جور و ستم ڈھانے لگو۔

ف۲ مرد و عورت میں بعض اوقات شکر رنجی ہو جاتی ہے اور عدم التفات کے باعث وہ خوفناک نتائج پر منتج ہوتی ہے۔ قرآن حکیم جو فلسفہ تدبیر منزل کو بالخصوص اہمیت و وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ اس باب میں یہ ہدایت دیتا ہے۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا کہ دونوں صلح و محبت کی فضا پیدا کرنے میں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوں۔

قرآن کے پیشِ نظر یہ حقیقتِ نفسی بھی ہے کہ بالطبع لوگ ذات و بخل میں زیادہ رغبت رکھتے ہیں۔ یعنی اپنے حقوق سے دست بردار ہونے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ اس لئے اس کا ارشاد یہ ہے کہ احسان و اتقا اختیار کریں اور دونوں ایثار و خلوص سے کام لیں۔

یہ واقعہ ہے کہ میاں بیوی دونوں اگر اپنے حقوق سے زیادہ فرائض کی تکمیل پر زور دیں تو کبھی اختلاف پیدا نہ ہو۔

حلِّ لُغات

نُشُوْز۔ عورت کا خاوند سے موافقت نہ کرنا۔

اَلشُّحّ۔ بخل۔ حرص۔ آز۔

۱۲۹۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

۱۲۹۔ اور ہرگز عورتوں میں عدل نہ کر سکو گے۔ اگرچہ تم اس کی حرص کرو تو بالکل ایک ہی طرف نہ جھکو کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے اُدھر میں لٹکتی اور اگر صلح کرو اور پرہیزگاری کرو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے ؎۱ ○

۱۳۰۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ○

۱۳۰۔ اور اگر دونوں میں جُدائی ہو جائے تو اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا حکمت والا ہے ؎۲ ○

۱۳۱۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

۱۳۱۔ اور جو کچھ زمین آسمان میں ہے، اللہ ہی کا ہے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، اُن کو اور تم کو ہم نے وصیّت کی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اور جو کافر ہو جاؤ تو جو کچھ آسمان اور

ممکن عدل

؎۱ آیت نشوز کے بعد تعدّدِ ازدواج کا ذکر اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ یہ بجائے خود اختلاف اور عداوت کا باعث ہے۔ اس لئے بجز مخصوص حالات کے کسی معمولی قوّت و نفوذ کے آدمی کو تعدّدِ ازدواج کی جُرأت نہ ہونی چاہئے۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی عدل ممکن نہیں جس کا تعلق جذبات سے ہے۔ اس لئے کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان جو اُسوۂ جمیل کے ساتھ نوازا گیا ہے، ان الفاظ میں معذرت خواہ ہے۔ هٰذا قسمي فيما املك والت اعلم بما لا املك۔ یعنی اے خدا جہاں میرے امکان میں ہے مَیں انصاف و عدل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ مگر بعض منزلیں ایسی بھی ہیں جہاں مساوات قطعاً ناممکن ہے۔ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ کہہ کر امکانی حدُود کی توضیح فرما دی ہے کہ ایک ہی بیوی پر ایسا نہ رِیجھ جاؤ کہ دوسری بالکل ہی فراموش ہو جائے۔

جن لوگوں نے تعدّدِ ازدواج کی ممانعت اس آیت سے سمجھی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ آیت کا اندازِ بیان صاف طور پر اسے ایک حقیقتِ مسلّمہ قرار دیتا ہے۔

؎۲ اختلاف جب حد سے بڑھ جائے تو مناسب یہی ہے کہ دونوں الگ ہو جائیں اور پُوری بے نیازی سے اپنے اپنے مصالح کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اس آیت میں اسی حکیمانہ اصُول کی وضاحت ہے۔

حلِّ لُغات

وَصَّيْنَا۔ مادہ وَصِيَّة۔ تاکید اکید۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝

زمین میں ہے خدا کا ہے اور خُدا بے پروا قابلِ تعریف ہے ۝

۱۳۲- وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

۱۳۲- اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور اللہ کارساز کافی ہے ۝

۱۳۳- اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝

۱۳۳- اے لوگو! اگر اللہ چاہے تمہیں نابُود کر دے اور دُوسرے لوگ پیدا کر دے اور اللہ اس پر قادر ہے ۝

۱۳۴- مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ ع

۱۳۴- جو کوئی دُنیا کا ثواب چاہتا ہے۔ سو اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت کا ثواب موجُود ہے اور خُدا سُنتا دیکھتا ہے ۝

۱۳۵- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى

۱۳۵- مومنو! انصاف پر قائم رہو۔ خُدا کے لئے گواہی دو، اگرچہ اپنی جان پر ہو یا والدین

وصیّتِ کُبریٰ

ف قرآن حکیم اور دُوسری مذہبی کتابوں میں سب سے بڑا پیغام تقویٰ و صلاح کا پیغام ہے۔ یعنی قلب و باطن کی تنزیہ و تطہیر۔

ان آیات میں اسی وصیّتِ کبریٰ کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ سے عشق و خشیّت کے تعلقات استوار کر لو۔ ورنہ جان لو کہ اس کی شانِ بے نیازی تمہارے کفر و فسق کو زیادہ دیر گوارا نہ کرے گی۔

وہ چشم زدن میں بڑے بڑے فرعونوں کو قلزم میں بہا دیتا ہے۔ اس کی ادنیٰ جنبشِ عقاب بستیوں کی بستیاں اُلٹ دیتی ہے۔ عاد و ثمود کے شہر اور بابل و نینوا کے خُوش سواد دیہات آج کہاں ہیں؟ اس کا کوئی کُنبہ نہیں ہے اُس کی ذات لَمْ يَلِدْ کسی قوم و ملت سے تعلق خاص نہیں

رکھتی۔ وہ ربّ العٰلمین ہے۔ اس کی ربُوبیت اسی سے متعلق ہے جن کو باقی رہنے کی صلاحیت و استعداد ہے اور وہ جو سرکش اور نافرمان ہیں، ہرگز زندہ رہنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

ف۲ مقصد یہ ہے کہ خدا کے خزانوں میں دین و عقبیٰ کی نعمتوں سے بہرۂ کثیر ہے۔ مُبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے نصب العین کو بلند رکھتے ہیں اور جن کی نظریں زمین کی پستی سے گزر کر آسمانوں کی بلندیوں کا جائزہ لیتی ہیں۔ یعنی وہ جو دُنیا کی سعادتوں اور مسرّتوں کو اپنا مقصُود و نظر نہیں بناتے، بلکہ اُخرویٰ کی رُوحانی کیفیتیں اُن کا حاصل ہیں۔

حلِّ لُغات

قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ۔ تاکید مبالغہ۔ انصاف کا حامی۔

أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

وقرابتیوں پر۔ اگر وہ شخص غنی ہو یا فقیر۔ اللہ دونوں پر تم سے زیادہ مہربان ہے۔ سو تم اپنی خواہش کے تابع نہ ہو کہ انصاف سے عدل کرو اور اگر تم زبان ہلوگے یا بچا جاؤگے تو خُدا تمہارے کاموں سے خبردار ہے ف۱ ۝

۱۳۶- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

۱۳۶- مومنو! تم اللہ پر اور اُس کے رسُولؐ پر اور اُس کتاب پر جو خُدا نے اپنے رسُولؐ پر نازل کی ہے اور اُس کتاب پر جو اس سے پہلے اُس نے نازل کی تھی ایمان لاؤ۔ اور جو کوئی اللہ کا اور اُس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسُولوں کا اور آخری دن کا مُنکر ہُوا وہ گمراہی میں بہت دُور جا پڑا ف۲ ۝

۱۳۷- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ

۱۳۷- جو لوگ ایمان لائے۔ پھر کافر ہوئے۔ پھر ایمان

ف۱ اِن آیات میں مسلمان کو ہر حالت میں منصف و عادل رہنے کی تلقین کی ہے۔

یہ بالکل آسان ہے کہ ہم دُوسروں کے معاملات میں حکیم بن جائیں اور عدل و انصاف کے تقاضوں سے اُن کا ناک میں دم کر دیں۔ مشکل یہ ہے کہ جب سچ بولنے سے اپنے نفس پر زد پڑتی ہو اور اپنے اعزا و اقربا مصائب سے دوچار ہوتے نظر آتے ہوں، اُس وقت عادل رہیں اور سچی شہادت دیں۔

قرآنِ حکیم نے مسلمان کا جو تخیل پیش کیا ہے، وہ اتنا پاکیزہ اور بلند ہے کہ بے اختیار بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

یعنی قوّام بالقسط پیکرِ عدل و انصاف، سچائی کے لئے اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے والا۔

دعوتِ تجدید ایمان کے کئی درجے اور مقام ہیں۔ سرسری ایمان یہ ہے کہ اسلامی نظامِ عقائد و عمل کو مان لیا جائے۔ ایثار و خلوص شرط نہیں۔ اِس حالت میں اس نوع کے لوگ سیاسی اعتبار سے مسلمان ہی شمار کئے جائیں گے۔ مگر حقیقی اور واقعی ایمان یہ ہے کہ دِلوں میں یقین و ثبات کا کہربا دوڑ جائے اور مسلمان درد و اضطراب کا مرقع بن جائے۔ اس کے ہر بُن و مُو سے اسلامی شان و شوکت کے فوارے پھُوٹیں۔ اس آیت کا یہی مقصود ہے کہ مسلمانو! قشر اور چھلکے کو چھوڑ کر حقیقت و مغز کو پہچانو۔ اجمال و ابہام سے نکل کر تفصیل و تشریح کی روشنی میں اپنے ایمان کا جائزہ لو اور دیکھو کیا واقعی اللہ کی تمام کتابوں پر تمہارا ایمان ہے؟ اور کیا تم اُس کے تمام پیغمبروںؑ کو برابر مانتے ہو؟ اور کیا آخرت کے لئے تم نے کوئی تیاری کر رکھی ہے؟ اگر ان میں سے کسی ایک صداقت کا بھی انکار ہے تو جان لو کہ یہ بدترین گمراہی ہے۔

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝

لائے پھر کافر ہوئے۔ پھر کفر میں بڑھتے گئے۔ خدا اُنہیں ہرگز نہ بخشے گا اور ہرگز راہِ ہدایت نہ دکھائے گا ۝

۱۳۸۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

۱۳۸۔ مُنافقوں کو خوشخبری سُنا دے کہ اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے ۝

۱۳۹۔ نِ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

۱۳۹۔ وُہ لوگ جو مُسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وُہ اُن کے پاس عزّت کرتے ہیں؟ تو عزّت تو ساری خُدا ہی کے پاس ہے [ف۱] ۝

۱۴۰۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

۱۴۰۔ اور خُدا تم پر قرآن میں یہ بات نازل کر چکا ہے کہ جب تم خُدا کی آیتوں کی نسبت اِنکار یا ٹھٹھا [ف۲]

ف۱ اس قسم کے لوگ منافق ہیں۔ ان کے تعلقات ہمیشہ کفار سے رہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ دورُخی حکمت عملی سے فریقین میں مقبول و معزز رہیں۔

ارشاد ہے کہ عزّت کے تمام وسائل و ذرائع اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جسے چاہے چشم زدن میں عزّت و وقار کے عرشِ بریں سے اُتار دے اور جسے چاہے تاج و دیہم کا مالک بنا دے۔ اس لئے جھوٹی عزّتوں کے لئے منافقت و مداہنت کی کیا ضرورت ہے۔

ف۲ نزولِ قرآن کے وقت کفر و نفاق کے جمگھٹے ہوتے۔ لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ بٹ کر مذاق و استہزاء کی محفلیں جماتے اور ان میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کی آیات پر پھبتیاں سُوجھتیں۔ مقصد یہ ہوتا کہ عام مُسلمانوں کے دلوں میں قرآن اور صاحبِ قرآن کے متعلق کوئی عقیدت باقی نہ رہے۔ اور ان کے جذبۂ حمیت و عصبیت کو ٹھیس لگائی جائے۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ جب اس قسم کے مواقع ہوں تو تم بھٹک جاؤ اور شرک اختیار نہ کرو، ورنہ تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ گے۔

قاعدہ ہے۔ جب کثرت سے کسی عقیدے کے متعلق اعتراضات و ملامتیں سُنی جائیں تو دل میں اُس کے لئے کوئی وقعت نہیں رہتی اور یہ مداہنت آہستہ آہستہ ارتداد تک پہنچا کے رہتی ہے۔ اس لئے عوام کے لئے احتراز ضروری ہے جو چُپکے بیٹھے رہتے ہیں اور مدافعت پر قادر نہیں ہوتے۔ مگر وہ جو صاحبِ علم و حمیت ہیں اور اُن کے نفاق و کفر کا دندان شکن جواب دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔

کیونکہ اسلام تحقیق و تنقید سے نہیں گھبراتا، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ عوام کا ایمان محفوظ رہے اور وہ نہ جانتے ہوئے سادگی سے بدعقیدگی کا شکار نہ ہو جائیں۔ خواص کے لئے اجازت ہے کہ جہاں چاہیں جائیں اور اسلام کے معارف کی اشاعت کریں۔

حلِّ لُغات

ثُمَّ کا تکرار، تکرارِ فعل کے لئے ہے۔ یعنی وہ لوگ جو شکوک و ارتیاب کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور جن کے لئے کہیں ثبات و قرار نہیں۔

اَوْلِيَآءَ ۔ دوست و احباب۔

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَاۨ ۝

سُنو تو اُن کے پاس نہ بیٹھو جب تک کہ دُوسری بات میں مشغول ہوں۔ ورنہ تم بھی اُن کی مانند ہو گے۔ بے شک خُدا سارے مُنافقوں اور کافروں کو جہنّم میں اکٹھا کرے گا ۝

۱۴۱۔ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى

۱۴۱۔ وہ مُنافق تمہیں تاکتے رہتے ہیں۔ پھر اگر تمہیں خدا کی طرف سے فتح ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور جو کافروں کی قسمت یاور ہوتی ہے تو اُن سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں نہ گھیر لیا تھا اور مُسلمانوں سے نہ بچا لیا تھا؟ سو خُدا تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور خُدا کافروں کو مومنین پر ہرگز

مُسلمان ابداً غالب ہے

ف مقصد یہ ہے کہ منافقین دونوں جماعتوں سے بنائے رکھتے ہیں۔ مُسلمان غالب رہیں تو کہتے ہیں کیا ہم مُسلمان نہیں اور اگر دیکھیں کہ کفر عارضی طور پر غالب ہو گیا ہے تو انہیں پھر یہ یقین دلانا پڑتا ہے کہ ہم نے ہر طرح تمہاری جماعت کو مسلمانوں کے حملوں سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۔ میں مُسلمان کے دائمی غلبہ و تسلط کا اعلان ہے یعنی حجت و بُراہین سے لے کر قوت و منفعت کے تمام ذرائع تک مُسلمان کے قبضہ میں ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ ابداً کفر و نفاق پر غالب و قاہر رہے گا۔ اس کی قوتیں بے پناہ اور غیر محدود ہیں۔ وہ دنیا میں ایک لمحہ غلامی کے لئے آمادہ نہیں۔ آزادی و خلافت اس کی وفادار کنیزیں ہیں۔ مگر اس وقت جب اُس کا ایمان صحیح معنوں میں ایمان ہو۔ جب اس کے ایمان کی درخشانی ولمعانی چاند اور سُورج کو شرمائے۔ جب اُس کے ایمان کی حرارت اس کے سینے میں ہمیشہ سوزاں و تپاں رہے اور جب اُس کے بازو میں قوتِ حیدریؓ اور زورِ عمرؓ موجود ہو۔ نہ اُس وقت جبکہ ایمان کی روشنی کفر کی ظلمت کے مشابہ ہو جائے اور نہ اُس وقت جب اس کی حرارت کفر کی بُرودت سے بدل جائے اور نہ اس وقت جب بازو شل ہو جائیں اور قوت جواب دے جائے۔

حلِ لُغات

يَخُوْضُوْا۔ مصدر خوض۔ غور و فکر۔ بحث و تمحیص۔

الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

راہ (غلبہ) نہ دے گا ۝

۱۴۲- اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

۱۴۲- بیشک منافق خدا کو (اپنے گمان میں) فریب دیتے ہیں اور خدا انہیں فریب دیتا ہے[1] اور جب یہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھلاتے ہیں اور خدا کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا[1] ۝

۱۴۳- مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

۱۴۳- (اقرار و انکار) دونوں کے درمیان اُدھر میں لٹکتے ہیں۔ نہ اُن میں نہ اُن میں اور جسے اللہ گمراہ کرے۔ اُس کے لئے تو کوئی راہ نہ پائے گا ۝

۱۴۴- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ

۱۴۴- مومنو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم اللہ کا صریح[2] الزام اپنے اُوپر لیا چاہتے

ف۱ وَهُوَ خَادِعُهُمْ سے مراد یہ نہیں کہ خدا اُن سے فی الواقع خادعانہ سلوک کرے گا۔ بلکہ یہ کہ وہ اس عذاب کو جس سے وہ دوچار ہوں گے، خادعانہ تصور کریں گے اور وہ ٹھیک اُن کی منافقت و مداہنت کا جواب ہوگا۔
خدع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تجوز و مجانبہ ہے۔ جیسے ۔۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔
ف۲ ان آیات میں کفار کی دوستی اور مودت سے منع کیا ہے۔ مگر اس صورت میں کہ جب مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ یوں شہری تعلقات میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کا یہی مطلب ہے اور یہ بتایا ہے کہ اپنے بدترین اعمال کی وجہ سے ان کا درجہ درکِ اسفل ہے۔

حلِ لغات

كُسَالٰى۔ جمع کسلان سست اور کاہل۔ یعنی نمازیں نہایت بے دلی اور بے توجہی سے پڑھتے ہیں۔
مُذَبْذَبِيْنَ۔ مادہ ذبذب بمعنی مدافعت۔ تکرار حروف۔ تکرار فعل پر دال ہے۔ یعنی وہ ہر دو فریق کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔
قَلِيْلًا سے مراد عدیماً۔ یعنی قطعاً خدا کو یاد نہیں کرتے۔

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

۱۴۵- اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ○

۱۴۶- اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

۱۴۷- مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ○

ہو)

۱۴۵- بے شک منافق آگ کے (سب سے) نیچے درجے میں رہیں گے اور تُو اُن کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا ○

۱۴۶- مگر جنہوں نے توبہ کی اور سنور گئے اور خدا کو مضبوط پکڑا اور اپنا دین خدا کے لئے خالص کیا۔ سو وہ مومنین کے ساتھ ہیں اور عنقریب مومنین کو خدا بڑا ثواب دے گا ○

۱۴۷- اور اگر تم شکرگزار ہو اور ایمان لاؤ تو خدا کو تمہیں عذاب دینے سے کیا فائدہ (ہوگا) اور خدا قدردان جاننے والا ہے[1] ○

خدا کو عذاب پسند نہیں

[1] اس آیت میں اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ اللہ کا غیظ و غضب بے سبب نہیں بھڑکتا۔ لوگ اگر اُس کی نعمتوں کا جائز استعمال کریں اور ہر وقت اظہار تشکر میں معروف رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ خواہ مخواہ عذاب بھیج دے۔ اُس کا عذاب تو اُس وقت آتا ہے جب سرکشیاں حد سے بڑھ جائیں اور قوم میں ناشکری کی وبا عام ہو جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اصلاح و عبرت کے لئے آزمائشیں نازل کی جائیں۔ گویا وہ پیکرِ رحمت و عفو ہے۔ بجز ضروری اور ناگزیر حالات کے سزا نہیں دیتا۔

حلِ لغات
الدَّرْكِ۔ طبقہ۔ درجہ۔
شَاكِرٌ۔ شکریہ قبول کرنے والا۔

۱۴۸- لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝

۱۴۸- بُری بات کو پکار کر کہنا خدا کو پسند نہیں۔ لیکن جس پر ظلم ہُوا ہو اور اللہ سنتا جانتا ہے[1] ۝

۱۴۹- اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

۱۴۹- اگر تم بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کوئی بدی معاف کرو تو خدا بھی بخشنے والا قدرت والا ہے ۝

۱۵۰- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

۱۵۰- جو لوگ خدا کا اور اُس کے رسُولوں کا انکار کرتے اور خدا اور اُس کے رسُولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور اُس کے درمیان ایک اور راہ نکالنا چاہتے ہیں ۝

۱۵۱- اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا

۱۵۱- اصل میں وہی حقیقی کافر ہیں[2] اور کافروں کے لئے

اظہارِ اساءت

ف[1] پیشتر کی آیات میں منافقین کی ایک ایک بُرائی کو واشگاف بیان کیا ہے۔ تاکہ مسلمان اُن کے شر سے محفوظ رہیں۔ ان دو آیتوں میں معذرت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تنقیص و تحقیر پسند نہیں۔ الا یہ کہ شر و اساءت حد سے بڑھ جائے۔ اس صُورت میں نقائص و قبائح کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں پس منافقین کی مذمت و تذلیل محض مظلومانہ ہے۔ ورنہ عیب پوشی اور عفو و حلم ہی بہترین جذبہ ہے۔

اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ سے مراد وہ افعال ہیں جو فریقِ ثانی کو صُورتِ تکلّف محسوس ہوگا۔ یہاں نہیں۔ کیونکہ ان کا جواز کسی حال میں بھی درست نہیں۔ قرآن حکیم نے اس سے بشدت روکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ

ف[2] ان آیات میں بتایا ہے کہ وہ لوگ جو تفریق و کفر کے حامی ہیں، دراصل اور حقیقتاً کفر کا مصداق ہیں۔ کیونکہ اسلام نام ہے آئینِ فطرت کا اور حقائق و محسُوسات کا اور پیغمبر کہتے ہیں ترجمان رحمٰن کو۔ اس لئے اس میں کسی تفریق و اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جس طرح سے سُورج ایک ہے۔ آسمان ایک ہے۔ اسی طرح ادیانِ مختلفہ میں وحدت و یکسانی ہے البتہ حالات و ظروف کے اختلاف و تضاد کی وجہ سے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغامِ انتقام، مسیح ناصری کے پیغامِ عفو سے الگ اور جدا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ مقصد و مصداق کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔ دونوں کا مقصد اصلاحِ نفس و انسانیت ہے۔

سارے مذاہب اور سارے پیغمبرؑ اس لئے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں، تاکہ اُفقِ انسانیت کو زیادہ سے زیادہ تابندہ و روشن بنا دیا جائے۔ سب کا موضوعِ اصلی اور مقصود انسان کی خدمت و راہنمائی ہے پس یہ کس درجہ ظلم و جہل ہے کہ اس سلسلہ کے ایک مؤید کو تو مانا جائے اور دوسروں کا انکار کر دیا جائے۔

(باقی صفحہ ۲۴۲ پر)

حلِ لُغات اَلسُّوْٓءُ ۔ بُرائی۔ عَفُوٌّ ۔ بخشش و عفو کا بحرِ بیکراں۔

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○

ہم نے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے ○

۱۵۲- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ع

۱۵۲- اور وہ جو اللہ اور اُس کے رسُولوں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی کو الگ نہ کیا۔ اُن کو عنقریب اللہ اُن کا بدلہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[1] ○

۱۵۳- يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

۱۵۳- اہلِ کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تُو آسمان سے اُن پر (یعنی اُن کی آنکھوں کے سامنے) ایک کتاب نازل کرے۔ سو اس سے بڑا سوال موسٰیؑ سے کر چکے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ تُو ہمیں خُدا کو آشکارا دِکھلا سو اُن کے ظلم کے سبب اُنہیں بجلی نے پکڑ لیا۔ پھر بعد اس کے کہ اُنہیں کھلے نشان مل چکے تھے اُنہوں نے بچھڑا (معبود) بنا لیا۔ پھر ہم نے وہ بھی معاف کر دیا اور موسٰیؑ کو صریح غلبہ[2] دیا ○

بقیہ صفحہ ۲۴۱- اسلام کہتا ہے کہ تعصب و جہالت کو چھوڑ دو اور یہ جان لو کہ صداقت ہمہ گیر ہے۔ اللہ کی رحمتیں ہر گوشۂ زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جس عقیدت اور نیاز مندی سے تم موسٰی علیہ السلام کو ملتے ہو، اسی طرح محبت و شیفتگی سے مسیح علیہ السلام پر ایمان لاؤ اور جس طرح تمہارے ہاں مسیح ناصری فخر و مباحات کے اہل ہیں، اسی طرح تمام پیغمبرانہ ستائشوں اور تعریفوں کے حامل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تم سب کو یکساں اللہ کی جانب سے تصور کرو اور ہر تعصب و تخرب کا خاتمہ کرو۔ (حاشیہ صفحہ ھٰذا)

[1] یہاں ایسے گروہ کا ذکر ہے جو تمام اختلافات سے بالا ہے اور جس کے ہاں تمام پیغمبر، تمام صداقتیں اور تمام حقائق یکساں واجب الایمان ہیں۔ جو سلسلۂ نبوت کی پہلی کڑی سے لے کر آخری کڑی تک سب کو مانتے ہیں۔

[2] حضورؐ نے جب حق و صداقت کے جلوے چاروں طرف بکھیرنے شروع کئے اور یہودیوں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کی روشنی سے استفادہ کر رہے ہیں تو مہمل اور لغو اعتراضات سے قرآن کی عظمت و اہمیت کو مٹانا چاہا۔ کہنے لگے۔ اگر آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور مہبطِ انوارِ الٰہی ہیں تو کتاب کو آسمان سے اُترتے ہوئے دکھائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کہنہ عادت کرشمہ پسندی اور معجزہ طلبی کا ذکر فرمایا ہے۔ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ کہ انہوں نے حضرت موسٰیؑ سے بھی یہ بڑا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں محسوس شکل میں خدا دکھا دیجئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حریم جلال و جبروت سے حجابات اُٹھنے شروع ہوئے اور یہ تاب نظر کھو کر عقل و ہوش بھی ضائع کر بیٹھے۔ اب کہتے ہیں، کتاب نازل ہوتی ہوئی دکھائیے کیا اس مطالبہ تنزیل کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ موسٰی علیہ السلام کی تعلیم و توحید کے بعد یہ فوراً گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ اس نوع کے لوگ طلبِ صادق نہیں رکھتے۔ ان کا مقصد محض راہِ حق و سلوک میں مشکلات پیدا کرنا ہوتا ہے۔

حلِّ لُغات - مُهِيْنٌ - خوار رکھنے والا۔ رُسوائی دینے والا۔ جَهْرَةً - واضح طور پر۔ رُوبرُو۔ الصّٰعِقَةُ - بجلی۔

۱۵۴- وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۝

۱۵۴- اور اُن سے اقرار لینے میں ہم نے اُن کے اُوپر کوہِ طور اُٹھایا اور اُن سے کہا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور کہا کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کرو اور ہم نے اُن سے پختہ وعدہ[ف۱] لیا۝

۱۵۵- فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝

۱۵۵- پس اُن کی عہد شکنی اور اللہ کی آیتوں سے انکار کرنے کے باعث اور ناحق پیغمبروں کا خُون کرنے کے سبب اور اُن کے قول کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہُوا ہے بلکہ اُن کے کُفر کے سبب خُدا نے اُن کے دلوں پر مُہر لگائی ہے سو وُہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے۝

۱۵۶- وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا۝

اور اُن کے کُفر کے سبب اور مریمؑ پر بڑا طوفان بولنے کے سبب[ف۲] (بھی)۝

۱۵۷- وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ

۱۵۷- اور اُن کے اس قول کے سبب کہ ہم نے

ف۱ رفع طور کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اگر میثاق وعہد کو ملحوظ رکھو گے تو طُور کی بلندی و استقلال تمہیں عطا کیا جائے گا اور اگر انکار کروگے تو یاد رکھو کہ باوجُود مادی قوت وشوکت کے ہلاک کئے جاؤ گے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو حواشی سورۂ بقر۔

سجدہ اور اعتدا فی السبت کی کیفیت مفصّل گزر چکی ہے۔

بُہتانِ عظیم

ف۲ ان آیات میں یہودیوں کے موٹے موٹے جرائم بیان کئے ہیں کہ کیونکر وہ خدا کے غضب وغصہ کے مستحق بنے۔ فرمایا نقضِ میثاق کی وجہ سے یعنی اس لئے انہوں نے ہمیشہ شریعت کی مخالفت کی۔ اور کفر کی وجہ سے دائماً اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اس نئے بھی کہ انبیاء علیہم السلام سے مخاصمت ومقاتلہ جاری رکھا۔ یہ سب اس لئے کہ وہ کہتے تھے۔ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ یعنی ہمیں تیری باتیں نہیں بھاتیں۔ دلوں میں پردے حائل ہیں۔ فرمایا، درست کہتے ہیں۔ اُن کے دل حق ویقین کی صلاحیت سے قطعاً محروم ہو چکے ہیں اور خدا نے مستمرہ قانون کے ماتحت اُن کے دلوں پر بالآخر مُہر کر دی ہے۔

سب سے بڑا گناہ اُن کا یہ خبثِ نفس ہے کہ مریمؑ عذرا کو متہم گردانتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس حالت میں اس لئے "والدہ" کے اعزاز سے نوازا گیا کہ تمہاری مادہ پرست آنکھیں کُھلے مجاز کو دیکھیں اور اس لئے بھی کہ تم خرقِ عادات کو زیادہ اہمیّت نہ دو اور مصالح اللہ کے ماتحت خیال کرو۔

تفصیل کے لئے دیکھو سورۂ آل عمران۔

حلِ لُغات

سَبْت۔ ہفتہ۔
غُلْفٌ۔ جمع غلاف۔ خیر

عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰکِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ یَقِیۡنًا ۙ﴿۱۵۷﴾

عیسیٰ بن مریمؑ رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ نہ اُسے قتل کیا اور نہ اُسے سُولی پر چڑھایا۔ لیکن وہ شُبہ میں پڑ گئے۔ اور وہ جو اُس کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں اُس کی نسبت شک میں ہیں۔ اُنہیں اس کا علم نہیں لیکن وہ گمان کی پیروی کرتے ہیں اور یقیناً اُس کو قتل نہیں کیا۔

۱۵۸-بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸- بلکہ خدا کے اُسے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے[1]۔

۱۵۹-وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۚ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یَکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹- اور اہلِ کتاب میں سے کوئی نہیں ہے کہ اُس کی موت سے پہلے اُس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ اُن سب پر گواہ ہوگا[2]۔

مسیح علیہ السّلام غیر مصلوب ہیں

[1] قرآن حکیم مکمل صحیفۂ آسمانی ہے۔ اس میں جس طرح عقائد و عمل کی گتھیوں کو سُلجھایا گیا ہے اسی طرح صدیوں کے شُبہات و ظنون کو فیصلہ کن صُورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ وہ مصحفِ روشن ہے جس کی برق افگن تجلیاں باطن و مغز تک نفوذ کر جاتی ہیں اور کوئی چیز ظلمت و تاریکی میں نہیں رہتی۔

سات سو سال سے یہ متفقہ عقیدہ چلا آ رہا تھا کہ حضرت مسیحؑ مصلوب ہو گئے ہیں۔ یہودی بھی فخر و غرور سے کہتے تھے۔ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِیۡحَ اور عیسائی بھی معترف تھے کہ وہ دار پر کھینچے گئے ہیں۔

قرآن عظیم نازل ہُوا تو اُس نے کہا۔ یہ افسانہ ہی غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ یہودی سپاہی جب مسیح علیہ السّلام کو کشاں کشاں صلیب تک لے گئے تو غیرتِ خداوندی جوش میں آگئی اور مسیحؑ کو آسمان پر زندہ اُٹھا لیا گیا۔ سپاہی جو مسیحؑ کو سزا دینے پر متعین تھے حیران ہوئے۔ پھر تدبیر یہ کی کہ کسی دُوسرے آدمی کو سُولی دے کر مشہور کر دیا کہ ہم نے مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ہمارے خلاف کوئی محکمانہ کارروائی نہ کی جائے۔

صدیاں گزر گئیں اور یہ واقعہ اسی طرح تسلیم کیا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ عیسائیوں نے مسیحؑ کی موت پر کفارے کی بُنیادیں رکھیں اور یہُودی اپنی اس کور باطنی پر نازاں رہے۔ قرآنِ حکیم نے وَلٰکِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ کہہ کر واقعہ کی حیثیت کو ہی بدل دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ کفارہ کی بنیادیں ہل گئیں اور یہودوں کا فخر و غرور بھی خاک میں مل گیا۔

یہ کہنا کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکائے تو گئے تھے مرے نہیں۔ قرآن و ادب کی مخالفت کرنا ہے۔

مَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ کے صاف معنی یہ ہیں کہ مسیحؑ غیر مصلوب اور غیر مقتول ہیں۔

کیونکہ افعال میں ہمیشہ ابتدا و آغاز کا اعتبار ہے اور نفی کی صورت میں سب سے پہلے اس کی زد ابتدا ہی پر پڑتی ہے۔ مثلاً اَکَلَ کے معنی ہیں کھانا شروع کیا او کھایا۔ شَرِبَ کا مطلب ہے پانی پینا شروع کیا او پیا۔ جب یہ کہیں گے کہ مَا اَکَلَ زَیۡدٌ۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زید نے سرے سے کھایا ہی نہیں۔ اور جب یہ کہیں گے کہ مَا شَرِبَ عَمۡرٌو۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ عمرو نے فعل کا آغاز ہی نہیں کیا

(باقی صفحہ ۲۴۴)

حلّ لغات

یَقِیۡنًا۔ بالیقین۔ قطعًا۔ یعنی قتل کی کلیتہً نفی ہے۔
یُؤۡمِنَنَّ۔ مضارع بانون تقیا۔ یہ استعمال کے لئے مخصوص ہے۔

۱۶۰۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ۙ○

۱۶۰۔ سو یہود کے ظلم کے سبب ہم نے اُن پر بعض پاک چیزیں جو اُنہیں حلال تھیں حرام کر دیں اور اس سبب سے کہ انہوں نے خدا کی راہ سے بہتوں کو روکا○

۱۶۱۔ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا○

۱۶۱۔ اور اُن کے سُود لینے کے سبب سے حالانکہ وہ اس سے منع کئے گئے تھے اور لوگوں کے مال ناحق کھا جانے کے سبب (بھی) اور اُن میں سے کافروں کے لئے ہم نے دُکھ دینے والا عذاب تیار کیا ہے[1]○

۱۶۲۔ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا○ ع ۲۲

۱۶۲۔ لیکن اہلِ کتاب میں سے جو علم میں مضبوط اور ایمان والے ہیں، جو تجھ پر نازل ہؤا اور جو تجھ سے پہلے نازل ہؤا، مانتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خُدا پر اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُن کو ہم بہت بڑا ثواب دیں گے[2]○

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۴)

پس وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے معنی یہ ہوں گے کہ مسیحؑ کو انہوں نے سُولی پر چڑھایا ہی نہیں اور نہ ہی قتل کیا ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ سے مُراد یہ ہے کہ خدا نے اپنے ہاں مسیحؑ کو بُلا لیا۔ یعنی آسمان جو خدا کی تدبیرات کا مرکز و دفتر ہے (یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ) مسیح السلام کا عارضی مستقر ٹھہرا۔

[3] یہ آیت حیاتِ مسیحؑ پر زبردست دلیل ہے۔ قَبْلَ مَوْتِهٖ کا مرجع اہلِ کتاب نہیں مسیحؑ ہے اور لَیُؤْمِنَنَّ سے مُراد زمانہ مستقبل ہے۔ یعنی ایک وقت آئے گا جب یہودیوں کو قرآن کی بتائی ہوئی صداقتوں پر ایمان لانا پڑے گا۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

[1] مقصد یہ ہے کہ یہودی تمام جائز نعمتوں سے اس لئے محروم ہوگئے کہ انہوں نے خود اس کے لئے کوشش کی اور زہد و ورع کے نام سے کئی چیزیں جو حلال تھیں کھانا چھوڑیں۔ پھر جرائم اس قسم کے کئے، کہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔

[2] اس آیت میں اُن علمائے حق کا ذکر ہے جو گو یہود میں پیدا ہوئے مگر ان کا علم و تقویٰ انہیں حق کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ برابر اسلامی وظائف و عمل کو ادا کرتے ہیں۔ اُن کا ایمان ہے کہ قرآن جو محمدؐ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہؤا ہے، خدا کی سچی کتاب ہے۔

حلِ لغات

صَدٌّ۔ روکنا۔

۱۶۳- اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

۱۶۳- (اے محمدؐ) ہم نے تیری طرف ایسی وحی بھیجی ہے جیسی ہم نے نوحؑ اور اُس کے بعد اور نبیوں اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور اُس کی اولاد اور عیسٰیؑ و ایوبؑ و یونسؑ و ہارونؑ و سلیمانؑ کی طرف بھیجی تھی۔ اور داؤدؑ کو ہم نے زبور دی[۱] ۝

۱۶۴- وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝

۱۶۴- اور کئی رسولؑ ہیں جن کا احوال ہم نے تجھے پہلے سُنایا اور کئی رسول ہیں جن کا احوال ہم نے تجھے نہیں سُنایا اور خدا نے موسٰیؑ سے باتیں کی تھیں[۲] ۝

۱۶۵- رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

۱۶۵- اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بہت رسولؑ آچکے ہیں، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے[۳] ۝

ف۱ یعنی نفسِ نبوت اور مقامِ صداقت میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت مسیحؑ تک اور حضرت مسیحؑ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک سب نے ایک ہی منزل کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے۔ پس وہ لوگ جو انصاف پسند ہیں، انبیاءؑ و مذاہب کے نام پر انسانیت کو تقسیم نہیں کرتے، بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ سلسلۂ حق و صداقت کی تمام کڑیوں کو مشترکہ مانا جائے۔

ف۲ مختلف انبیاءؑ کا ذکر کر کے اب یہ فرمایا ہے کہ تمام دُنیا میں خُدا کے پیغمبرؑ آئے ہیں اور ہر گوشۂ ارض ان کے قدوم برکت لزوم سے مفتخر ہُوا ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ قرآنِ حکیم میں سب انبیاءؑ کا نام بنام ذکر ہو۔ پس یہ جان لیجئے کہ تمہیں انہیں پیغمبروں کے نام اور حالات بتائے گئے ہیں جن سے تمہارے کان آشنا ہیں۔

ف۳ اس آیت میں بتایا ہے کہ تمام نبیؑ بشارت و ڈرانے کا انداز لے کر آئے ہیں۔ تاکہ ہر زمانہ میں لوگ براہِ راست ان سے استفادہ کر سکیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس خُدا کا کوئی پیغامِ ہدایت موجود نہیں۔

حلِ لُغات

اَوْحَيْنَا۔ وحی کے معنی اشارہ خفیفہ کے ہیں۔ اصطلاحِ قرآن میں چپکے سے کوئی بات دل میں ڈال دینا مراد ہے۔

زَبُوْر۔ مُطلقاً کتاب کو کہتے ہیں۔

حُجَّةٌ۔ دلیل۔ عُذر۔ الزام۔

۱۶۶- لٰكِنِ اللهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللهِ شَهِيْدًا ۝

۱۶۷- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝

۱۶۸- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ۙ

۱۶۹- اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيْرًا ۝

۱۷۰- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا

۱۶۶- لیکن جو کچھ تجھ پر نازل کیا ہے اُس کے بارہ میں خُدا گواہی دیتا ہے کہ اُس نے وُہ اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ گواہ کافی ہے [۱] ۝

۱۶۷- جو کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے رُکے رہے وہ سچّائی سے دُور گمراہی میں جا پڑے ۝

۱۶۸- جو کافر ہُوئے اور انہوں نے ظلم کیا۔ خدا اُنہیں نہ بخشے گا اور نہ راہ دِکھلائے گا ۝

۱۶۹- لیکن جہنّم کی راہ، جس میں وُہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ کام خدا پر آسان ہے ۝

۱۷۰- لوگو! تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس حق کے ساتھ رسُول آیا ہے سو تم ایمان لاؤ۔ تمہارا بھلا ہوگا اور جو کافر ہو جاؤ گے تو جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اللہ کا ہے اور اللہ جاننے والا [۲]

خُدا اور فرشتوں کی گواہی

ف [۱] ان دو آیتوں میں قرآن حکیم کی عظمت و اہمیت کی طرف توجّہ دلائی ہے۔ کہا ہے کہ خدا نے قرآن کے الہامی ہونے پر اعلیٰ شہادتیں مرتب کی ہیں اور فرشتے بھی اس سچائی اور صداقت پر گواہ ہیں۔ یعنی خدا نے جان بُوجھ کر علیٰ وجہ البصیرت قرآن حکیم کو نازل کیا ہے اور تم اُس میں بے شمار علمی خوارق دیکھ سکتے۔ فرشتے بھی شاہد ہیں اور یہی وجہ ہے، فرشتوں نے ہمیشہ قرآن کی تائید کی ہے اور عین جنگ میں ان لوگوں کی حمایت کی ہے جو حامل قرآن ہیں۔ پس وہ لوگ کہ جو اس صداقت مشہود کا انکار کرتے ہیں، کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں

ف [۲] اس آیت میں تمام لوگوں کو ایمان کی دعوت دی ہے کہ آؤ سب رسُول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مان لیں۔ کیونکہ انسانی فلاح و خیر اسی ایمان پر موقوف ہے۔ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ مذہب کا تعلق تمہاری اصلاح و رہنمائی ہے۔ ورنہ خدا کو ضرورت نہیں کہ تم ضرور اسے مانو۔ کیونکہ آسمان کی بلندیاں اور زمین کی وُسعتیں سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ بے نیاز ہے اُسے ہماری عبادتوں اور ریاضتوں کی قطعاً حاجت نہیں۔

حَكِيْمًا ۝

۱۷۱- يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ ع

حکمت والا ہے ۝

۱۷۱- اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں مُبالغہ نہ کرو۔ اور خدا کی نسبت صرف حق بات بولو۔ مسیحؑ عیسٰی بن مریمؑ تو صرف اللہ کا رسول اور اُس کا کلمہ ف ہے جسے اُس نے مریمؑ کی طرف ڈالا تھا اور رُوح ہے اُس کی طرف سے۔ پس تم اللہ اور اُس کے رسُولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو، باز آؤ۔ تمہارے لئے بہتر ہے جو ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور اللہ کارساز کافی ہے ۝

نصف ۲۳ ع ۳

تثلیث و توحید

ف اس آیت میں بتایا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ غیر معقول اور غیر منطقی عقیدہ ہے اور یہ نتیجہ ہے عقیدت و محبت میں غلو اور مبالغہ کا۔

مسیحؑ کی صحیح صحیح حیثیت یہ ہے کہ وہ ابن مریمؑ ہیں۔ یعنی مریمؑ عذرا کے بیٹے اور کلمۂ تکوین کا اثر۔ کیونکہ آپ کی تخلیق خارقِ عادات کُن تکوینی اختیارات سے ہوئی ہے۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ سے مراد تشریف و تفضیل ہے۔ جیسے قرآنِ حکیم کے متعلق فرمایا۔ وَرُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ سے مُراد یہ ہے کہ عقیدۂ تثلیث بوقلموں مصائب کا پیش خیمہ ہے اس میں توحید و وحدت کا وہ پیغام نہیں جو عقیدہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ عیاں ہے۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہہ کر اس حقیقتِ ثانیہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عقل انسانی بجز توحید و تفرید کے کسی عقیدے کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے' اہلِ تثلیث آج تک کوئی متصفہ اور متبعین صورت تثلیث کی پیش نہیں کر سکے۔ کبھی تثلیث کے معنی صفات ثلاثہ کے لئے جاتے ہیں اور کبھی ذات ثلاثہ کے۔ پھر کبھی حلول و اتحاد کا دعوٰی کیا جاتا ہے اور کبھی لعت و منوت کا۔

سُبْحٰنَهٗ میں یہ باریک نکتہ مضمر ہے کہ خدا کا تصور صحیح اس درجہ پاکیزہ اور بلند ہے کہ کسی کثرت و تثلیث کی گنجائش نہیں رہتی۔ یعنی خُدا کے معنی ہی ایک بار صرف ایک ذاتِ برحق کے ہیں۔

حلّ لُغات

لَا تَغْلُوْا۔ مادہ غُلُوًا۔ بمعنی زیادتی اور مبالغہ۔

اَلْحَقَّ۔ صداقت' موافق آئین عقل۔

اِنْتَهُوْا۔ مصدر۔ اِنتہاء رُک جانا۔

۱۷۲۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○

۱۷۲۔ مسیحؑ خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز انکار نہیں کریگا اور نہ مُقرب فرشتے ہی، اور جو کوئی اُس کی بندگی سے انکار کرے گا اور تکبّر کرے گا تو خدا اُن سب کو اپنی طرف[ف۱] اکٹھا جمع کرے گا ○

۱۷۳۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○

۱۷۳۔ سو جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، وہ اُن کو پُورا ثواب دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا۔ اور جو انکار کرتے رہے اور تکبّر کرتے رہے، اُنھیں دُکھ دینے والا عذاب دے گا اور وہ اپنے لئے خُدا کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پائیں گے ○

۱۷۴۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا

۱۷۴۔ لوگو! تمہارے رب کے پاس سے تمہارے پاس حُجّت آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف واضح

ف۱

مقصد یہ ہے کہ بڑے سے بڑا مرتبہ "عبُودیّت" اور غلامی سے آگے نہیں بڑھتا۔ مسیح علیہ السلام اور اور خدا کے تمام مقرب فرشتے اس کے حلقہ بگوش اور فرمانبردار ہیں۔ سب اُس کے جلال و جبرُوت کے سامنے خائف و لرزاں ہیں۔ کسی کو مجالِ ادعاء نہیں۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اُس کی رضا و محبت کو حاصل کیا جائے۔ پس مسیح یا کسی دُوسرے شخص کو سریرِ لاہُوت پر لا بٹھانا اُس کے منصب الُوہیت کی توہین ہے۔

حلِّ لُغات

عَبْدٌ۔ غلام۔ حلقہ بگوش۔ فرماں بردار۔
يَسْتَنْكِفُ۔ مصدر استنکاف۔ انکار کرنا۔

مُّبِيْنًا ۝

روشنی نازل کی ہے[1] ۝

۱۷۵- فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ؕ

۱۷۵- سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑا، وہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا[2] ۝

۱۷۶- يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً

۱۷۶- وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں- تو کہہ اللہ تمہیں کلالہ (اَوت نپوت) کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے اور اُس کے اولاد نہ ہو اور اُس کے ایک بہن ہو تو اُس کو آدھا پہنچے گا جو چھوڑ مرا اور یہ بھائی بھی اُس بہن کا وارث ہے اگر اُس کے اولاد نہ ہو- پھر اگر اُس کے دو بہنیں ہوں تو اُس کے

نور و برہان

[1] قرآن حکیم اور دیگر کتب مذہبی میں ایک ممتاز فرق یہ ہے کہ قرآن عقل و دانش کی مضبوط چٹان پر کھڑا ہے- اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے منطق و فکر کے مطابق ہے- دیگر کتب خطابت و سلسلہ کا مجموعہ ہے- ان میں کہا گیا ہے کہ پہلے مانو- پھر سمجھنے کی کوشش کرو- مگر قرآن غور و فکر کے بحر بیکراں میں کود پڑنے کی دعوت دیتا ہے- وہ بار بار اعلان کرتا ہے- اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (یعنی قرآن جس نظامِ مذہب کو پیش کرتا ہے، وہ فوق الفہم اساسات پر مبنی نہیں، بلکہ مشاہدہ و تجربہ اس کے سب سے بڑے شاہد ہیں- اس لئے آؤ اور عقل و خرد کی تمام طاقتوں سے مسلح ہو کر قرآن کے حقائق کو پرکھو-

[2] اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو اس پیکرِ نُور اور بُرہان نشان کتاب کو مانتے ہیں- یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی رحمتوں کے سزاوار ہیں اور جن کے لئے اللہ کی آغوش فضل وا ہے اور جو صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں- مگر یاد رہے کہ ایمان کے ساتھ اعتصام شرط ہے- یعنی استقلال اور عزم کے ساتھ جوشِ عمل-

حلِ لغات

بُرْهَانٌ- واضح دلیل-

كَلٰلَةِ- بوجھ- مرد یا عورت جس کا وارث اصلی موجود نہ ہو یعنی جس کے ماں باپ یا اولاد نہ ہو-

رِجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترکہ سے اُن دونوں بہنوں کو دو تہائی ہیں۔ اور اگر اُس کے وارث کئی بہن بھائی ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اللہ تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم نہ بہکو۔ اور اللہ ہر شئے سے واقف ہے ۝

ع ۲۴

اٰیاتہا (۱۲۰) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتہا (۱۶)

(۵) سُورۃ مائدہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

(شروع) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ

۱۔ مومنو! اپنے وعدوں کو پُورا کروف[1] مویشی چارپائے تمہیں حلال ہوئے۔ مگر وہ، جو تم کو بتائے جائیں گے۔ مگر احرام کی

سُوْرَۃ مائدہ

مدینہ میں نازل ہوئی۔ بہت سے عظیم المرتبت مسائل پر حاوی ہے۔ مائدہ کے معنی خوانِ نعمت کے ہیں۔ بنی اسرائیل نے کہا تھا۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً۔ اس لیے سُورۃ کا نام ہی مائدہ ہوا۔ یعنی یہ سُورۃ اہل کتاب کی دُنیوی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح ان لوگوں نے ہمیشہ دنیا کو دین پر ترجیح دی۔ ہے اور کیونکر ان کی تمام تگ ودو کام و دہن کی توا منع تک محدود رہی ہے۔

ایفائے عقد

ف قرآن حکیم نے دائماً ایمان و عمل کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۔ یعنی کاملاً معتقدات و اعمال کے لحاظ سے اسلام قبول کیا جائے اس آیت میں اسی حقیقت قیّمہ کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

عقد کے معنی کسی مضبوط ذمہ داری کے ہیں جو انسانیت اخلاق عامہ اور خدا کی جانب سے عائد ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ہر فریضہ و وظیفہ کو ادا کیا جائے۔

بات ایک ہے۔ پیرایہ ہائے بیان مختلف ہیں۔ کبھی فرمایا۔ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ اور کبھی کہا جاتا ہے۔ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ یعنی مختلف طریقوں اور راہوں سے بتانا یہ مقصود ہے کہ دنیا و مذہبی ضرورتوں اور ذمہ داریوں کو محسوس کرو۔ یہی احساس ذمہ داری اللہ کا عہد ہے اور یمین۔ اور اسی کا دوسرا نام امانت ہے۔ کیونکہ جذبۂ اطاعت و انقیاد در اصل اللہ کی گرانقدر ودیعت ہے جو حضرت انسان کو بطور امانت عطا کی گئی ہے۔

حَلِّ لُغات

عُقُوْدٌ۔ جمع عقد۔ گانٹھ۔
بَهِيْمَةٌ۔ حیوانِ لایعقل۔ ابہام و استبہام اسی سے ماخوذ ہے۔
اَنْعَامٌ۔ جمع نَعَمٌ۔ بمعنی چارپائے۔ جیسے اُونٹ گائے وغیرہ۔ یا وہ جانور جو عام طور پر بطور نعمت کے خیال کئے جاتے ہیں اور پالے جاتے ہیں۔

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ○

حالت میں شکار حلال نہ جانو۔ اللہ جو چاہے حکم دے۔ ف۱ ○

۲ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى

۲ - مومنو! اللہ کی نشانیوں اور ادب والے مہینہ اور قربانی کے جانور اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کی اور عزت والے گھر (یعنی کعبہ شریف) کی طرف آنے والوں کی بے حرمتی نہ کرو کہ وہ اپنے ربّ کے فضل اور خوشی کی تلاش میں ہیں ف۲ اور جب تم احرام سے نکلو تو شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی بہ سبب اس کے کہ انہوں نے تمہیں ادب والی مسجد سے روکا، تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرو اور نیکی اور پرہیزگاری میں

ف۱ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تمام چارپائے باستثناء محرمات حلال و طیب ہیں۔ ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فلسفۂ تحلیل و تحریم کی بحث مفصل گزر چکی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو اوراق گزشتہ۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ میں اضافت بیانیہ ہے۔ جیسے خاتم فضة۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جو جنین ہیں اور عندالذبح مادہ کے پیٹ سے برآمد ہوتے ہیں۔

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اس صورت کو بھی کہ آپ احرام باندھے ہوئے ہوں اور اس صورت کو بھی کہ آپ حدودِ حرم میں ہوں۔

ف۲ اس آیت میں شعائر اللہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ یعنی ارضِ حرم میں ہر نوع کی تکلیف و مزار ممنوع ہے۔ اس لئے اگر شکار کی ضرورت محسوس ہو تو اُس وقت جائز ہے جب فرائضِ حج سے فارغ ہو جاؤ۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا سے مراد حجاج بیت اللہ ہیں۔ کیونکہ ان کے مقاصد میں اتنا درجے کی وسعت ہوتی ہے۔ وہ جہاں خدا کی رضا و محبت حاصل کرنے کے لئے ارضِ بابرکت کا سفر اختیار کرتے ہیں، وہاں مال و دولت کا حصول بھی ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔

کسب و تجارت کو فضل سے تعبیر کرنا زبردست ترغیب ہے کہ مسلمان اس کو حاصل کرنے میں ازحد کوشاں رہیں۔ حتیٰ کہ عین اس زمانے میں جب وہ مناسکِ حج ادا کر رہے ہوں، تجارت و تموّل کے اسباب پر غور کریں۔

حلِّ لغات

شَنَاٰنُ ۔ دلی بغض۔

الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

باہم ایک دُوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○

۳۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ

۳۔ مُردار اور لہو اور سُور کا گوشت اور جس پر بوقتِ ذبح اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جاوے، تم پر حرام ہُوا، اور گلا گھونٹا اور چوٹ سے مارا ہُوا، اور اُوپر سے گر کے مرا ہُوا، اور سینگوں سے مارا ہُوا، اور درندوں کا کھایا ہُوا تم پر حرام ہے مگر جسے تم ذبح کر لو، اور تھانوں پر جو ذبح ہو حرام ہے اور فال کے تیروں سے قسمت آزمائی کرنا بھی حرام ہے۔ یہ گناہ ہے۔ آج کفار (مکہ) تمہارے

انتہائی نصفت شعاری

ف مسلمان جب تک مکے میں رہے، بیت اللہ کے تمام تر اختیارات مشرکین مکہ کے ہاتھ میں رہے اور وہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ خدا کے فرمانبردار بندے اس کے اس مقام جلیل میں اکٹھا ہو کر اس کا نام بلند کریں۔ ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو ایک دفعہ ایک دفعہ مقام حدیبیہ پر روک دیا گیا اور اجازت نہ دی گئی کہ وہ مناسکِ حج کو پوری آزادی سے ادا کر سکیں۔ مگر جب مکہ دس ہزار قدوسیوں کے ہاتھ فتح ہو چکا اور مسلمان پوری آزادی سے حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے تو اُنہیں تلقین کی گئی کہ تم ان کو گزشتہ عداوتوں اور دشمنیوں کے سبب زیارت و عبادت سے نہ روکنا۔ کیونکہ تمہارا مشن نصفت شعاری اور عدل گستری ہے۔

ف۲ ان آیات میں حرام اشیاء کا تذکرہ ہے۔ تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

خون اس لئے حرام ہے کہ ذوقِ سلیم اسے گوارا نہیں کرتا۔ نیز وحشت و بربریت پیدا کرتا اور مضرِ صحت بھی ہے۔ سؤر مدار و مہیج اور بد اخلاقی کا موجب ہے۔ نیز اس سے ایک مرض تشحم پیدا ہوتا ہے جس سے عام طور پر فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ؕ سے نظامِ شرک کی تائید ہوتی ہے۔ مُنخنقہ اور موقوذہ وغیرہ میں خون اچھی طرح سے نہیں بہتا۔ شرک کے تھان اور جوئے کے تیروں سے متعلقہ گوشت چونکہ قمار بازی اور شرک کی تائید ہے اس لئے ممنوع ہے۔

غرضیکہ تمام حرام چیزیں صرف تعبدی طور پر ہی حرام نہیں، بلکہ خاص خاص وجوہ کی بنا پر حرام ہیں۔

حلِّ لُغات

اَلْمُنْخَنِقَةُ۔ مادہ خنق۔ گلا گھونٹنا۔
اَلْمَوْقُوْذَةُ۔ مادہ وقذ۔ چوٹ و ضرب۔
اَلْمُتَرَدِّيَةُ۔ مادہ تردی۔ معنے گرنا۔
اَلنُّصُبِ۔ جمع نصبۃ۔ تھان۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

دین سے نااُمید ہو گئے۔ سو تم اُن سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو۔ آج مَیں تمہارا دین تمہیں پُورا دے چکا اور مَیں نے اپنی نعمت تم پر پُوری کر دی اور مَیں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا پس جو کوئی بھوک میں ناچار ہو اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو اور گزشتہ حرام چیزوں میں سے کھالے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے[ف۱]○

۴ - يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪

۴ - تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ اُن کو کیا حلال ہے؟ تُو کہہ تم کو صاف ستھری چیزیں[ف۲] حلال ہیں اور وہ شکاری جانور جن کو تم سدھاؤ اور شکار کرنے کے لئے تم ان کو وہ سکھاؤ جو خُدا نے تمہیں سکھایا ہے۔ پس جو کچھ وہ تمہارے لئے پکڑیں، اُس میں سے

تین خوشخبریاں!

ف۱ اِس آیت میں تین شاندار بشارتیں ہیں۔ ــــ تکمیلِ دین کی بشارت۔ اتمامِ نعمت کی بشارت اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رضائے الٰہی کے حصُول کی بشارت۔

یعنی اسلام بہمہ وجُوہ کامل ہے۔ نبوّت وحی کی نعمتیں بشکلِ اتم تمہیں حاصل ہیں اور خُدا خوش ہے کہ تم مسلمان ہو۔

اِس آیت کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ جب تک اسلام موجُود ہے، کتاب وسُنّت کے اوراق ہمارے لئے رہنما ہیں۔ ہمیں رضائے الٰہی کے حصُول کے لئے کسی جدید نبوّت وتشریح کی ضرورت نہیں۔

شکار

ف۲ مقصد یہ ہے کہ ہر پاکیزہ چیز جو ذوقِ سلیم پر گراں نہ گزرے اور اخلاقی و بدنی مضرتوں سے خالی ہو، حلال ہے۔ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ کہہ کر شکار کی فضیلت بیان کی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ سے مراد یہ ہے کہ شکار بلا ضرورت مستحسن نہیں۔ کیونکہ اس سے قساوتِ قلبی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ یُوں حاجت وضرورت کے مطابق بہترین ورزش ہے جس سے حوصلہ وجرأت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ صحابہؓ میں متعدد لوگ شکار سے ذوق رکھتے تھے۔ عدی بن حاتمؓ کو جو ایک مشہور شکاری ہیں، حضورؐ فرماتے ہیں:-

"جب کُتّے کو شکار کے لئے دوڑاؤ تو بسم اللہ کہہ لو۔ اگر وہ صحیح سلامت تم تک شکار لے آئے تو ذبح کر لو۔ اگر مجرُوح ہو تو دیکھ لو کہ راستے میں اُس نے اس میں سے کچھ کھایا تو نہیں۔ اگر کھا چکا ہو تو پھر تم نہ کھاؤ اور اگر نہ کھایا ہو تو وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ بلا خرخشہ کھاؤ۔"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورتاً کُتّوں کو رکھنا جائز ہے۔

حلِّ لُغات
مَخْمَصَةٌ - بھوک۔
اَلْجَوَارِح - ہر شکاری جانور۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

کھاؤ اور اُس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۝

۵ - اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ؗ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

۵ - آج سب سُتھری چیزیں تمہیں حلال کی گئیں اور اہلِ کتاب کا کھانا بھی تمہیں حلال ہے۔ اور تمہارا کھانا اُن کو حلال[ف] ہے اور مُسلمان پاک دامن عورتیں اور اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتیں بھی تمہیں حلال ہیں۔ جب کہ تم اُن کے مَہر اُن کو دے دو اور (یہ) کہ تم اُن کو قیدِ نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ مستی نکالنے والے اور نہ پوشیدہ آشنائی کرنے والے۔ اور جو کوئی ایمان کا

ف طعام سے مُراد ذبیحہ ہے۔ کیونکہ عام کھانا اگر پاکیزہ برتنوں میں پکایا جائے تو بہر حال حلال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں اور تم میں تبائن نہ رہنا چاہئے اور حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے کہ تم اور وہ لوگ جن میں اکثر باتیں مشترک ہیں مل جُل کر رہو۔ تاکہ باہمی موانست سے وہ اسلام کی برکات سے واقف ہوں اور اختلاف قطعی ختم ہو جائے۔

اہلِ کتاب کی عورتوں سے ازدواجی تعلقات رکھنا بھی دُرست ہے۔ کیونکہ بہت سی باتوں میں اصولاً وہ ہمارے ساتھ ہیں اور اکثر روایات و تہذیب میں کوئی وجہ اختلاف نہیں۔ حشر و نشر کو وہ مانتے ہیں۔ فرشتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ انبیاء اُن کے اور ہمارے قریباً مشترک ہیں۔ توحید کے بھی قائل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی کتابوں میں بھی سوائے ایک ذات کی پرستش کے کسی کا ذکر نہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو اتحادِ خیال کو پیدا کرتی ہیں اور جن کی وجہ سے ازدواجی تعلقات میں عملاً کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔

اسلام کی غرض و غایت یہ ہے کہ مُسلمان ہر ممکن طریق سے کفر کو اپنے قریب لانے کی کوشش کرے اور دنیا کو بتائے کہ وہ اختلافاتِ دین کو محض اختلافاتِ رائے کا درجہ دیتا ہے اور اس کے نزدیک عقیدہ کا اختلاف بغض و عناد کا ہرگز باعث نہیں۔

حلِّ لُغات

اَلْمُحْصَنٰتُ ۔ پاک دامن عورتیں۔

بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ ع

منکر ہوا۔ اُس کے اعمال برباد ہوگئے اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہے۝

۶۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

۶۔ مُسلمانو! جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اپنے مُنہ اور ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں[ا] تک (دھولیا کرو) اور اگر ناپاک ہو تو غسل کرلیا کرو اور جو بیمار ہو یا مسافر یا کوئی تم میں سے پاخانہ سے آئے یا تم نے عورتوں کو چھُوا اور پانی نہ ملے

ٹخنوں تک

ا وضو کی تفصیلات اس لئے بیان کی ہیں کہ سابقہ مذاہب میں عبادت کے لئے یہ طریق نظافت مذکور نہیں۔ وضو سے جس طرح رُوح میں بالیدگی اور ایک خاص نوع کی رُوحانی مسرت محسوس ہوتی ہے، یہ مقتضی تھی کہ اسے شرطِ عبادت قرار دیا جائے۔

پانچ وقت وضو کے معنی یہ ہیں کہ مُسلمان حد سے زیادہ پاک اور ستھرا رہنے پر مجبور ہے۔

اعضاء ظاہر کے ہر وقت پاک رہنے سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جراثیم اثر نہیں کرتے۔

شرطِ عبادت اس لئے قرار دیا، تاکہ طبیعت میں ایک خاص قسم کی آمادگی پیدا ہو جائے اور مسلمان ظاہر و باطن کے ساتھ خدا کے سامنے جھک جائے۔

وضو کے مسائل میں اہم اختلاف یہ ہے کہ پاؤں دھوئے جائیں یا اُن پر مسح جائے۔

اصحابِ امامیہ مسح کے قائل ہیں اور جمہور علماء غسل کے۔ بات یہ ہے کہ اَرْجُلَكُمْ کا لفظ محلِ نزاع ہے۔ حضراتِ تشیع اسے وَامْسَحُوْا کے ماتحت خیال کرتے ہیں اور جمہور علماء فَاغْسِلُوْا کے۔ دونوں کے دلائل کتبِ تفسیر میں مذکور ہیں اور دونوں محلِ نظر و بحث۔

قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان اہل السُنّت کی تائید میں ہے۔ کیونکہ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ٹخنوں کی تقلید مسح کی صُورت میں بالکل مُہمل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں الی القفاء وغیرہ کی کوئی قید مذکور نہیں۔ کیونکہ مسح میں صحیح صحیح تعین اکثر دشوار ہوتی ہے۔

البتہ یہ محلِ غور ہے کہ اَرْجُلَكُمْ کو خواہ مخواہ کیوں وَامْسَحُوْا کے سیاق میں ذکر کیا۔

غالباً اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ عبادت کی موسیقی قائم رہے اور قرآنِ حکیم کے مخصوص ترنم میں فرق نہ آئے۔

اور یا یہ کہ پاؤں دھونے میں زیادہ اہتمام نہ کیا جائے اور پاؤں کا غسل بمنزلہ مسح کے ہو۔ عام طور پر عادت یہ ہے کہ لوگ پاؤں دھونے میں زیادہ اسراف سے کام لیتے ہیں۔

حلِّ لُغات

اَلْمَرَافِق۔ کہنیاں۔
جُنُبٌ۔ ناپاک۔ جُنبی۔
اَلْغَآئِط۔ جائے ضرور۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

تو پاک مٹی[۱] سے تیمّم کر لو۔ اُس مٹی میں سے اپنے مُنہ اور ہاتھ مَل لیا کرو۔ خدا تم پر مشکل رکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ اور تم پر اپنا احسان پُورا کرنا چاہتا ہے۔ شائد تم شُکر گزار ہو جاؤ ○

۷۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

۷۔ اور خُدا کا اِحسان جو تم پر ہے اور اُس کا وہ وعدہ جو اُس نے تم سے لیا ہے، یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سُنا اور مانا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ دلوں کی بات جانتا ہے ○

۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

۸۔ مومنو! اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو کھڑے ہو جایا کرو۔ اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس امر پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہی بات تقویٰ کے قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ خدا تمہارے کاموں سے خبردار ہے[۲] ○

ف ۱

تیمّم کا ذکر ہے اور اس بات کا کہ اسلام میں تکلّف و تحرّج قطعاً موجود نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو اوراقِ گزشتہ۔

ف ۲

ان آیات میں احسانِ نعمت کے بعد مُسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے بنے رہیں اور یہ کہ کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں۔

حلِّ لُغات:۔ شَنَاٰنُ۔ بغض و عداوت۔

۹۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

۱۰۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○

۱۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

۹۔ ایمان دار اور نیک اعمال لوگوں کو خدا نے وعدہ دیا ہے کہ اُن کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے ○

۱۰۔ اور جو کافر ہیں اور اُنھوں نے ہماری آیتیں جُھٹلائیں، وہی دوزخی ہیں[ف] ○

۱۱۔ مومنو! خدا کا احسان جو تم پر ہُوا یاد کرو جب کہ قوم (قریش) نے تمہاری طرف دست درازی کا فیصلہ کیا۔ پھر اُس نے اُن کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ ا

ف

ان آیات میں کفر و ایمان کے مآل کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مومن "اجرِ عظیم" اور مغفرت وبخشش کا مستحق ہے اور کافر و مُنکر دوزخ وجہنّم کا۔ اس لئے کہ دُنیا میں مومن نے اپنے اعمال سے اور ایمان مستحکم سے ہمیشہ حصولِ جنّت کی کوشش کی ہے اور کافر تکذیب و انکار کی وجہ سے آتشکدۂ جحیم کے قریب ہوتا گیا ہے۔ پس یہ ضرور تھا کہ آخرت میں یہ تفاوتِ راہ بیّن اور متمائز ہو۔

بات یہ ہے کہ ایمان وعمل صالح مردِ مومن میں ایک زبردست قوّتِ حیات پیدا کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اُس کی اُخروی زندگی کامیابی وکامرانی سے گزرتی ہے اور کفر و انکار چونکہ نام ہے فقدانِ عیش کے اسباب موجبہ کا، اس لئے لازمًا دوزخ وجہنّم کی زندگی ہی کافر کے لئے سزاوار ہے۔

حلِّ لغات

يَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ۔ بسط الله يده کے معنی درازدستی کے ہیں۔

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۟ع

١١- وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ

مومنین کو خدا ہی پر بھروسہ[ف۱] چاہئے ○

۱۲- اللہ بنی اسرائیل سے عہد[ف۲] لے چکا ہے اور ہم نے اُن میں بارہ سردار اُٹھائے اور اللہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہُوں، اگر تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسُولوں کو مانو اور اُن کی مدد کرو اور خدا کو قرضِ حسنہ دو تو میں تم سے تمہاری بدیاں دُور کر دُوں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرُوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پھر اس کے بعد جو کوئی تم میں کافر ہو گا، وہ بے شک سیدھی راہ سے

توکّل کی حیران کُن قوّتِ تاثیر

ف۱ مُسلمان جب تک مُسلمان رہیں اور خُدا پر زبردست اعتماد ... رکھیں، غیب سے اُن کی اعانت کی جاتی ہے اور قدرت اپنے ... ے انتظام کے ساتھ اُن کی مدد پر کمربستہ ہو جاتی ہے۔

کفار نے ہمیشہ کوشش کی کہ اسلام کے چراغِ ہدایت کو بُجھا ... ئے۔ مگر اللہ نے اس کی روشنی کو اور زیادہ پُر انوار بنا دیا۔

بنی نضیر کے یہودیوں نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ... پؐ کے صحابہؓ کو فریب سے مار ڈالنا چاہا۔ مگر آپ پیغمبرانہ فراست ... عاملہ کی اصلیت کو پا گئے اور بچ گئے۔

مقامِ عسفان میں ایک دفعہ آپؐ وظیفۂ نماز میں مشغول تھے کہ اہلِ شرک ... ر بدلے مگر اس وقت بھی تدبیرِ الٰہی نے اُن کو ناکام رکھا۔

غزوۂ ذات الرّقاع سے واپسی کے وقت آپؐ ایک درخت ... یچے سُستانے کے لئے بیٹھے تھے کہ جھپکی آگئی۔ غورث بن حارث ... ں تھا۔ اُٹھا اور آپؐ کی تلوار ہاتھ میں لے لی۔ کہنے لگا۔ کہئے ... اس وقت کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا "اللہ!" ___ ... زبردست ایمان و توکّل کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ کیونکہ ایسے اضطراب کے وقت ضبطِ نفس کی اس سے بہتر مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔

غرضیکہ ایمان و توکّل کی قوّتیں بے پناہ ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایمان و توکّل جمُود و بے عملی کا خاکہ نہ ہو۔ بلکہ نام ہو زندگی اور حیاتِ دائمی کا۔

ف۲ اس آیت میں اسی حقیقت کا اعادہ ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام گروہوں سے نصرت و اعانت کا وعدہ تھا۔ بشرطیکہ وہ دینِ قیّم کی اطاعت اختیار کریں اور ایمان و عمل کی سیدھی راہ سے بھٹک نہ جائیں۔

حلِ لُغات

نَقِيْب ۔ صاحب اسرار ۔ سردار ۔ قوم میں ذمّہ دار آدمی ۔

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ۔ مادہ تعزیر ۔ تائید کرنا ۔ اور قوّت بازو رہنا ۔

السَّبِيْلِ ۝

۱۳۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

۱۴۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

بھول گیا ۝

۱۳۔ سو اُن کی عہد شکنی کے سبب ہم نے [illegible]
لعنت کی اور اُن کے دل سیاہ کر دیئے کہ [illegible]
کو اُن کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور [illegible]
اُن کو ملی تھی، اُس کا ایک حصّہ بھول [illegible]
تُو ہمیشہ اُن کی ایک خیانت سے خبر پا [illegible]
مگر تھوڑے اُن میں ایسے نہیں۔ سو اُن [illegible]
کر اور اُنہیں مُعاف رکھ۔ بے شک خُ [illegible]
کرنے والوں کو چاہتا ہے ۝

۱۴۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہم نصارٰے ہیں۔ اُن [illegible]
ہم نے عہد لیا تھا۔ سو وہ بھی اُس نصیحت کا [illegible]
ملی تھی، ایک حصّہ بھول گئے۔ سو ہم نے اُن [illegible]

ف۱ یہودیوں کے مسلسل تمرد و طغیان کی وجہ سے دلوں میں بے حسی اور مداہنت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ جنہیں قرآن وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ اُن کے احبار و علماء نے بے دریغ تورات و صُحفِ انبیاء کو بدلنا شروع کیا اور کوشش کی کہ احکام و نواہی کو حسبِ اغراض ڈھال لیا جائے۔ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ کے معنی یہ ہیں کہ عہدِ نبوی میں ایسے لوگ موجود تھے جو دیانت داری کے ساتھ تورات میں خیانت کا ارتکاب کرتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح دین کی عظیم خدمت بجا لا رہے ہیں۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ سے مُراد یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چُونکہ پیکرِ عفو و رحم ہیں، اس لئے باوجُود اُن کی غدّاریوں اور افترا پردازیوں کے ہمیشہ اغماض و چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔

تحریفِ بائیبل کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ معنوی ہے یا لفظی۔ بعض معنوی کے قائل ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک انتہائی بدعملی کے باوجُود بھی کتابیں نہیں بدلی جا سکتیں۔ البتّہ یہ ہو سکتا ہے کہ تاویلاتِ فاسدہ سے کتاب کی اصل رُوح کو تبدیل کر دیا جائے۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ معنوی تبدیلیوں کے ساتھ سا[illegible] تبدیلیاں بھی موجُودہ تورات میں موجُود ہیں اور اس کے کئی ا[illegible] ہیں :۔

(۱) بائیبل کی زبان کا زندہ نہ رہنا۔
(۲) یہُود کی تباہیاں۔
(۳) بُخت نصر کا تمام صُحفِ انبیاء کو سپُردِ آتش کر دی[illegible]
(۴) ہمہ گیر جہالت۔

اور ان سب اسباب کو قرآن حکیم کے جامع الفاظ میں ق[illegible] سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب تک دلوں میں مذہبی حس[illegible] ہے، کتاب سینوں میں محفُوظ رہتی ہے۔ اس کی زبان زن[illegible] ہے اور کوئی عنصر اسے تباہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

حلِ لُغات

خَآئِنَةٍ۔ خیانت یا خائن گروہ۔

الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

فرقوں کے درمیان روزِ قیامت تک دشمنی اور کینہ لگا دیا ہے اور عنقریب[1] خدا انہیں اُس سے آگاہ کرے گا جو وہ کیا کرتے تھے ۝

۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝

۱۵ - اے اہلِ کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے کتاب کی بہت سی باتیں جو تم چھپاتے تھے، تم پر کھولتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ خدا سے تمہارے پاس روشنی اور کھلی کتاب آئی ہے (یعنی قرآن) ۝

۔ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

۱۶ - اس کتاب سے خدا اُسے جو اُس کی مرضی کے تابع ہے، سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے اور اپنے حکم سے انہیں تاریکیوں سے روشنی میں لاتا ہے اور انہیں راہِ راست دکھلاتا ہے[2] ۝

اغراءِ عداوت

ف[1] عیسائی بھی یہودیوں کی طرح اصل پیغام کو چھوڑ بیٹھے اور لاطائل بُت پرستانہ مسائل میں اُلجھ گئے اور مذہب یہ قرار دیا کہ یہودیوں کی مخالفت کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی بھی عیسائیوں کے خلاف دل میں کینہ اور بُغض رکھنے لگے ــــ قرآن کریم نے اسی آویزش کا نام اغراءِ عداوت وبُغض رکھا ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ سے مُراد یہ نہیں کہ یہ دونوں قیامت تک باقی بھی رہیں گے۔ بلکہ مُدتِ مدید سے کنایہ ہے۔ کیونکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے ماتحت ایک وقت آئے گا جب کہ اسلام کی عالم افروز روشنی ساری دنیا کو جگمگا دے گی۔

روشنی کا لیمپ

ف[2] اس آیت میں بتایا ہے کہ قرآن روشنی کا لیمپ ہے جو جہل وتعصب کی تاریکیوں سے نکالتا ہے اور علم ورواداری کی پُر نور وادیوں میں جگہ دیتا ہے۔ یہی وہ روشنی ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے اور یہی وہ پیغام ہے جس کی لمعانی سے دل کے تمام اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔

حلِ لُغات

اَلْبَغْضَآءَ ۔ دشمنی۔
سُبُلَ ۔ جمع سَبِيْل ۔ راہ۔

۱۷- لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

۱۷- بے شک وہ کافر ہیں جو مسیح ابن مریم کو ا... کہتے ہیں۔ تو کہہ اگر اللہ مسیح ابن مریم اور ا... کی ماں کو اور اُن سب کو جو زمین میں ہیں ہ... کرنا چاہے تو اُس کے سامنے کون کچھ اختیار... سکتا ہے؟ اور آسمان اور زمین اور اُن ... درمیان جو کچھ بھی ہے سب کا بادشاہ خدا ... ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور ا... ہر شے پر قادر ہے[۱] ○

۱۸- وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

۱۸- اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ... اور اُس کے پیارے[۲] ہیں۔ تو کہہ پھر وہ تمہار... گناہوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں کرتا ...

---

[۱] مقصد یہ ہے کہ مسیح ابن مریم کو اقنوم اور خدا ماننا نرا وہم اور کفر ہے۔ کوئی سمجھ دار انسان اس عقیدے کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا ساری دُنیا کا مالک ہے۔ چاہے تو چشم زدن میں مسیح اور مسیح کے ماننے والے تمام لوگوں کو تباہ کر دے۔ اس کی شانِ جلالی کے سامنے کون ہے جو لب کشائی کر سکے۔ کیا اس کے بنائے ہوئے قانون ہمہ گیر نہیں؟ کیا یہ درست نہیں کہ مسیح بھی باوجود دعوائے پیغمبری و مصطفائی کے اس کے بنائے ہوئے تمام قاعدوں کا پابند ہے۔ جو مسیح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، کھاتا اور پیتا ہے اور سارے حوائج بشری سے متصف ہے اور جو ہمہ احتیاج ہے۔ وہ بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے؟ اُسے رب اور اقنوم اوّل کیونکر کہا جائے۔

بات یہ ہے کہ عقیدت و نیازمندی میں غلو کی وجہ سے لوگوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا شریک و سہیم قرار دیا، ورنہ وہ خود ہمیشہ "عبودیت" اور "غلامی" پر ہی نازاں رہے۔

دوسری صدی مسیحی تک لوگ توحید کے قائل رہے۔ تیسری صدی مسیحی میں جب قسطنطین اعظم بعض سیاسی مصالح کی بنا پر عیسائی ہو گیا تو رُومی علم الاصنام کے شیوع کے باعث عیسائی لٹریچر میں تثلیث و اقانیم کی بحثیں آنے لگیں اور پھر آہستہ آہستہ تثلیث کو مذہبی عقیدہ قرار دے دیا گیا۔

[۲] ان آیات میں یہود و نصاریٰ کے پندار مذہبی کا ذکر ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے نہایت مُقرب خیال کرتے۔ اور اس وجہ سے اسلام کی برکات سے متمتع اندوز ہونے سے قاصر رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تم ہرگز کوئی امتیازی شان نہیں رکھتے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا جہان کی ذلتیں تمہارے شاملِ حال ہیں۔ خدا کا تقرب علو عظمت کا مترادف ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے ہاں معزز ہو اور پھر دُنیا میں اُس کے لئے کوئی نعمت نہ ہو اور وہ حقارت و غلامی کی زندگی بسر کرے۔

حلِ لغت

اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ۔ خدا کے بیٹے۔
اَحِبَّآؤُهٗ۔ اُس کے دوست۔

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

نہیں تم انسان ہو اُس کی خلقت میں سے۔ وُہ جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے عذاب کرتا ہے اور آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان اللہ ہی کی سلطنت ہے اور اسی کی طرف جانا ہے ۝

۱۹۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ع

۱۹۔ اے اہلِ کتاب! ہمارا رسُول (محمدؐ) بیان کو تمہاری طرف اُس وقت آیا ہے جبکہ رسُول آنے موقوف ہو گئے تھے۔ تاکہ تم (یہ) نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سُنانے والا نہیں آیا۔ پس تمہارے پاس خُوشی اور ڈر سُنانے والا آ گیا اور اللہ ہر شے پر قادر ہے [ا] ۝

۲۰۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ

۲۰۔ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم تم خُدا کی وہ نعمت جو تم پر ہے، یاد کرو۔ اُس نے تم میں نبی [۲] پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور

[ا] فترۃ کے معنی السکون بعد الحدۃ کے ہیں۔ یعنی مسیح علیہ السلام تک دما دم رسُول آتے رہے اور تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک۔ پھر کسی کو خلعتِ بعثت سے نہیں نوازا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ عالمِ انسانیت پر پوری تاریکی چھا جائے اور لوگ بے چینی اور اضطراب کے ساتھ اس آفتابِ نبوت کا انتظار کریں جو ایک دم آ کر کفر و جہل کی تاریکیوں کو روشنی و نور سے بدل دے۔

نبوّت اور بادشاہت

[۲] یہ واقعہ اس لئے بیان کیا ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سے بُزدل اور دُون ہمت ہیں۔ ان کی طرف سے اگر گرمجوشی کا اظہار نہیں ہؤا تو مضائقہ نہیں۔ آپ بدستور دعوت و تبلیغ کے فرائض ادا کئے جائیں۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ نبوّت و بادشاہت اللہ کے دو زبردست انعام ہیں جن سے بنی اسرائیل کو افتخار بخشا گیا۔ مگر یہ ہیں کہ پستی اور ذلّت پر قانع ہیں۔ حرکت و اقدام کی صلاحیتیں قطعاً مفقود ہیں اور نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض و برکات سے استفادہ کریں۔

نبوّت کا مقصد در اصل دُنیا میں صحیح اور عادلانہ بادشاہت کا قیام ہے۔ ایک نبی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ افراد و اشخاص کی تمام مخفی طاقتوں کو رُو بکار لائے اور انہیں اس قابل بنا دے کہ وہ دُنیا میں ٹھاٹھ اور پاکیزگی کی زندگی بسر کر سکیں۔

حلِّ لغات

فَتْرَةٍ۔ انقطاع۔
اَنْۢبِيَآءَ۔ جمع نَبِيٌّ۔

وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○

تمہیں وہ کچھ دیا کہ جہان میں کسی کو نہ دیا تھا ○

۲۱- يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○

۲۱- اے قوم پاک زمین میں جو خدا نے تمہارے لئے رکھ دی ہے داخل ہو جاؤ اور اپنی پیٹھ کی طرف اُلٹے نہ ہٹو کہ (کہیں)[1] تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ ○

۲۲- قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○

۲۲- بولے اے موسیٰ! وہاں زبردست لوگ رہتے ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکلیں، ہم ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے۔ پھر اگر وہاں سے نکلیں تو ہم داخل ہوں[2] گے ○

۲۳- قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

۲۳- جن کو خوف تھا اُن میں سے دو شخصوں نے جن پر خدا نے فضل کیا تھا، کہا کہ تم یکبارگی اُن پر حملہ کر کے (یریحو) کے دروازہ سے گھس جاؤ۔ پھر جب تم دروازہ میں گھسو گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور اگر مومن ہو تو خدا پر بھروسہ رکھو[3] ○

ف۱ اِس آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو دعوتِ جہاد دی۔ اور فرمایا کہ اگر خزاں و ناکامی سے بچنا چاہتے ہو تو مقامِ رایما میں بے دریغ داخل ہو جاؤ۔ مقصود یہ تھا کہ قوم میں بادشاہت و ملوکیت کے جذبات پیدا ہوں اور وہ حاکمانہ زندگی بسر کرنا سیکھیں۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ سے مُراد فرضیتِ جہاد ہے، وعدہ نہیں۔

ف۲ بنی اسرائیل چونکہ کئی سال تک غلام رہے تھے۔ اس لئے تابِ مقاومت جاتی رہی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رایما کے رہنے والے ہم سے زیادہ زور آور اور قوی ہیں تو لڑنے سے انکار کر دیا۔ بات یہ ہے کہ غلامی کے اثرات دیر تک قوموں اور نسلوں کو متالم بنائے رکھتے ہیں اور عرصہ تک احساسِ آزادی بیدار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود موسیٰ علیہ السلام کی ترغیب و ترتیب کے ان میں جرأتِ اقدام پیدا نہیں ہوئی۔

ف۳ یُوشع بن نون اور کالب بن یُوحنا صرف یہ دو آدمی تھے جو مجاہدانہ ولولوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں آگودے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا سے مراد یہ ہے کہ خدا پر پُورا بھروسہ اور اعتماد مترادف ہے جذبۂ جہاد کے۔ وہ لوگ جو کفر کے خلاف توکلاً علی اللہ صف آرا ہو جاتے ہیں، وہی لوگ غلبہ و نصرت سے دوچار ہوتے ہیں اور وہ جو قلّت و کثرتِ اسلحہ و سامان کے جھگڑوں میں مصروف رہتے ہیں، اُن کے لئے کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

حلِ لُغات

مُلُوْكٌ۔ جمع ملک بمعنی بادشاہ۔ صاحبِ اختیار۔
جَبَّارِيْنَ۔ جمع جبّار۔ زبردست۔ توانا اور قوی۔
اَلْبَابَ۔ شہر کا دروازہ۔

۲۴- قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝

۲۴- بولے اے موسیٰؑ! ہم اُس میں کبھی ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں ہیں۔ سو تُو اور تیرا خُدا وہاں جاکے لڑو۔ ہم یہاں بیٹھتے ہیں[1] ۝

۲۵- قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝

۲۵- موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے ربّ! مَیں فقط اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا مختار ہُوں۔ سو تُو ہم میں اور اس فاسق قوم میں جُدائی کردے ۝

۲۶- قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ع

۲۶- خُدا نے فرمایا، تو وہ زمین اُن پر چالیس برس تک حرام ہوئی کہ زمین میں سر مارتے پھریں۔ سو تُو فاسق لوگوں پر افسوس نہ کر[2] ۝

۲۷- وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

۲۷- اور (اے محمدؐ) تُو آدمؑ کے دو بیٹوں کا سچّا احوال اپنی قوم کو پڑھ کر سُنا۔ جب وہ دونوں قربانیاں

ف[1] بدبختی اور شقاوت کی یہ انتہائی مثال ہے کہ قوم اِس رُکھائی سے خدا کے پیغمبرؑ کو جواب دیتی ہے۔ اُن کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ خُدا اپنے فرستادوں کو ذلّت و رُسوائی سے کبھی دوچار نہیں ہونے دیتا۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارُون کی دعوت و شمولیت کے معنی یہ تھے کہ بنی اسرائیل قیدِ غلامی سے نکل کر اَوجِ حکومت پر جلوہ آرا ہو جائیں۔ مگر وہ لوگ جو ذلّت و حقارت کی تمام منزلیں طے کر چکے ہوں، کہاں اس درجہ فریس و دانا ہو سکتے ہیں۔
بات یہ ہے کہ غلامی جُرأت و جسارت ہی کو غارت نہیں کرتی، عقل و ہوش کو بھی مٹا دیتی ہے۔

ف[2] آزادی و حکومت کے مواقع سے ایک لمحہ غفلت بعض دفعہ برسوں تک کی مسلسل غلامی پر منتج ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل نے جب جہاد سے اِنکار کیا تو انہیں آبادیوں سے دُور جنگل میں چالیس سال کے لئے حیران و سرگردان چھوڑ دیا گیا۔ تاکہ انکار و تمرّد کی تلخیاں برداشت کریں۔ اور یہ محسوس کریں کہ حکومت و اختیار خدا کی زبردست نعمت ہے اور نیز یہ کہ اس طویل عرصے میں بیکار اور مُردہ صفت لوگ مٹ مٹا جائیں گے اور آئندہ نئی نسل مُجاہد اور جفاکش پیدا ہو۔ گویا چالیس برس کسی قوم کی ٹریننگ اور تربیت کے لئے ہیں جو بالکل مُردہ ہوچکی ہو۔ اس کے بعد اُن سے توقع کی جاسکتی ہے کہ پامردی سے جہاد میں حصّہ لیں گے۔

حلِّ لُغات

یَتِیْهُوْنَ ۔ مادہ تیہ ۔ حیرانی و سرگردانی۔
قُرْبَانٌ ۔ نیاز۔ ہر وہ عبادت جو انسان کو خدا کے قریب کردے۔

مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○

لائے تو اُن میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دُوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ وہ بولا کہ میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا۔ اُس نے کہا کہ اللہ تو فقط ادب والوں ہی کی قربانی قبول کیا کرتا ہے[1] ○

۲۸۔ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○

۲۸۔ اگر تُو اپنا ہاتھ میری طرف مجھے مارنے کو چلائے گا تو میں اپنا ہاتھ تیرے مارنے کو نہ چلاؤں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں[2] ○

۲۹۔ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ ۚ

۲۹۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا گناہ اور میرا گناہ حاصل کر کے لے جائے تاکہ تُو دوزخیوں میں ہو جائے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے ○

۳۰۔ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

۳۰۔ پھر اُس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے مارنے پر راضی کیا۔ تب اُس نے اُس کو قتل کیا اور زیاں کاروں میں ہوگیا ○

پہلا انتقام

[1] حسد و بُغض پُرانا جذبہ ہے۔ قابیل نے جب دیکھا کہ اُس کی قربانی خدا کے حضور میں مقبول نہیں ہوئی تو مارے غصے کے بے تاب ہوگیا۔ کہنے لگا کہ میں تمہیں ضرور قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا۔ اگر چاہتے ہو کہ تمہاری عبادتیں اور نیازیں اللہ کے ہاں قبول ہوں تو اخلاص و تقویٰ پیدا کرو۔

عدمِ تشدّد

[2] ہابیل نے جب دیکھا کہ تیور اچھے نہیں تو پورے تقویٰ و استقلال سے کہا کہ دیکھو۔ میں تم پر ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ تمہیں ظلم و سفاکی کا موقع دُوں۔

بات یہ تھی کہ ہابیل جہاں ایک متقی انسان تھا، وہاں اُس کے دل میں اخوت و برادری کے جذبات بھی موجزن تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ بھائی کے خون سے آلُود ہوں۔

لَاَقْتُلَنَّكَ سے مُراد یہ ہے کہ ہابیل نے مدافعت تو کی مگر نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ایسا عدمِ تشدد جس میں ظلم کے خلاف کوئی مدافعانہ کوشش نہ کی جائے، اسلام میں جائز نہیں۔

حلِّ لُغات

بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ۔ دست درازی کرنا۔ ہاتھ اٹھانا۔

۳۱- فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚ ۝

۳۱- پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا کہ زمین کھود رہا تھا۔ تاکہ اُسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر چھپائے۔ تب وُہ بولا۔ افسوس مَیں اِس کوّے کے برابر بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپاتا۔ پس شرمندہ ہُوا[1] ۝

۳۲- مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

۳۲- اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو کوئی کسی کو بغیر مُعاوضہ یا بغیر مُلکی فساد کے مارے گا تو ایسا ہے گویا اُس نے سارے[2] آدمیوں کو مارا اور جس نے ایک کو جلایا، اُس نے گویا سب کو جلایا۔ اور اُن کے پاس ہمارے رسُول صاف حکم لا چکے ہیں۔ پھر بھی اُن میں اکثر ہیں کہ اس کے بعد بھی زمین میں دستِ درازی کرتے ہیں[3] ۝

مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم — منزل ۲

سُنّتِ تدفین [1] اسلام چونکہ دینِ فطرت اور خالص حق ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی ہر بات عقل کے ترازو میں تُل کر نکلے۔ اصُول سے لے کر فروع تک ہر چیز میں ایک قدرتی نکھار ہو اور کوئی حصّہ مذہب ایسا نہ ہو جسے انسانی دماغ کا کرشمہ واختراع کہا جاسکے۔

مُردوں کے متعلق قدیم سے مختلف زاویہ ہائے نگاہ رہے ہیں۔
قدیم مصری لاشوں کو ممّی کرکے خواب گاہوں میں بحفاظت تام رکھتے تھے۔
ہنُدوؤں کا خیال ہے کہ لاش کو گھی وغیرہ ڈال کر جلا دیا جائے۔

اسلام اس باب میں بالکل سادہ اور فطری طریق اختیار کرتا ہے۔ یعنی تدفین۔ کوّے کا قصہ اس لئے بیان کیا ہے، تاکہ ابنِ آدم کا ذہن فوراً تدفین کی طرف منتقل ہوسکے۔ چنانچہ یہی ہُوا۔

[2] مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ سے یہ مُراد ہے کہ جب ابنِ آدم حسد وبُغض کے جذبات سے متاثر ہو کر اپنے سگے بھائی کو موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے تو عام انسانوں کے لئے اس نوع کے اقدام میں کوئی باک نہ ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں اس کی اہمیت جتا دی جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ انسان کے خُون کی قیمت نہایت گراں اور بیش بہا ہے۔ ایک فرد کو قتل کرنا پوری قوم واُمت کے قتل کے مُترادف ہے اور اسی طرح کسی شخص کو مُہلکات سے بچانا پُوری مِلّت کو بچانا ہے۔

[3] وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا سے یہُودیوں کی مذمّت مقصُود ہے کہ یہ لوگ باوجود انبیاء کی زبان فیض الترجمان سے امن وعافیت کے برکات سُننے کے اور باوجود قتل وسفک کے خلاف تعلیمات سے آگاہ ہونے کے پھر بھی اہلِ حق وصداقت سے اُلجھتے ہیں اور اسراف وظلم کا ارتکاب کرتے ہیں

حلِّ لُغات

يَبْحَثُ۔ مادہ بحث۔ کُریدنا۔ تلاش کرنا + يُوَارِيْ۔ مصدر۔ مواراۃ۔ چُھپانا + سَوْءَةَ۔ امام راغب فرماتے ہیں:-

وکنّی بہ سَوْءَة عن الفرج کما قال بدت لھما سواتھما
لیبدی لھما ماوری عنھما سواتھما۔

اَحْيَا۔ مصدر اَحْيَاء۔ زندہ کرنا اور زندہ رکھنا اور بچانا۔

۳۳- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ○

۳۳- وہ جو اللہ سے اور اُس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کے لئے دَوڑتے ہیں، اُن کی سزا یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سُولی پر چڑھائے جائیں یا جانب مقابل کے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا اُس مُلک سے دُور کر دیئے جائیں۔ یہ اُن کی دُنیاوی رُسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب[ف۱] ہے○

۳۴- اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۧ○

۳۴- مگر جو تمہارے ہاتھ پکڑنے سے پہلے توبہ کریں تو جانو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے[ف۲]○

۳۵- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ○

۳۵- مومنو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ[ف۳] ڈھونڈھو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو۔ شاید تمہارا بھلا ہو○

ف۱ اِس آیت سے پہلے انفرادی قتل و اقدام کی مذمت کی تھی۔ اب یہ بتایا ہے کہ یہی جذبۂ عصیان اگر فساد فی الارض کی صُورت اختیار کرے اور لوگ دین قدیم کی مخالفت کے جوش میں امن و عافیت کے تمام طریقے چھوڑ دیں اور فتنہ و ہلاکت کی آگ لگا دیں تو ضروری ہے کہ امام یا ہیئتِ حاکمہ انہیں سخت سے سخت سزا دے۔ چاہے قتل کر دے۔ چاہے سُولی پر چڑھا دے۔ چاہے ہاتھ پاؤں آڑے ترچھے کاٹ دے۔ اور چاہے مُلک بدر کر دے۔ اُسے اختیار ہے کہ حالات وظروف کے ماتحت اُنہیں موزوں سزا دے۔

ف۲ مقصد یہ ہے کہ مجرم اگر عدالت سے پہلے پہلے گناہ سے تائب ہو جائے تو مواخذہ نہیں۔ یعنی ہر گناہ کے بعد توبہ و انابت کے دروازے کُھلے ہیں۔

وسیلہ کیا ہے ف۳ اس آیت میں دعوتِ اتقاء ہے۔ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ تم تمام کے تمام متقی اور خدا ترس بن جاؤ اور خدا کے ہاں تقرب و تزلف کے تمام وسائل ڈھونڈو اور کوشش کرو کہ تمہیں اس کے حریم قدس تک رسائی ہو جائے اور وہ تمہیں اپنا پیارا اور محبوب بنالے۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ وسائل و ذرائع کیا ہیں جو اس بارگاہ جلال تک ہم گنہ گاروں کو پہنچا دیں، اور جن کے حصُول کے بعد ابدی حیات اور زندگیِ جاوید عطا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ سعی و اقدام جو اعلاءِ حق کے لئے روبراہ آئے اور بالخصوص جہاد فی سبیل اللہ کہ اس کے بعد خدا کی رضا کے دروازے از خود کھل جاتے ہیں۔

حلِّ لغات

مُسْرِفُوْنَ ۔ مصدر اسراف۔ زیادتی کرنا۔ حدُودِ جائزہ سے تجاوز کرنا۔

اَلْوَسِیْلَۃَ ۔ ہر وہ چیز جو تقرب میں آگے بڑھادے۔ یعنی تمام اعمالِ حسنہ

۳۶-اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

۳۶- جو کافر ہیں- اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ بھی ہو' جتنا کچھ زمین میں ہے اور اُس کے ساتھ اُتنا ہی اور ہوتا کہ اس قیامت کے دن عذاب کے بدلے میں دیں تو بھی اُن کی طرف سے قبول نہ ہوگا۔ اور اُن کے لئے دکھ دینے والا عذاب[1] ہے ○

۳۷-یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا ز وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ○

۳۷- وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے اور نکل نہ سکیں گے اور اُن کے لئے عذاب دائمی ہے ○

۳۸-وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○

۳۸- اور چور مرد اور چور عورت، اُن دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو- اُن کے فعل کی سزا اور اللہ کی طرف سے تنبیہ[2] ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○

ف[1] اس آیت میں بتایا ہے کہ کفر وہ بدنصیبی ہے جس کی تلافی ساری کائنات دے کر بھی نہیں ہو سکتی- وہ لوگ جو اس دُنیا میں حقائق سے مُنہ پھیر لیتے ہیں، حشر میں شفقت و رحمت کے چشموں کو سوکھا ہوا پائیں گے اور کوئی کوشش انہیں جہنم کے عذابِ مقیم سے باہر نہ نکال سکے گی۔

قطعِ ید کی حکمت

ف[2] اسلامی قانونِ تعزیرات کا مقصد یہ ہے کہ عام انسانوں کو مضرت و نقصان سے بچایا جائے اور اگر اس سلسلے میں چند افراد کڑی سے کڑی سزا بھی جھیل لیں تو مضائقہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں جرائم کی رفتار تقریباً معدوم ہے اور جو چند ایسی مثالیں ملتی ہیں جن کو اخلاقی لحاظ سے مذموم کہا جا سکتا ہے تو وہاں بھی ندامت و اعتراف کا یہ شان دار مظاہرہ ہے کہ مجرم خود عدالت میں آگیا ہے، تاکہ اُسے موزوں و مناسب سزا دی جائے۔

یہ درست ہے کہ اسلامی سزائیں ذرا سخت ہیں، مگر کیا سختی ہی برکات و سعادات کا موجب نہیں! بات یہ ہے کہ اگر ایک شخص ہاتھ لنُوا کر ناکارہ ہو جاتا ہے تو سیکڑوں انسان اس کی وجہ سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اس لئے یہ کہنا سراسر ناانصافی ہے کہ اسلامی سزائیں ازمنۂ وحشیہ کی یادگار ہیں- کیونکہ وحشت تو وہ ہے جس کی وجہ سے دنیا میں مظالم کی کثرت ہو- نہ وہ نظام جو جرائم کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دے- آج یورپ کو اپنی انسانیت پر ناز ہے- مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہاں تمام دنیا سے زیادہ جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے انسانی عزت و حُرمت کا تقاضا ہے کہ زیادہ ہولناک سزا دی جائے- مگر کیا سوسائٹی کی عزت و حُرمت سے زیادہ بیش قیمت نہیں- یہ یاد رہے کہ سزا دینا کافی نہیں- ساتھ ساتھ تربیت بھی ہونا چاہئے- تزکیہ و تطہیر کو چھوڑ کر صرف تعزیر اکثر مضر پڑتی ہے- یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اخلاق کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور تعزیرات کو مذہب کے ماتحت رکھا ہے- تاکہ لوگوں میں ماحول کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی عادات پیدا ہوں اور وہ گناہوں سے از خود نفرت کرنے لگیں۔

حلِّ لُغات

عَذَابٌ مُّقِیْمٌ- عذاب دائم۔
نَکَالًا- سزا۔

۳۹۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

۴۰۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

۴۱۔ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ

۳۹۔ پھر جس نے اپنے قصور کئے پیچھے توبہ کی اور سنور گیا تو اللہ اُس کو مُعاف کرتا ہے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝

۴۰۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ آسمان اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے ۝

۴۱۔ اے رسُول! تو اُن پر جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں اور مُونہوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں (یعنی منافق) اور اُن کے دل اسلام کو قبول نہیں کرتے، غم نہ کھا اور اُن سے جو (مدینہ کے)

منزل ۲ — الربع الاول

ف۱ بات یہ ہے کہ اسلام چونکہ ایک کامل اور ہمہ گیر دستور العمل کا نام ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس میں اخلاق و رُوحانیت کے پہلو بہ پہلو سیاستِ مُلکی اور تعزیرات کو بھی بہ تفصیل بیان کیا جائے اور چونکہ اس کا انتساب اُس ذاتِ گرامی سے ہے جو پاتال سے لے کر طوبیٰ تک حکمران ہے، اس لئے لازماً اُس میں ہمہ گیری کا رنگ نمایاں نظر آنا چاہئے اور یہی وہ چیز ہے جو اسے دُوسرے مذاہب سے ممتاز و متبائن قرار دیتی ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ میں اسی وُسعت و تفصیل کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی چونکہ خدائے اسلام کی قدرتیں اور اختیارات لامحدُود اور وسیع ہیں، اس لئے وہ دین بھی جو سچا اور حقیقی دین ہے، اسی تناسب سے ہمہ گیر اور وسیع ہونا چاہئے۔

انبیاءؑ کی بے چینی

ف۲ مقصد یہ ہے کہ رسُول چونکہ پیکر ہوتا ہے خلوص اور شفقت کا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ختم الرّسل ہیں۔ یعنی خلوص اور شفقت کی انتہائی اور آخری صُورت، اس لئے ضرور ہے کہ آپؐ کو کفر و نفاق سب سے زیادہ تکلیف دہ محسوس ہو۔

لَا يَحْزُنْكَ میں تلقین یہ ہے کہ آپؐ جس درد سے بے چین ہیں، اس میں تخفیف پیدا کیجئے۔ کیونکہ جب یہی لوگ کفر و نفاق کی وجہ سے دُکھ محسُوس نہیں کرتے تو آپؐ کیوں حُزن و ملال سے کام لیں۔

باوجُود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقتوں کے یہ منافقین کا گروہ ہمیشہ اسلام کی برکات سے محروم رہا اور اُن کے دل آیات و براہین دیکھنے کے باوجُود خُبث و کفر کے حامل رہے۔ اس لئے خدا نے فرمایا کہ جب یہی اصلاح و ایمان کے ذوق سے آشنا نہیں ہونا چاہتے تو آپؐ کیوں ان کے لئے بے قرار ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۷۱ پر)

حلِّ لغات

يُسَارِعُوْنَ۔ مصدر یسارعۃ۔ جلد بازی کرنا۔ لپک کر اور دوڑ کر کسی چیز میں حصّہ لینا۔

هَادُوْا۔ یعنی یہودی۔ یہودا کی طرف منسوب کرنا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ج یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○

یہودی ہیں جھوٹ بولنے کی جاسوسی کرتے ہیں۔ اور دُوسرے لوگوں کے لئے جواب تک تیرے پاس نہیں آئے، جاسُوسی کرتے ہیں۔ باتوں کو اُن کے ٹھکانے سے بے ٹھکانے کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر (محمدؐ) کی طرف سے تمہیں یہ حکم ملے تو قبول کرنا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو ماننے سے بچنا اور خدا نے جس کی گمراہی کا ارادہ کیا تو تُو اُس کے لئے اللہ کے ہاں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ وہ ہیں کہ اللہ اُن کے دل پاک کرنا نہیں چاہتا۔ اُن کے لئے دُنیا میں ذِلّت اور آخرت میں بڑا عذاب ہے ○

۴۲۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْئًا ؕ وَاِنْ

۴۲۔ جھُوٹ کہنے کو بڑے جاسُوس، بڑے حرام خور ہیں۔ سو اگر تیرے پاس آئیں تو اُن میں فیصلہ دے یا اُن سے مُنہ پھیر لے۔ اور اگر تُو اُن سے مُنہ پھیر لے گا تو وہ ہرگز تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۰)

بات یہ ہے کہ نبی اپنے عہدے و منصب کے لحاظ سے مجبُور ہے کہ قوم کے لئے بے پناہ درد اپنے سینے میں پنہاں رکھے۔ وہ دن اور رات ہمہ وقت ملّت کی اصلاح کے لئے بے چین رہتا ہے اور باوجُود سخت تکالیف کے بجز اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اور کچھ نہیں کہتا۔

اس کے بعد یہودیوں کے جرائم گنائے ہیں کہ دیکھو یہ کم بخت کتنے جھُوٹے ہیں اور کس طرح جاسوسی جیسے فعلِ شنیع کا ارتکاب کرتے ہیں اور کیونکر احکامِ الٰہی کو اپنی حسبِ منشا بدل لیتے ہیں۔ اُن سے خُدا نے ہدایت کی توفیق چھین لی ہے۔ اور دنیا اور آخرت میں اُن کے لئے سوائے ذِلّت اور رُسوائی کے اور کوئی چیز مقدر نہیں۔ یہ لوگ جھُوٹے اور حرام خور ہیں۔ ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگ اگر اسلام کی روشنی کو قبول نہ کریں تو مضائقہ نہیں۔ یہ اس درجہ ہدایت و رُشد سے دُور ہو چکے ہیں کہ اب ان کا راہِ راست پر آنا از قبیلِ محالات ہے۔

حلِّ لُغات

فَاحْذَرُوْا۔ مادہ حذرٌ۔ بچو۔ احتراز کرو۔

فِتْنَتَهٗ۔ آزمائش۔ اِبتلاء۔

حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

اور جو تُو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر انصاف سے۔ بے شک اللہ مُنصفوں کو دوست رکھتا ہے○

۴۳۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○

۴۳۔ اور وہ تجھے کیوں مُنصف مقرر کریں گے جب کہ اُن کے پاس تورات ہے۔ اُس میں خُدا کا حکم لکھا ہُوا ہے۔ پھر بعد اس کے وہ اُس سے پھر جاتے ہیں اور وہ مومن نہیں ہیں○

۴۴۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

۴۴۔ ہم نے تورات نازل کی۔ اُس میں ہدایت اور نُور ہے۔ یہُودیوں کو اسی تورات کے موافق نبی جو فرمانبردار تھے حکم دیا کرتے تھے اور اسی کے موافق درویش اور عالم حکم دیتے تھے۔ کیونکہ وہ سب لوگ

قضیۂ تحکیم

ف۱ یہودی پستی اور ذلّت کی اس حد تک پہنچ چکے تھے جہاں احکامِ الٰہی کا وقار باقی نہیں رہتا اور طبیعتیں مداہنت و تحریف کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور جہاں مذہب کا مقصود محض ریاکاری اور فریب رہ جاتا ہے۔ اس لئے جب اُن میں کا کوئی معزز آدمی گناہ کا ارتکاب کرتا تو یہُودی علماء تورات میں تحریفِ معنوی سے کام لیتے اور کہتے۔ اس جُرم کی سزا زیادہ سنگین نہیں اور جب کوئی غریب اور بے کس انسان بتقاضائے بشریت بھُول چُوک سے دوچار ہو جاتا تو اُن کا جذبۂ علم و قضا پُورے جوش میں آ جاتا۔ اور اُسے سنگین سے سنگین سزا دیتے۔ قصہ یہ ہُوا کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور جھگڑے نے طُول کھینچا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک قریظی مارا گیا۔ بنو قریظہ کا مطالبہ یہ تھا کہ اس کے مُعاوضے میں یا تو قتل کی اجازت دی جائے اور یا دیت دلائی جائے۔ بنو نضیر چونکہ ان سے نسبتاً زیادہ معزز تھے اس لئے رعایت کے طالب ہُوئے۔ علماءِ یہُود نے بنی نضیر کا ساتھ دیا اور کہا کہ ہمارا فیصلہ بالکل دُرست ہے۔ شک ہو تو محمدؐ کو حَکَم بنا لو۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تخاطب ہے کہ اگر آپ کے پاس یہ لوگ فیصلہ لائیں تو انہیں ہرگز کسی جانب داری کی توقع نہ رکھنی چاہئے۔ آپ صاف صاف بے لاگ فیصلہ کر دیں۔ مقصود یہ ہے کہ خدا کا نبی تمہاری مداہنتوں اور منافقتوں کا ساتھ نہیں دے گا۔

ف۲ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ میں اظہارِ تعجب ہے۔ یعنی جب تورات میں قتل کی سزا واضح طور پر مرقوم ہے تو پھر یہ کیا سمجھ کر آپ کو حَکَم بنا رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ رعایت کے طالب ہیں۔ ورنہ صحیح فیصلہ پر انہیں اطمینانِ خاطر نہیں۔

حلِّ لغات

بِالْقِسْطِ۔ یعنی بلا رعایت و جانب داری کے۔ شریعت و آئین کے بالکل مطابق۔

يُحَكِّمُوْنَ۔ مصدر تَحْكِيْم۔ حَکَم بنانا۔ منصف بنانا۔

رَبّٰنِيُّوْنَ۔ اللہ والے۔

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

خدا کی کتاب کے نگہبان تھے اور اس پر گواہ ٹھہرائے گئے تھے۔ پس (اے یہودیو) آدمیوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور تھوڑی قیمت (یعنی دُنیا) میری آیتوں کے بدلے نہ لو۔ اور جو کوئی خدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے۔ وہی کافر ہیں[ف۱] ۝

۴۵۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

۴۵۔ اور ہم نے تورات میں اُن کے لئے یُوں لکھا ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر ہے۔ پھر جس نے اُس بدلے کو مُعاف کر دیا تو وہ اُس مجروح یعنی زخمی کے لئے کفّارہ ہو گیا اور جو کوئی خُدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ دے، وہی ظالم ہیں[ف۲] ۝

ف۱ یعنی تورات میں ہدایت و نُور کا کافی سامان ہے۔ تمام گزشتہ انبیاء کا دستور العمل تورات ہی رہی ہے۔ احبار و علماء بھی مکلّف تھے کہ تورات کو یاد رکھیں اور بلا لومۃ لائم اس کے موافق فیصلہ کریں اور دنیوی اغراض کے لئے خدا کے احکام کو بیچ نہ دیں۔

آیت کا یہ مقصد نہیں کہ تورات مسلمانوں کے لئے حُجّت ہے یا اب بھی یہودی تورات ہی کو ماننے کے مکلّف ہیں۔ کیونکہ آفتاب ہدایت کے بعد ستاروں کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے اور دن نکل آنے کے بعد کوئی گھروں میں چراغ نہیں جلاتا۔ غرض صرف یہ ہے کہ مسلّمات میں تحریف بدترین بد دیانتی ہے جس کا یہودی ارتکاب کرتے ہیں۔

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ اُسوۂ رسُول بھی ہے۔ کیونکہ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت قرآن حکیم کی رُو سے لازم و واجب ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

ف۲ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود میں قتل کا قصاص واجب ہے اور اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی تخصیص نہیں اور یہودی اس لحاظ سے سخت مجرم ہیں کہ وہ حدود و تعزیرات میں تحریف سے کام لیتے ہیں۔

حلِ لغات

اَلْاَنْفَ۔ ناک۔

اَلْاُذُنَ۔ کان۔

اَلسِّنَّ۔ دانت۔

اَلْجُرُوْحَ۔ جمع جرح۔ بمعنی زخم۔

۴۶- وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ○

۴۶- اور اُن نبیوں کے پیچھے اُنہیں کے نقشِ قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو تورات کا سچّا بتانے والا بنا کر بھیجا اور ہم نے اُسے انجیل دی۔ اُس میں ہدایت اور نُور ہے۔ اور وُہ تورات کی جو اُس سے پہلے نازل ہوئی تھی، سچّا کرنے والی ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے[ف۱] ○

۴۷- وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

۴۷- اور چاہئے کہ انجیل والے اُس کے موافق جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے حکم کریں اور جو کوئی خُدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ دے تو وہی فاسق ہیں[ف۲] ○

۴۸- وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

۴۸- اور تیری طرف (اے محمدؐ) ہم نے سچّائی سے کتاب نازل کی ہے جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور

ف۱ مسیحؑ کی تعلیمات تورات سے قدرے مختلف ہیں اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ انبیاءؑ کے غرض ومقصد میں اختلاف وتضاد ہے بلکہ یہ ہے کہ حالات وواقعات کے ماتحت تعلیمات کا بظاہر فروع میں مختلف ہونا لابدی اور ضروری ہے۔ مگر اصول واساس میں پُوری وحدت ویکسانی ہوتی ہے جس طرح یہ ضروری ہے کہ قدرت کے دوسرے مظاہر مادیہ میں وحدت ویکجہتی ہو اسی طرح شرائع اور ادیان بھی باوجود تنوع کے ایک محسُوس وحدت اپنے اندر پنہاں رکھتے ہیں۔ سب کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو روح وجسم سمیت ارتقاء کی سب سے اونچی سیڑھی پر چڑھایا جائے اور اس میں حالات وظروف کے ماتحت اس نوع کی استعداد پیدا کی جائے کہ وہ دُنیا وعقبیٰ کی سعادتوں کا حامل ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لاحق سابق کی تائید کرتا ہے اور ہر پچھلا پہلے کا مصدّق قرار پاتا ہے۔

اس آیت میں اسی حقیقت ثابتہ کی طرف اشارہ ہے کہ تورات وانجیل دونوں کتابیں اللہ کی ہیں اور دونوں پر ایمان لانا اور دونوں کو خدا کی طرف سے ماننا ضروری ہے۔

اِنجیلی فیصلے

ف۲ وَلْيَحْكُمْ سے قبل قلنا محذوف ہے۔ یعنی ہم نے انجیل دینے کے بعد اہلِ انجیل سے کہا کہ تم ہمیشہ ہمیشہ انجیلی فیصلوں کے ماتحت اپنی زندگی گزارو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وَلْيَحْكُمْ كَتَبْنَا اور قَفَّيْنَا کے سیاق میں درج ہے اور قرآن حکیم میں ایسے مواقع پر الفاظ زائدہ کو محذوف رکھا جاتا ہے۔ جیسے اہلِ جنّت کے ذکر میں فرمایا۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ یعنی جب فرشتے جنّت والوں کے پاس آئیں گے تو کہیں گے۔ تم پر سلامتی ہو۔ یہاں "يَقُوْلُوْنَ" کا لفظ محذوف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مُراد یہ ہے کہ انجیل والے مکلف ہیں کہ اپنی آراء کو شریعت کے باب میں مطلقاً ترک کر دیں اور صرف خدا کے نازل کردہ احکام کی پیروی کریں، ورنہ فسق وکفر کا خلعت انہیں پہنایا جائے گا۔

حلِّ لُغات

قَفَّيْنَا۔ مصدر تقفی اصل قفا۔ یعنی پیچھے لگایا۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

اُن کی مُحافظ ہے۔ پس تُو یہودلوں کے درمیان خُدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم کر اور جو حق بات تیرے پاس آچکی ہے اُسے چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کا مطیع نہ ہو۔ اور لوگو! تم میں سے ہر کسی کو ہم نے ایک شریعت اور ایک راہ دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن وہ تمہیں اپنے دیئے ہوئے میں آزماتا ہے۔ سو تم خُوبیوں میں سبقت لے جاؤ۔ اللہ ہی کی طرف سب کو جانا ہے۔ سو وہ تمہاری اختلافی باتوں میں تمہیں آگاہی[ف] بخشے گا ۝

۴۹۔ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ

۴۹۔ اور تُو اُن کے درمیان خُدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم کر اور اُن کی خواہشوں پر نہ چل اور اُن سے

مُصدّق و مُہیمن کتاب

[ف] قرآنِ حکیم کے متعلق یہاں ارشاد ہے کہ وہ حق و صداقت ہے۔ یعنی حالات و ضروریات کے بالکل موافق اور مُطابق ہے اور مصدق ہے۔ یعنی تمام پیشگوئیاں جو پہلی کتابوں میں مرقوم تھیں، قرآنِ پاک کے نزول سے ثابت و متحقق ہو گئی ہیں یعنی تصدیق کے معنی یہاں سچا ثابت کرنے کے ہیں۔ جیسے شاعر کہتا ہے۔ ع

فوارس صدقت فیھم ظنونی

اور مُہَیمِن بھی ہے۔ یعنی پہلی کتابوں کی صداقت پر شاہدِ اکبر جیسے حضرت حسانؓ فرماتے ہیں ؎

ان الکتاب مھیمن بیننا والحق العرفہ ذوو الالباب

(ترجمہ) تورات و انجیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی صداقت کے گواہ ہیں اور سچائی کو سب عقلمند جانتے پہچانتے ہیں۔

مقصد یہ کہ قرآنِ حکیم کی حیثیت گواہ اور شاہد کی ہے۔ یہ نہ ہو تو پہلی کتابیں یکسر مشکوک ٹھہریں فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد یہ ہے کہ اب قرآنِ حکیم کے نزول کے بعد قرآن ہی حکم رہے گا۔ آپ مجاز نہیں کہ کسی دُوسری چیز کو کوئی وقعت دیں۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو حالات و ظروف کے تحت ایک طریقِ نجات بتایا ہے۔ اس لئے یہ اختلافِ ادیان بہرحال باقی رہے۔ آپ گھبرائیں نہیں، خدا کی مشیت کا تقاضا اگر یہ ہوتا کہ سب آپ کی دعوت کو قبول کر لیں تو سرے سے اختلاف ہی پیدا نہ ہوتا اور تمام قومیں ایک قوم کی شکل میں نظر آتیں۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہؤا کہ مقصد اپنے اپنے زمانے میں خیرات و حَسنات کی طرف سبقت لے جانا ہے۔

اس لئے آپ بدستور مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ کی تبلیغ میں مصروف رہیں اور یہود و نصاریٰ کے جذبات و امیال سے کامل احتراز اختیار کریں

حلِّ لُغات

مُهَيْمِن۔ شاہد۔
أَهْوَاءَهُمْ۔ خواہشاتِ نفس۔

اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝

بچارہ، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی بات پر جو خُدا نے تجھ پر نازل کی ہے، تجھے بہکا دیں۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو سمجھ لے کہ اللہ اُن کے بعض گناہوں کے سبب کوئی مصیبت اُن پر لانا چاہتا ہے۔ اور البتہ لوگوں میں اکثر فاسق ہیں ۝

۵۰۔ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ع

۵۰۔ کیا وہ زمانہ جاہلیّت کے حکم چاہتے ہیں؟ اور یقین رکھنے والوں کے لئے خُدا سے بہتر کون حاکم ہے[1] ۝

۵۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

۵۱۔ مومنو! تم یہُود و نصارٰی کو دوست نہ بناؤ۔ وہ سب آپس میں ایک دُوسرے کے دوست[2] ہیں اور تم میں سے جو کوئی اُن کو دوست پکڑے گا تو بے شک وہ اُن ہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ

ف۱ جاہلیّت کا زمانہ وہ ہے جب آفتاب اسلام طلوع نہیں ہؤا تھا اور لوگ پوری تاریکی میں تھے۔ اُس وقت قاعدہ یہ تھا کہ اُمراء و معززین کی رعایت کی جائے اور غربا و بے کس لوگوں کو سزائیں دی جائیں۔
قرآن حکیم کہتا ہے۔ کیا اہل کتاب بھی اس قسم کے فیصلوں کو چاہتے ہیں جس میں عدل و انصاف کیا گیا ہو؟
یعنی بنو قریظہ اور بنو نضیر کے معاملہ میں نا انصافی نہیں کی جاسکتی۔ دونوں یہُودی ہیں اور دونوں یکساں عزت و حُرمت کے مالک ہیں۔
ف۲ اَوْلِيَاۗءَ سے مُراد وہ دوست ہیں جو تمہیں بد دیانتی اور بد اخلاقی پر مجبور کردیں۔ ورنہ عام معاشی اور شہری تعلقات میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حلِّ لُغات

فَاسِقُوْنَ۔ جمع فَاسِقٌ۔ احکام خداوندی کی مخالفت کرنے والے۔

يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○

ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا ○

۵۲ - فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ○

۵۲ - اب تو اُنہیں جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے دیکھے گا کہ یہود میں دَوڑ کر ملے جاتے ہیں اور اُن سے کہتے پھرتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ سو قریب ہے کہ اللہ جلد فتح (مکہ) بھیجے یا اپنی طرف سے کوئی حکم بھیجے۔ پس منافقین اپنے دِلوں کی ان باتوں کو جو انہوں نے چھپا رکھی ہیں، شرمندہ ہوں[1] ○

۵۳ - وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ○

۵۳ اور مسلمان آپس میں کہیں گے کہ یہ وہی ہیں کہ خدا کی سخت قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن کے اعمال برباد گئے اور وہ زیاں کاروں میں[2] ہو گئے ○

[1] گروہ منافقین در پردہ یہود و نصاریٰ سے ملا رہتا اور وجہ جواز یہ پیش کرتا کہ یہ لوگ مال دار ہیں، وقت پڑنے پر کام آئیں گے۔

اِس آیت میں اس وہم کا جواب ہے۔ فرمایا کہ کم بختو! تمہیں کیا معلوم ہے کہ مسلمانوں کی قسمت چمکنے والی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور غریب و مفلس مسلمان لوگوں کی قسمت کے مالک ٹھہریں گے۔ اُس وقت ندامت و حسرت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لئے مداہنت سے باز آجاؤ اور عارضی اعانت کے بھروسے پر ایمان جیسی متاع گراں قدر ہاتھ سے نہ دو۔

[2] پہلی آیت سے متعلق ہے۔ یعنی جب مُسلمانوں کا افلاس عزت و شرف سے بدل جائے گا تو اُس وقت وہ منافقین کو مخاطب کرکے از راہِ تعجب و تحقیر کہیں گے۔ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان کا منافقانہ اظہار کرتے تھے اور آج یہ کیفیت ہے کہ تمام اعمال ضائع اور تمام کوششیں رائیگاں ہیں۔

حلِّ لُغات

دَآئِرَةٌ - پھیر۔ گردش گردوں۔
اَسَرُّوْا - مصدر اسرار۔ چھپانا، ظاہر کرنا ذوات الاضداد سے ہے۔ یہاں مُراد چھپانا ہے۔
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ - مضبوط حلف۔

٥٤- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○

٥٤- مومنو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ لائے گا جنہیں وہ چاہے گا اور وہ اُس کو چاہیں گے۔ وہ مسلمانوں پر نرم دل اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی الزام دینے والے کے الزام سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے۔ اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے ○

٥٥- اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ○

٥٥- تمہارا دوست صرف وُہی اللہ ہے اور اُس کا رسولؐ اور وہ ایمان دار جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور جھکتے ہیں ○

٥٦- وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ

٥٦- اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مومنین سے دوستی رکھتا ہے تو جو اللہ کے گروہ کے

اسلام ہرگز خطرہ میں نہیں

ف ایک طرف یہودیوں کی یہ سازش تھی کہ سادہ لوح مسلمانوں کو ارتداد پر آمادہ کیا جائے۔ دُوسری طرف جھوٹے مُدعیانِ نبوت کوشاں تھے کہ کسی طرح نادان اور بے وقوف لوگوں کے متاعِ ایمان پر ڈاکہ ڈالا جائے۔ نتیجہ یہ تھا کہ چند بے وقوف جن کے دل ذوقِ ایمان سے صحیح طور پر آشنا نہ تھے، ارتداد اختیار کرنے لگے۔

اس آیت میں بتایا کہ یاد رکھو، تمہاری ان حرکتوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم اگر ارتداد اختیار کر لو گے تو خدا اپنے دین کی حمایت کے لئے اور پُرجوش اور مخلص مسلمان پیدا کر دے گا جنہیں اللہ اور اُس کے دین سے عشق ہوگا اور جو مسلمانوں کے لئے نہایت شفیق و رحیم ہوں گے، مگر کفر کے لئے صاعقۂ جانسوز۔ وہ مجاہد ہوں گے اور خدا کی راہ میں کسی ملامت و لوم کی پرواہ نہیں کریں گے۔

یعنی اسلام اللہ کا دین ہے، اسے کسی نقصان اور سازش کا ڈر نہیں۔ وہ بڑھے گا۔ کفر کی ساری کوششیں، طاغوت کا سارا زور اسے ترقی سے نہیں روک سکتا۔ وہ صرف اس لئے آیا ہے تاکہ سب پر غالب رہے اور تمام لوگ اُسے اختیار کریں۔

حلِ لغات

اَذِلَّةٍ۔ جمع ذلیل۔
اَعِزَّةٍ۔ جمع عزیز۔

الْغٰلِبُوْنَ ○

لوگ ہیں، وہی غالب رہیں گے ف۱ ○

۵۷ - یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○

۵۷ - مومنو! اہلِ کتاب میں سے جو لوگ تمہارے دین کا ٹھٹھا اور کھیل بناتے ہیں اُن کو اور کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ اور خدا سے ڈرو۔ اگر تم مومن ہو ○

۵۸ - وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ○

۵۸ - اور جب تم بانگ دے کر نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اس کو ٹھٹھا اور کھیل ٹھہراتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں ف۲ ○

۵۹ - قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ

۵۹ - تو کہہ اے اہلِ کتاب (یعنی یہود) کیا تم کو ہم سے بیر ف۳ ہے کہ ہم خدا پر ایمان لائے ہیں؟ اور (حالانکہ)

ف۱ اس آیت میں بتایا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ اور رسُولؐ اور تمام مخلص مسلمانوں کی تائید حاصل ہے۔ اس لئے یہ گروہ خدا کا گروہ ہے۔ جس کی قسمت میں ابداً نصرت و غلبہ مقدر ہے۔

ف۲ کتے ہیں جہاں ماننے والے مخلص ایمان دار موجُود تھے، وہاں وہ بھی تھے جو شعائرِ دین کا مضحکہ اُڑاتے۔ جب اذان ہوتی اور اور بندگانِ خدا کو پیش گاہِ عزت و جلال میں دعوتِ عبادت و نیازمندی دی جاتی تو ہنستے اور کہتے، دیکھئے مسلمانوں کی عبادت کتنی خندہ آفرین ہے یعنی رکُوع و سجُود اور تسبیح و تہلیل کا یہ شان دار مظاہرہ جسے قرآن کی اصطلاح میں صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اُن کے لئے ناقابلِ فہم عمل تھا۔

قرآنِ حکیم فرماتا ہے۔ جو لوگ اس نوع کے بد ذوق ہیں اور ایمان و اتقاء کی نعمتوں سے اُن کے دامن یکسر خالی ہیں، ہرگز اس قابل نہیں کہ مسلمانوں کے لئے کوئی جاذبیت اپنے اندر پیدا کر سکیں اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن کی صحبت و دوستی سے پرہیز کریں تاکہ نفاق و مداہنت کی باتیں سُن سُن کر اُن کی حسِ مذہبی مُردہ نہ ہو جائے۔

دشمن کیوں ہو؟

ف۳ اس آیت میں اہلِ کتاب سے انکار و استہزاء کا سبب دریافت کیا ہے۔ یعنی اُن سے پُوچھا ہے کہ ہم آخر موردِ عتاب کیوں ہیں؟ کیا اس لئے کہ ہمارے دلوں میں ایمان باللہ کی آگ روشن ہے اور ہم تمام انبیاءؑ کا یکساں احترام کرتے ہیں۔ نیز ہمارے نزدیک ہر سچائی قابلِ اعتراف و احترام ہے۔ اس لئے کہ ہم کسی خدا پرست پیمبر کا انکار نہیں کرتے اور سب کو فیوض و برکاتِ الٰہیّہ کا حامل و متکفل سمجھتے ہیں۔ کیا توحید جُرم ہے اس طلعتِ حق کا جمال ہر جبینِ رسالت میں جلوہ آرا نہیں اور کیا یہ جھوٹ ہے کہ سب رسُولؐ اسی کے بحارِ قدرت و علم کے شناور ہیں؟ وجہ کیا ہے کہ ہم پر اتہام و ایذا کے تمام تیر برسائے جاتے ہیں۔ یعنی جب تمہاری حالت خود یہ ہے کہ فسق و فجور کا منبع و مخزن ہو تو پھر حق پرستوں سے یہ دشمنی کیوں؟

حلِّ لُغات

هُزُوًا۔ ٹھٹھا۔ مذاق۔

نَادَیْتُمْ۔ مصدر مناداۃ۔ بلانا۔ پکارنا یعنی اذان دینا۔

تَنْقِمُوْنَ۔ مادہ نقمۃ۔ عذاب۔ تکلیف۔ کینہ۔

إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ ۙ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ○

جو کچھ ہم پر اور ہم سے پہلے نازل ہؤا ہے۔ اُس کو مانتے ہیں۔ اور یہ کہ تم میں اکثر فاسق ہیں ○

۶۰۔ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللّٰهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّٰغُوتَ ۚ أُولَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ السَّبِيلِ ○

۶۰۔ تُو کہہ کیا مَیں تمہیں بتاؤں کہ جزا میں اللہ کے نزدیک اس سے بدتر کون ہے؟ وہ جس پر خُدا نے لعنت کی اور اُس پر غصہ ہؤا اور جن میں سے بعض کو بندر اور سُوّر بنا دیا اور وہ شیطان کو پُوجنے لگے۔ وہی درجہ میں بدتر اور راہِ راست سے بہُت دُور بھکے ہوئے ہیں[ف۱] ○

۶۱۔ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِۦ ۚ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ○

۶۱۔ اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ وہ دل میں کُفر ہی لے کر آتے اور کُفر ہی لے کر نکل جاتے ہیں۔ اور خُدا خُوب جانتا ہے جو وہ چُھپاتے ہیں[ف۲] ○

ف۱ بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ سے مُراد یہ ہے کہ اگر تم عقائدِ صحیحہ کو دُرست اور ٹھیک خیال نہیں کرتے اور توحید تمہارے نزدیک بُرائی کا نام ہے تو بتاؤ اللہ کی لعنتیں اور غضب و غصہ کو کیا کہوگے؟ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جنہیں نافرمانی و عصیان کے معاوضے میں بندر اور سُور بنا دیا گیا اور طاغوت پرستی تمہاری گُھٹّی میں ڈال دی گئی؟

پھر کیا تم ہی بدترین اور گمراہ تر نہیں ہو؟ مقصد یہ ہے کہ "بِشَرٍّ" کا لفظ بطور مفروضے کے ہے حقیقت کے نہیں۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ میں لوگوں نے مختلف قرأت کا ذکر کیا ہے جو تمام تر شاذ ہیں اور ساقط الاعتبار۔ یہ خالص عربی اندازِ بیان ہے جس میں کوئی اُلجھن نہیں۔ اِس لئے یہی موزوں ہے کہ قرأتِ متواترہ کو ترجیح دی جائے اور عَبَدَ کو بصورتِ فعل پڑھا جائے۔

ف۲ یہودیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بغرضِ استفادہ آتے اور بظاہر ارشاداتِ گرامی سُن کر تاثّر و ایمان کا اظہار بھی کرتے۔ مگر دلوں میں بدستور کُفر و خبث کا انبار پنہاں رکھتے۔ اِس آیت میں انہیں بدبختوں کا ذکر ہے کہ یہ لوگ معارف و حکم کا دریا بہتا ہؤا دیکھتے ہیں، مگر ان کے لب ہنوز تشنہ ہیں۔ آپؐ کے مُنہ سے سچائی اور صداقت کے پھُول گرتے ہوئے دیکھتے ہیں، مگر قلوب میں کوئی تاثّر پیدا نہیں ہوتا۔

بات یہ ہے کہ نفاق کا حجاب کثیف ایمان کی روشنی میں حائل ہے۔ ورنہ آفتاب نکلے اور تمازت محسُوس نہ ہو، کیسے ممکن ہے؟

حلِّ لُغات

مَثُوبَةً۔ جزائے خیر۔ اجر۔
اَلْقِرَدَةَ۔ جمع قِرْد۔ بندر۔
خَنَازِيرَ۔ جمع خِنزِير۔ سُوّر۔

٦٢ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

٦٢ اور تو اُن میں سے بہتوں کو دیکھے گا کہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری میں دَوڑتے ہیں۔ کیا بُرے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں ف۱ ○

٦٣ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○

٦٣ اُن کے درویش اور مُلّا اُن کو گناہ کی بات بولنے اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے۔ کیا بُرے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں ف۲ ○

٦٤ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا

٦٤ یہود کہتے ہیں کہ خُدا کا ہاتھ بندھ گیا ہے۔ اُنہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور اُن کے اِس کہنے کے سبب اُن پر لعنت ہے۔ بلکہ خُدا کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ف۳ جس طرح وہ چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور اللہ وہ جو تیری طرف تیرے ربّ سے نازل ہوا ہے وہ اُن میں سے

ف۱ اِس آیت میں یہودیوں کی مذہبی بے حسی اور بدعملی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ بے دریغ جھوٹ بولتے ہیں، حرام کار ہیں اور حرام خوری ہیں قطعاً تامل نہیں کرتے۔

ف۲ اِس آیت میں یہودیوں کے علماء کو ڈانٹ پلائی ہے کہ یہ کم بخت کیوں قوم کو جرائم پیشگی پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان کا منصب اصلاح و رہنمائی انہیں کیوں مجبور نہیں کرتا کہ وہ میدانِ عمل میں کُودیں اور قوم میں تقویٰ و تورع کی رُوح پھونک دیں۔

خُدا کے ہاتھ کشادہ ہیں!

ف۳ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ۔ کنایہ ہے بُخل سے۔ یعنی یہودی جاہ و تمول کے نشے میں مخمور ہو کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔ تمہارا خدا تمہارے حق میں کشادہ دست نہیں۔

فرمایا۔ اس مذاق کا جواب یہ ہے کہ تم پر خدا کا عذاب آئے گا اور سیم و زر کے یہ انبار چھین لئے جائیں گے جن پر تمہارا قبضہ ہے اور جن کی وجہ سے تمہاری آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ ہماری جناب میں یہ گستاخی ناقابلِ عفو ہے۔ یاد رکھو، خدا کے ہاتھ کشادہ ہیں، مگر وہ مجبور نہیں کہ تمہاری مرضی و ارادے کے موافق خرچ کرے۔ وہ جب چاہے گا مُسلمانوں کے لئے رزق کے دروازے کھول دے گا اور تم کو تمہاری سرسبز و شاداب وادیوں سے نکال دے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں میں قبولیت کی کوئی استعداد باقی نہیں رہی۔ جب بھی خُدا کے فیوض کا اظہار ہوگا، اُن کا تمرد و انکار بڑھتا جائے گا کیونکہ اُن کی طبیعتیں مسخ ہو چکی ہیں اور دل سیاہ۔

اس کے بعد ان کے باہمی اختلاف کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ قیامت تک آپس میں دست و گریبان رہیں گے۔

حلِ لغات

اَلْاِثْمَ۔ مطلقاً بُرائی۔ بُری بات۔

یَدُ اللّٰهِ۔ بطور مجاز کے ہے۔

بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ؕ کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ ۙ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ○

اکثروں کی شرارت اور کُفر زیادہ کرے گا اور ہم نے اُن میں قیامت کے دن تک دُشمنی اور بُغض ہی ڈال رکھا ہے۔ جب کبھی بھی وہ لڑائی کے لئے آگ جلاتے ہیں خُدا اُسے بُجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں اور خُدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ○

۶۵ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ○

۶۵ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اُن سے اُن کی بدیاں دُور کر دیتے اور اُنہیں نعمت کے باغوں میں داخل کرتے ○

۶۶ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ؕ مِنْھُمْ اُمَّۃٌ مُّقْتَصِدَۃٌ ؕ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ○ ع

۶۶ اور اگر وہ توریت اور انجیل کو اور اُس کو جو اُن پر اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے قائم رکھتے تو اپنے اُوپر اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے۔ اُن میں سے ایک جماعت سیدھی راہ چلنے والی ہے[1]۔ اور بہت سے اُن میں سے بُرے کام کرتے ہیں ○

[1] اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو اقامتِ دین کے لئے دعوت دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تم صحیح معنوں میں اہلِ کتاب ہو جاؤ اور اپنے اعمال سے ثابت کر دو کہ تمہیں دینداری سے بہرۂ وافر ملا ہے تو اللہ کی بخششوں کے دروازے کُھل جائیں گے۔ یعنی ایک طرف اُخروی زندگی میں جنّٰتِ نَعِیْم کے مزے ہیں اور دُوسری طرف دُنیا میں رزق وعیش کی فراوانی۔ مقصد یہ ہے کہ دیندار انسان کسی طرح بھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ دنیا و عاقبت دونوں جہان کی بشارتیں اس کے لئے مخصوص ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ کی تعمیم میں قرآن اور اس کی تمام صداقتیں داخل ہیں۔ کیونکہ اُس وقت تک توریت و انجیل پر عمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک اُس صداقتِ مشہود کا اقرار نہ کیا جائے جس کا نام قرآن ہے۔

حلِّ لُغات

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ کنایہ ہے مدّتِ مدید سے۔ مُراد تابید نہیں۔ کیونکہ ایک وقت آئے گا جب سب لوگ اسلامی ہدایات کو قبول کریں گے اور دنیا میں کوئی تفرقہ باقی نہیں رہے گا۔

اَرْجُلِھِمْ۔ جمع رِجْلٍ۔ پاؤں۔ مُقْتَصِدَۃٌ۔ اعتدال پسند یعنی مسلمان۔

٦٧ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○

٦٨ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

٦٧ اے رسُولؐ جو تیرے ربّ سے تجھ پر نازل ہؤا، اُن تک پہنچا دے۔ اگر تُو یہ نہ کرے تو تُو نے اُس کا پیغام نہ پہنچایا۔ اور خُدا تجھے آدمیوں سے بچالے گا بیشک خُدا کافر قوم کو ہدایت نہیں[۱] کرتا ○

٦٨ تُو کہہ اے اہلِ کتاب! تم کچھ (بھی) راہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم توریت اور انجیل پر اور جو تمہارے ربّ سے تمہاری طرف نازل ہؤا، اُس پر قائم نہ ہو جاؤ۔ اور اے محمدؐ! جو کچھ تیرے ربّ سے تیری طرف اُترا ہے، یہ تو اُن میں سے بہتوں کے درمیان شرارت اور کفر ہی بڑھائے گا۔ سو تُو کافر قوم پر افسوس[۲] نہ کر ○

منصبِ دعوت اور وعدۂ عصمت

[۱] نبوّت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص انسانیت کے فرازِ اعلیٰ پر جلوہ گر ہے اور اُس کا دل مہبطِ انوارِ الٰہی ہے۔ اُسے حکم ہے کہ اس روشنی کو جو تمہارے قلب پر پرتَو فگن ہے، عام کر دے اور دیدۂ بینا کو موقع دے کہ وہ اس نُورِ خالص سے بقدرِ تاب و تواں استفادہ کریں۔

اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ خدا کے احکام و معارف بندوں تک بے کم و کاست پہنچا دیں۔ ورنہ منصبِ دعوت و رسالت کے خلاف ہوگا۔

آیت کا مقصد یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی بُخل سے کام لیں گے اور فیوض و انوار سے محروم رکھیں گے۔ کیونکہ آپؐ کی نسبت بتصریح مذکور ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ یعنی آپؐ خزینۂ غیب تقسیم کرنے میں مُمسک نہیں ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ آپؐ کے متعلق اخفاء و اسرار کا عقیدہ رکھنا عہدۂ رسالت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یعنی آپؐ ہمہ فیض و افادہ ہیں۔ یہ [illegible] نے چند چیزیں عوام سے پوشیدہ رکھی ہیں اور وہ سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اسلام میں کوئی رازداری نہیں۔ وہ صاف، واضح، روشن طریقِ عمل کا نام ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ میں عصمت و محفوظیّت کا وعدہ ہے۔ یعنی آپؐ اور آپؐ کی تعلیمات دشمنوں کی ہر سیہ کاری سے محفوظ ہیں۔

قریشِ مکہ نے جب چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معاذ اللہ ختم کر دیا جائے تو آپؐ بوعدۂ عصمت کی بنا پر اُن کی آنکھوں میں دُھول ڈالتے ہوئے صاف نکل گئے۔ آپؐ کی تعلیمات بھی باوجود ہر سعیِ الحاد کے ویسی کی ویسی تابندہ و روشن ہیں۔

[۲] آیت کا مقصد یہ ہے کہ زبانی دعوائے دینداری کوئی چیز نہیں، جب تک تمام منزل مِنَ اللہ کتب پر یکساں ایمان نہ ہو۔

حلِّ لُغات

حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ۔ اقامتِ توریت کے معنی اس پر پُوری پُوری طرح عمل کرنا ہے۔

۶۹ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

۶۹ مسلمانوں اور یہودیوں اور صابئین اور نصاریٰ میں سے جو کوئی اللہ اور آخری دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اُنہیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں[۱] گے ۝

۷۰ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝

۷۰ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کی طرف رسُول بھیجے۔ جب کوئی رسُول اُن کے پاس ایسی بات لایا جو اُنہیں ناپسند تھی، اُنہوں نے کتنوں کو جُھٹلایا اور کتنوں کو قتل کیا[۲] ۝

۷۱ وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ

۷۱ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی۔ سو اندھے اور بہرے ہوگئے۔ پھر خدا اُن پر متوجہ ہوُا اور مُعاف کر دیا۔ (تو) پھر اُن میں بہُت لوگ اندھے اور بہرے

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ

[۱] آیت کے عموم سے بعض روشن خیال لوگوں نے دھوکا کھایا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اسلام صرف ایمان و عمل صالح کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ماننا ضروری نہیں۔ مگر یہ عقیدہ بوجوہ غلط اور گمراہ کُن ہے۔

(۱) اس لئے کہ قرآن حکیم نے ایک مستقل نظام حیات پیش کیا ہے جس میں عقائد سے لے کر اعمال کی جزئیات پر تک کی تلقین ہے اور جو تمام انسانی ضروریات پر حاوی و مشتمل ہے۔ صرف عقائد و توحید کا نام اسلام نہیں کہ مذکورہ بالا عقیدہ کو درست تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) قرآن حکیم ایک مرتب اور مربوط کلام ہے۔ اس میں سیاق کا خیال نہ رکھنا انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔ بیشتر کی آیات میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ قرآن حکیم کو نہ ماننے والے کافر ہیں۔ آپ افسوس نہ کریں۔ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ۔

(۳) ایمان باللہ کے معنی قرآن حکیم کی اصطلاح میں اسلام کو اس کی کامل شکل میں ماننے کے ہیں۔ نہ کہ سرسری عقیدۂ توحید کے۔ کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے کمال و تفصیل کے ساتھ ایمان کی تشریح فرمائی ہے۔ دیکھئے وہ مقامات جہاں ایمان باللہ کا ذکر ہے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ خدائے تعالیٰ مومن باللہ سے وہی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہے جو ایک مصلح مسلمان سے کی جا سکتی ہیں۔

(۴) اطاعتِ رسول کی اس قدر تاکید ہے اور اس کے انکار پر صاف صاف وعیدیں ہیں کہ تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

[۲] مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے اطاعتِ انبیاء کا عہد لیا گیا مگر وہ ہمیشہ منکر رہے اور صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ بعض اللہ کے پرستاروں کو شہید بھی کر ڈالا اور یہ قطعاً نہ سوچا کہ اس ظلمِ عظیم کی ہمیں کوئی سزا بھی ملے گی۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ خدا کی غیرت جوش میں آئی اور بخت نصر کے ہاتھوں انہیں ایسے ہولناک عذاب میں مبتلا کیا گیا جس سے سارے اسرائیلی لرز اُٹھے۔

حلِّ لُغات

فَرِيقًا۔ گروہ، جماعت۔
فَعَمُوا۔ اندھے ہوگئے۔ مصدر عمیٰ۔
صَمُّوا۔ بہرے ہوگئے۔ مصدر صَمَمٌ۔

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○

۷۲۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

۷۳۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

ہو گئے۔ اور اللہ اُن کے کام دیکھتا ہے ○

۷۲۔ بے شک وہ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں کہ اللہ جو ہے، وہ مسیح بن مریم ہی[1] ہے اور مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا، خدا اُس پر جنت حرام کریگا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا ○

۷۳۔ بے شک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں[2] سے ایک ہے۔ حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود ہی نہیں ہے۔ اگر وہ اس بات کو جو وہ کہتے ہیں، نہ چھوڑیں گے تو اُن میں جو کافر ہیں، دکھ دینے والا عذاب پائیں گے ○

ف[1] اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ابنِ مریم کو خدا کے مقامِ رفیع پر فائز سمجھنا بڑا کفر ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام جب تک زندہ رہے اپنی عبودیت کا اعلان فرماتے رہے اور کہتے رہے کہ اے آلِ اسرائیل صرف ربِّ اکبر کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا دونوں کا مشترک رب ہے اور کسی شخص کو اُس کا ساجھی اور شریک نہ ٹھہراؤ۔ ورنہ جنت کی نعمتوں سے یکسر محروم رکھے جاؤ گے۔

ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

ف[2] عقیدۂ تثلیث کے معنی یا تو یہ ہیں کہ عیسائی مریمؑ، مسیحؑ اور خدا کو لاہوت کے اقانیم مانتے ہیں۔ جیسے قرآنِ حکیم نے فرمایا۔ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اور یا یہ مقصود ہے کہ باپ، بیٹا اور رُوح القدس یہ تینوں مل کر اقانیم بنتے ہیں۔

دونوں صورتوں میں عقیدہ غیر منطقی، گمراہ کُن اور غلط ہے۔ اس لئے فرمایا۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی خدا کے متعلق تثلیث کا عقیدہ رکھنا اُس کی تفرید و توحید کی توہین کرنا ہے جو بدترین قسم کا کفر ہے۔

بات یہ ہے کہ خدا کی ذات والا صفات کا تقاضا یہ ہے کہ سوائے توحید و تفرید کے کوئی عقیدہ اُس کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہی ایک عقیدہ ہے جو بلند، صحیح اور جمیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مزعومات غلط اور معاندانہ ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھو اوراقِ گزشتہ)

حلِّ لُغات

مَاْوٰی۔ جگہ۔ ٹھکانا۔

۷۴۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

۷۴۔ وہ کیوں نہیں اللہ کی طرف توبہ کرکے گناہ بخشواتے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

۷۵۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○

۷۵۔ مسیحؑ اور کچھ نہیں، مگر ایک رسولؑ۔ اُس سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں۔ اور اُس کی ماں صدیقہ تھی۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے[ف۱]۔ دیکھ ہم اُن کے لئے کس طرح نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جاتے ہیں ○

۷۶۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

۷۶۔ تُو کہہ کیا تم خُدا کے سوا اُسے پُوجتے ہو جس کے اختیار میں نہ تمہارا نفع ہے اور نہ نقصان، اور وہی اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے[ف۲] ○

۷۷۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا

۷۷۔ تُو کہہ اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں ناحق مُبالغہ نہ کرو اور اُس قوم کے خیالات نہ مانو جو پہلے گمراہ اور بُہتوں کو بہکا گئے اور آپ سیدھی

ف۱ اس آیت میں اُلوہیتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ وہ مسیحؑ جو لوازم بشری کے ساتھ مُتصف ہے کیونکر خُدا ہو سکتا ہے اور وہ مریمؑ جو حوائج انسانی کی حامل ہے، کس طرح لاہُوت کا ایک اقنوم قرار دی جاسکتی ہے۔

یعنی جسے بُھوک بے قرار کردے، جو پیاس کی شدّت کو برداشت نہ کرسکے اور قُدرت کے تمام قواعد کے سامنے بےبس و بےکس ہو، کس طور سے خدائی کا مستحق ٹھہر سکتا ہے؟

مسیحؑ بھی گزشتہ رسولوں کی طرح ایک رسُول ہے جو انسان ہے اور تمام بشری اوصاف و لواحق سے وابستہ۔ پھر کیونکر اور کس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ خدائے مجسّم ہے۔

ف۲ مقصد یہ ہے کہ سمع اور علم کی تمام قُدرتیں خدا کو حاصل ہیں۔ وُہی ہے جو مُضطر اور بے قرار انسانوں کی سُنتا ہے اور حاجت روائی کرتا ہے۔ وُہی ہے جو ضرر و نفع کا مالک ہے اور جس کے اختیارات وسیع ہیں۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایسے قادر و علیم خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت میں مصرُوف ہو جو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نہ اُن کے اختیار میں ہے کہ تمہارا کچھ بگاڑ سکیں۔

حلِّ لُغات

قَدْ خَلَتْ۔ خلو کے معنی مطلقاً ہو گزرنے کے ہیں موت کے نہیں۔

لَا تَغْلُوْا۔ مادہ غلوا۔ زیادتی۔ افراط۔

كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

راہ سے بھٹک گئے ۝

۷۸- لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

۷۸- بنی اسرائیل کے کافروں پر بزبانِ داؤد اور عیسیٰ بن مریمؑ لعنت ہُوئی ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد پر قائم نہ رہتے تھے ۝

۷۹- كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

۷۹- اور آپس میں بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دُوسرے کو منع نہ کرتے تھے۔ کیا بُرا کام تھا جو وہ کرتے تھے ۝

۸۰- تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

۸۰- تُو اُن (یہودِ مدینہ) میں بہتوں کو دیکھتا ہے کہ کفار (مکہ) کے دوست ہیں۔ اُنہوں نے اپنی جانوں کے لئے بُری چیز آگے بھیجی ہے کہ اُن پر اللہ غصہ ہؤا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ۝

ف آیت کا مطلب یہ ہے کہ عقیدۂ تثلیث محض غلو فی الدّین کا نتیجہ ہے جسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ گمراہ قوموں سے ماخوذ ہے۔

نازِ بے جا

ف۲ بنی اسرائیل کو سب سے بڑا غرور اس بات پر تھا کہ ہماری رگوں میں انبیاء اور صلحاء کا خُون دوڑ رہا ہے اور ہم اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کے لقب سے متعزز ہیں۔

قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر اس نازِ بے جا کا جواب دیا ہے۔ اس آیت میں بھی اُن کے طلسم پندار کو توڑا ہے اور کہا ہے کہ کیا تم وہی نہیں جنہوں نے سبت کے معاملہ میں خدا کی صریح نافرمانی کی اور اس کی پاداش میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے ملعُون کا خطاب ملا۔ اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ تم نے نزولِ مائدہ کی درخواست کی، اور اس کے بعد پھر رُوگردانی کی جس کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام نے تمہیں لعنتی ٹھہرایا۔

جب یہ واقعات ہیں تو پھر تمہیں غرورِ بے جا کا کیا حق حاصل ہے؟

ف۳ ان دو آیتوں میں بیان فرمایا ہے کہ یہودی باوصف اہل کتاب ہونے کے اور بہت سی باتوں میں مُسلمانوں کے ساتھ اشتراک رکھنے کے کفار کے زیادہ دوست ہیں۔ حالانکہ ان کے تعلقات مُسلمانوں سے کہیں مضبوط ہونے چاہئیں۔ بات یہ ہے کہ یہود کو اسلام کی دشمنی نے اندھا کر رکھا تھا۔ وہ بُغض و حسد سے بُرے اور بھلے میں کوئی تمیز نہ کر سکتے تھے اور فسق و فجور کی وجہ سے اُن کی مذہبی حس مُردہ ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خدا کی ناراضی اور عذابِ مخلد کے مستحق ٹھہرے۔

حلِ لُغات

سَوَآءَ السَّبِيْلِ - صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

جادۂ معتدل۔ سیدھی اور آسان راہ۔

يَتَنَاهَوْنَ - مادہ تَنَاهِيْ - رُکنا۔ باز رہنا۔

۸۱ - وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

۸۱ - اور اگر وہ اللہ پر اور نبی پر اور اُس پر جو اُس پر اُترا ہے' ایمان لاتے تو اُن کفار کو دوست نہ بناتے۔ مگر اُن میں بہت فاسق ہیں ○

۸۲ - لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

۸۲ - مسلمانوں کے لئے دشمنی میں یہود اور مشرکین (مکہ) کو تُو سب آدمیوں سے زیادہ سخت پائے گا اور دوستی کے بارہ میں مسلمانوں کے لئے تُو اُن کو زیادہ قریب پائے گا۔ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ اُن میں عالم اور درویش ہیں اور یہ لوگ تکبر نہیں کرتے ○

ف

قرآن حکیم نے جہاں یہودیوں کی قساوتِ قلبی کا تذکرہ کیا ہے اور مشرکین مکہ کی عداوتوں کو بیان کیا ہے وہاں نہایت فراخ دلی کے ساتھ عیسائیوں کی تعریف بھی کی ہے۔ فرمایا ہے کہ یہودی اور مشرک مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ مگر عیسائیوں میں ایسے فقیر اور صلح جُو لوگ موجود ہیں جو کبر و پندار کے مرض سے آلودہ نہیں ہوتے اور جن کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ اور محبانہ ہیں۔

وجہ یہ تھی کہ یہودی مال و دولت کے نشے میں مخمور تھے۔ دینداری اور تورّع کے لئے اُن کے دلوں میں کوئی جذبہ نہ تھا۔ اس لئے وہ طبعاً ہر اُس تحریک سے متنفر تھے جو انہیں پاکبازی کی دعوت دے اور عیسائی چونکہ رہبانیت کی طرف مائل تھے اس لئے نسبتاً زیادہ متاثر اور روادار تھے۔

حلِ لغات

مَوَدَّةً ۔ دوستی و محبت۔

قِسِّيْسٌ ۔ اصل میں کشیش تھا جس کے معنی پہلوی میں میر آتشکدہ یا عالم دین کے ہیں ممکن ہے' یہ لفظ سنسکرت کے لفظ شیش سے بگڑا ہو جس کے معنی شاگرد کے ہیں۔ عربی میں قِسِّيْسٌ کے معنی عیسائی عالم باعمل کے ہیں۔